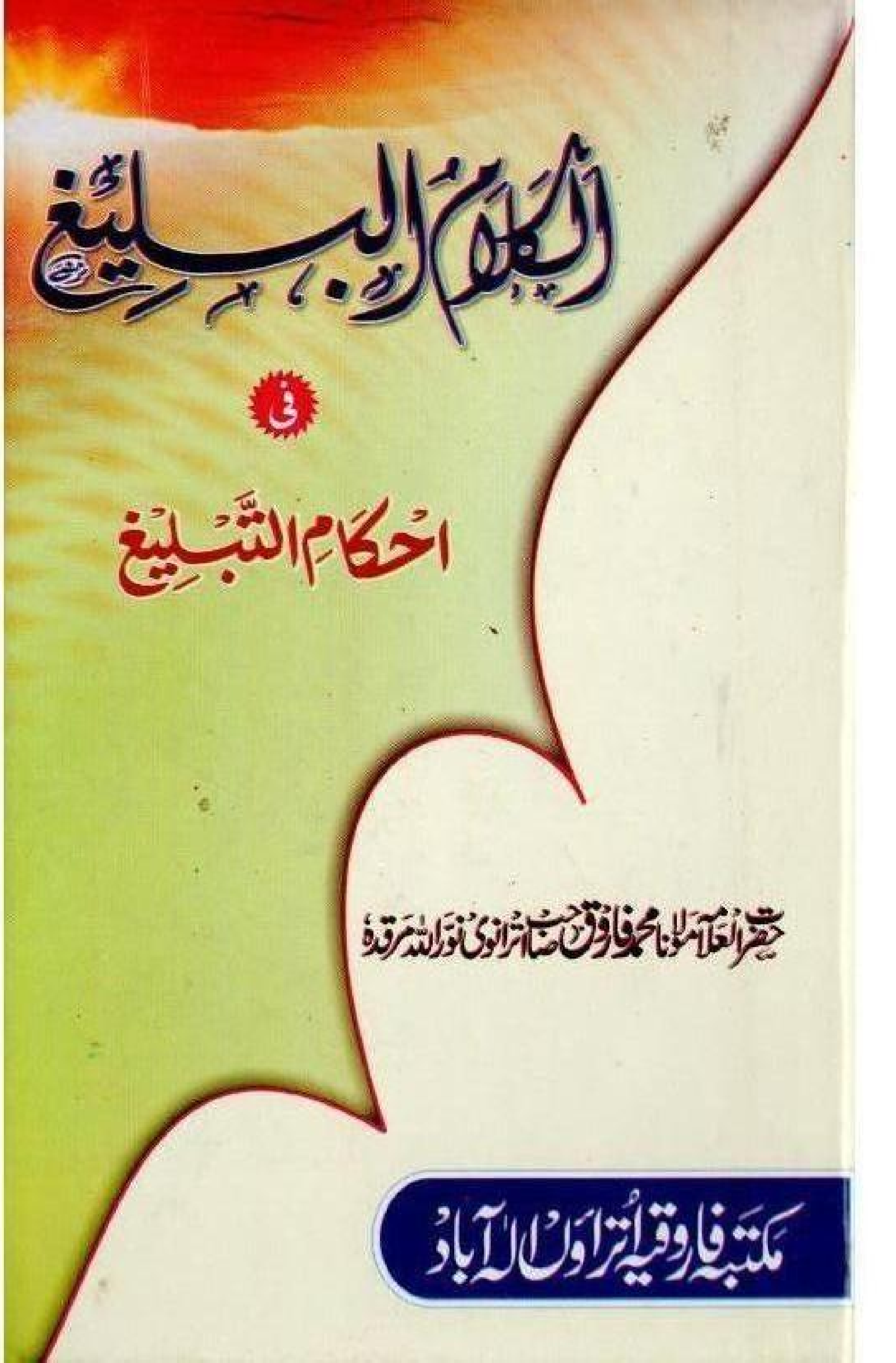

الکلام البلیغ

فی

احکام التبلیغ

حضرت العلامہ مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی نور اللہ مرقدہ

مکتبہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد

الکلام البلیغ

فی

احکام التبلیغ

یعنی

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

حصہ اوّل

حضرت العلامہ مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی نوراللہ مرقدہ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد (یوپی)

الفضل
9359209995 9719865733/34

تفصیلات

نام کتاب.................الکلام البلیغ فی احکام التبلیغ
(یعنی تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت)
مصنف.................حضرت العلامہ مولانا محمد فاروق صاحب نور اللہ مرقدہٗ
صفحات.................۵۶۴
سائز.................۱۸/۲۲/۸
مطبوعہ.................جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
ناشر.................مکتبہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد

فہرست (جلد اول)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	عرض ناشر	۸
۲	تقدمہ	۱۱
۳	رائے گرامی	۱۵
۴	مقدمہ	۱۶
۵	حرف آغاز	۳۶
۶	بدعت کے لغوی معنیٰ	۴۷
۷	بدعت کے شرعی معنیٰ	۴۸
۸	جس طرح فعل رسول سنت ہے اسی طرح ترک بھی سنت ہے	۵۳
۹	تبلیغ کے بعض آداب واحکام	۵۵
۱۰	تبلیغ امر مطلق ہے	۷۳
۱۱	تبلیغ مروجہ تعینات زائدہ اور ہیئات مخصوصہ و منکرہ سے متعین و مخصوص اور مقید و محدود ہے	۷۴
۱۲	اصول وقوانین شرعیہ	۹۲
۱۳	مطلق کے معنیٰ	۹۳
۱۴	ثبوت المطلق لا یستلزم ثبوت المقید	۹۹
۱۵	شب جمعہ کو صلوٰۃ اور یوم جمعہ صوم کیلئے خاص کرنا بدعت ہے	۱۰۳

۱۶ چھینک کے موقع پر الحمد للہ کے ساتھ السلام علیٰ رسول اللہ کہنا بدعت ہے...... ۱۰۴
۱۷ حضرت ابن عمرؓ نے اذان کے بعد تھویب کو بدعت فرمایا............ ۱۰۵
۱۸ حضرت ابن عمرؓ نے فجر کے بعد سنت سمجھ کر لیٹنے کو بدعت فرمایا.......... ۱۰۶
۱۹ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے نماز کے بعد انصراف عن الیمین کو اضلال شیطان فرمایا. ۱۰۶
۲۰ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اوراد وظائف دیں سنت ماثورہ پر زیادت کو بدعت فرمایا. ۱۰۹
۲۱ نماز میں سورت مخصوص کرنا بدعت ہے ۱۱۳
۲۲ بعد نماز فجر یا عصر یا جمعہ یا عیدین مصافحہ بدعت ہے.................. ۱۱۴
۲۳ سورۂ کافرون کا اجتماعاً پڑھنا بدعت ہے ۱۱۴
۲۴ فرض نمازوں کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا بدعت ہے ۱۱۴
۲۵ مباح بلکہ مستحب بھی جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے اور جس فعل سے عوام و جہلاء میں مفسدہ و فتنہ اعتقادیہ یا عملیہ قالیہ حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر واجب ہے.................. ۱۱۹
۲۶ جو فعل اور تخصیص فعل منقول نہ ہو اور متروک ہو اس کا احداث بدعت ہے...... ۱۲۲
۲۷ حضرت علیؓ کے نزدیک قبل نماز عید نفل نماز بدعت ہے.................. ۱۲۷
۲۸ حضرت ابن عمرؓ نے دعا میں سینہ تک ہاتھ بلند کرنے کو بدعت فرمایا.......... ۱۲۸
۲۹ حضرت ابن عباسؓ نے دعاء میں سجع کو بدعت فرمایا.................. ۱۲۸
۳۰ حضرت ابوبکر صدیقؓ شروع میں جمع مصحف کو بدعت سمجھتے تھے ۱۲۸
۳۱ زید بن ثابتؓ بھی جمع مصحف کو ابتداء میں بدعت سمجھتے تھے ۱۲۹
۳۲ بعد طلوع فجر سنت فجر کے علاوہ تنفل بدعت ہے.................. ۱۲۹
۳۳ عیدگاہ میں قبل نماز عید نفل پڑھنا بدعت ہے ۱۳۰

۳۴ عید الفطر کے دن تکبیر بالجہر بدعت ہے ۱۳۰
۳۵ بیس رکعات سے زیادہ تراویح بدعت ہے.................. ۱۳۰
۳۶ ختم قرآن کے وقت دعا اجتماعاً بلکہ مطلقاً بدعت ہے ۱۳۱
۳۷ کسوف کے وقت خطبہ بدعت ہے ۱۳۱
۳۸ صلوٰۃ الرغائب بدعت ہے.................. ۱۳۲
۳۹ سورۂ کافرون مع الجمعہ پڑھنا بدعت ہے ۱۳۲
۴۰ حضرت ابن عمرؓ نے صلوٰۃ ضحیٰ کو بدعت فرمایا.................. . ۱۳۲
۴۱ حضرت ابن عمرؓ نے نماز عصر میں قنوت پڑھنے کو بدعت فرمایا.................. ۱۳۳
۴۲ حضرت ابو مالک اشجعی صحابی نے دیگر فرائض میں بھی قنوت کو بدعت فرمایا.... ۱۳۴
۴۳ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن المغفل نے نماز بسم اللہ بالجہر کو بدعت فرمایا... ۱۳۴
۴۴ عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد میں بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی فرمایا اور ان کو مسجد سے نکلوا دیا ۱۳۵
۴۵ اجزاء کے مباح ہونے سے ہیئت مرکبہ کا جائز و مباح ہونا ضروری نہیں اگر قرون ثلاثہ میں اس ہیئت ترکیبیہ مجموعہ کا وجود شرعی نہیں تو اس کا احداث بدعت ہے ۱۳۸
۴۶ اگر تخصیص منقول نہیں ہے لیکن ترک نہیں بلکہ عدم فعل ہے تو امور مباحہ سے تخصیص اس شرط سے جائز ہے کہ کوئی قبح و مفسدہ لازم نہ آئے.................. ۱۴۴
۴۷ ایسے امور مباحہ عادیہ منقولہ سے تخصیص جو کسی مامور بہ کے موقوف علیہ ہوں کہ بغیر ان کے مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا تو وہ تخصیص بدعت نہیں ۱۵۱
۴۸ اگر تخصیص منقول ہے تو وہ مندوب ہوگی یا سنت مقصودہ ہوگی پس اگر علماً یا عملاً مندوب و مستحب کو سنت مقصودہ یا واجب کا اور سنت مقصودہ کو وجوب کا

۱۶ چھینک کے موقع پر الحمدللہ کے ساتھ السلام علیٰ رسول اللہ کہنا بدعت ہے...... ۱۰۴
۱۷ حضرت ابن عمرؓ نے اذان کے بعد تثویب کو بدعت فرمایا.......... ۱۰۵
۱۸ حضرت ابن عمرؓ نے فجر کے بعد سنت سمجھ کر لیٹنے کو بدعت فرمایا.......... ۱۰۶
۱۹ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے نماز کے بعد انصراف عن الیمین کو اضلال شیطان فرمایا. ۱۰۶
۲۰ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اوراد وظائف دیں سنت ماثورہ پر زیادت کو بدعت فرمایا. ۱۰۹
۲۱ نماز میں سورت مخصوص کرنا بدعت ہے ۱۱۳
۲۲ بعد نماز فجر یا عصر یا جمعہ یا عیدین مصافحہ بدعت ہے.......... ۱۱۴
۲۳ سورۂ کافرون کا اجتماعاً پڑھنا بدعت ہے ۱۱۴
۲۴ فرض نمازوں کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا بدعت ہے ۱۱۴
۲۵ مباح بلکہ مستحب بھی جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے اور جس فعل سے عوام و جہلاء میں مفسدہ و فتنہ اعتقادیہ یا عملیہ قالیہ حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر واجب ہے.......... ۱۱۹
۲۶ جو فعل اور تخصیص فعل منقول نہ ہو اور متروک ہو اسکا احداث بدعت ہے...... ۱۲۲
۲۷ حضرت علیؓ کے نزدیک قبل نماز عید نفل نماز بدعت ہے.......... ۱۲۷
۲۸ حضرت ابن عمرؓ نے دعا میں سینہ تک ہاتھ بلند کرنے کو بدعت فرمایا.......... ۱۲۸
۲۹ حضرت ابن عباسؓ نے دعاء میں سجع کو بدعت فرمایا.......... ۱۲۸
۳۰ حضرت ابوبکر صدیقؓ شروع میں جمع مصحف کو بدعت سمجھتے تھے ۱۲۸
۳۱ زید بن ثابتؓ بھی جمع مصحف کو ابتداء میں بدعت سمجھتے تھے ۱۲۹
۳۲ بعد طلوع فجر سنت فجر کے علاوہ تنفل بدعت ہے.......... ۱۲۹
۳۳ عیدگاہ میں قبل نماز عید نفل پڑھنا بدعت ہے ۱۳۰

۳۴ یدالفطر کے دن تکبیر بالجہر بدعت ہے ۱۳۰
۳۵ یں رکعت سے زیادہ تراویح بدعت ہے.......... ۱۳۰
۳۶ تم قرآن کے وقت دعا اجتماعاً بلکہ مطلقاً بدعت ہے ۱۳۱
۳۷ سوف کے وقت خطبہ بدعت ہے ۱۳۱
۳۸ صلوٰۃ الرغائب بدعت ہے.......... ۱۳۲
۳۹ ورۂ کافرون مع الجمعہ پڑھنا بدعت ہے ۱۳۲
۴۰ ضرت ابن عمرؓ نے صلوٰۃ ضحیٰ کو بدعت فرمایا ۱۳۲
۴۱ ضرت ابن عمرؓ نے نماز عصر میں قنوت پڑھنے کو بدعت فرمایا.......... ۱۳۳
۴۲ ضرت ابو مالک اشجعی صحابی نے دیگر فرائض میں بھی قنوت کو بدعت فرمایا.... ۱۳۴
۴۳ صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن المغفل نے نماز بسم اللہ بالجہر کو بدعت فرمایا... ۱۳۴
۴۴ عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد میں بلند آواز سے کلمۂ طیبہ اور درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی فرمایا اور ان کو مسجد سے نکلوا دیا ۱۳۵
۴۵ اجزاء کے مباح ہونے سے ہیئت مرکبہ کا جائز و مباح ہونا ضروری نہیں اگر قرون ثلاثہ میں اس ہیئت ترکیبیہ مجموعہ کا وجود شرعی نہیں تو اس کا احداث بدعت ہے ۱۳۸
۴۶ اگر تخصیص منقول نہیں ہے لیکن ترک نہیں بلکہ عدم فعل ہے تو امور مباحہ سے تخصیص اس شرط سے جائز ہے کہ کوئی قبح و مفسدہ لازم نہ آئے ۱۴۴
۴۷ ایسے امور مباحہ عادیہ منقولہ سے تخصیص جو کسی مامور بہ کے موقوف علیہ ہوں کہ بغیر ان کے مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا تو وہ تخصیص بدعت نہیں ۱۵۱
۴۸ اگر تخصیص منقول ہے تو وہ مندوب ہوگی یا سنت مقصودہ ہوگی پس اگر علماً یا عملاً مندوب و مستحب کو سنت مقصودہ یا واجب کا اور سنت مقصودہ کو وجوب کا

درجہ دیدیا تو عمل مشروع بدعت ہے ۱۵۴
۴۹ سنت کی ادائیگی سے بدعت اور فساد لازم آئے تو اس سنت کو ترک کردیا جائیگا اور اگر واجب کی ادائیگی سے بدعت اور فساد لازم آئے تو اس میں اشتباہ ہے بعض علماء کے نزدیک واجب کو ترک نہ کیا جائے گا بدعت کی اصلاح کی جائے گی اور بعض علماء کہتے ہیں واجب کو بھی ترک کردیا جائے گا ۱۶۰
۵۰ امر مشروع و جائز ایک مکروہ کے انضمام سے مکروہ و ناجائز ہو جاتا ہے ۱۶۳
۵۱ کسی مطلوب شرعی کو تدیناً ترک کردینا بدعت ہے ۱۶۵
۵۲ مداہنت و ترک نہی عن المنکر ۱۶۷
۵۳ دعا بالجہر والاجتماع ۱۸۴
۵۴ تفویض منصب تبلیغ و امارت نااہل و فساق ۲۰۴
۵۵ غیر عالم کبھی وعظ نہ کہے ۲۰۹
۵۶ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا ارشاد ۲۲۵
۵۷ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شرعی و فقہی و اصولی تحقیق براہین قاطعہ میں ۲۳۲
۵۸ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد فرمودہ شرعی و فقہی قواعد کلیہ خمسہ ۲۴۲
۵۹ تبلیغ مروجہ اور اذکار مشائخ ۲۵۷
۶۰ تبلیغ مروجہ اور مدارس اسلامیہ ۲۷۳
۶۱ حجیت تجربہ ۲۲۹

فہرست (جلد دوم)

نمبر شمار عنوان صفحہ
۱ سوال: یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے ۳۳۸
جواب: جب تبلیغ مروجہ کا بدعت ہونا ثابت ہو چکا ۳۳۸
۲ سوال: تبلیغی تحریک عالمگیر ہو رہی ہے ۳۴۴
جواب: تمام دنیا میں پھیل جانا ۳۴۴
۳ سوال: جب تبلیغ مروجہ سے عظیم الشان فائدہ ہو رہا ہے ۳۷۱
جواب: غلط ہے ۳۷۱
۴ سوال: میوات کے پچاس لاکھ سے زائد مسلمانوں کا عمومی... .... ۳۹۳
جواب: بیشک میوات میں بڑا کام ہوا ۳۹۳
۵ سوال: جب یہ امر مولانا تھانویؒ کے سامنے تھا ۴۱۳
جواب: مذکور نہ ہونے سے لازم نہیں آتا ۴۱۳
۶ حضرت مولانا الیاس صاحب کی سوانح میں ۴۱۷
جواب: یہ مولانا ندوی مدظلہم العالی کا خیال ہی خیال ہے ۴۱۷
۷ سوال: جن کاموں کیلئے نبی اصالۃً مبعوث ہوئے ۴۲۶
جواب: تواب عاشقانِ سنت نبوی... .... ۴۲۷

عرض ناشر

والد محترم حضرت مولانا محمد فاروق صاحب، اترانوی نور اللہ مرقدہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل اور مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے اخص الخواص متوسلین وخلفاء میں تھے، نہایت ذہین وفطین تھے اور اسی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے صاحب نسبت تھے، تدین وتقویٰ کے مقام بلند پر فائز تھے۔

ان کے علم کی گہرائی وگیرائی مسلم تھی، حضرت مصلح الامت علیہ الرحمہ ان پر اعتماد کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حق وباطل اور صواب وخطا کے پہچاننے کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، بالخصوص طریقۂ سنت اور رواج بدعت کی کامل شناخت رکھتے تھے اور اسے ظاہر کرنے اور پہچوانے کا خاص سلیقہ انہیں حاصل تھا، ہمارا علاقہ جہاں ہمارا آبائی وطن اتراؤں ہے، روافض اور اہل بدعت سے پٹا پڑا ہے، ان کے رسوم ورواج، اہل سنت کے درمیان اس طرح گڈمڈ اور مخلوط ہیں کہ فرق کرنا دشوار ہے، والد صاحب کو اللہ نے شناخت کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا، (اور شاید اس میں ان کے نام کا بھی دخل تھا) ساتھ ہی اظہار حق کی جرأت بھی بخشی تھی، وہ بغیر کسی خوف کے حق کا اظہار کرتے تھے ان کے قلب میں دین حق کی حمایت ونصرت اور امت کے درد کا حصہ وافر تھا۔ انہوں نے اپنے علم وفضل، اعتماد علی اللہ اور اس فطری شجاعت سے ان باطل فرقوں سے مقابلہ بطریقِ احسن کیا اور اللہ نے انہیں اس سلسلے میں نمایاں کامیابی عطا فرمائی، چنانچہ بدعت ورفض کے اندھیروں میں قرآن وسنت کی قندیلیں پورے علاقے میں فروزاں ہوگئیں اور مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد نے بدعات کی بیڑیوں سے آزاد ہوکر سنت کی وسیع وعریض فضاء میں راحت کی سانس لی، اللہ کا شکر ہے کہ حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی کدوکاوش سے علاقہ کا رنگ بدل گیا۔

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی نظر جہاں پرانے فتنوں پر رہی ہے، وہیں ان فتنوں کا بھی احتساب کرتے تھے جو موجودہ دور میں رنگ بدل بدل کر سامنے آرہے ہیں، کبھی دینی رنگ میں، کبھی سیاسی رنگ میں، کبھی نیم دینی ونیم سیاسی رنگ میں! ہر ایک کے حسن وقبح پر حضرت کی نظر تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ کی برپا کردہ تبلیغی تحریک ابتداء ہی سے علماء کی نظر میں رہی ہے۔ یہ ایک مفید دینی تحریک تھی، جس کے فوائد سے لوگ متاثر ہورہے تھے، لیکن آغاز کار ہی سے بعض حضرات علماء کے دل میں کھٹک محسوس ہورہی تھی جوں جوں یہ تحریک بڑھتی رہی اور عوام کا اس پر غلبہ ہوتا رہا،

اس میں غلو کا رجحان بڑھتا رہا، پھر اس پر بدعت کا رنگ نمایاں ہونے لگا، عام طور سے علماء نے اغماض سے کام لیا، یا شاید اس کے فوائد دیکھ کر خاموشی اختیار کرنے میں مصلحت سمجھی گو کہ اہل علم کی خاص مجالس میں زیر لب اس کا تذکرہ رہا، مگر بر سر عام یہ بات نہیں کہی گئی۔

اس موضوع پر تحریراً اور تقریراً برملا پیش رفت حضرت والد محترم نور اللہ مرقدہ نے کی، پہلے ایک مختصر سا رسالہ نہایت علمی اور اصطلاحات درسیہ وفقہیہ سے لبریز تصنیف فرمایا، جس میں اصول وقواعد بدعت کو واضح انداز میں لکھ کر تبلیغی تحریک کے اشغال ورسوم کا ان کی روشنی میں جائزہ لیا یہ رسالہ ہر منصف صاحب علم کے لئے تسلی واطمینان کا سامان تھا، مگر ضرورت تھی کہ اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا جاتا، جس میں دلائل کا بیان بھی وضاحت سے ہوتا، شبہات کے جواب بھی لکھے جاتے اور شہرت عام کی وجہ سے اس کا جو استحسان دلوں میں قائم ہو گیا ہے، اسے حق وناحق کے معیار پر، پرکھا جاتا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تفصیلی کتاب لکھ کر اس ضرورت کو پورا کیا، لیکن ان کے دور حیات میں اس کے شائع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اب اسے اللہ کا نام لے کر شائع کیا جاتا ہے، اور نیت اللہ کے دین کی تحریف وترمیم سے حفاظت ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اور اسے عام مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

یکے از خدام بارگاہ فاروقی

طالب دعا: خادم محمد عمر اترانوی، المظاہری

تقدمہ

از ابو القلم: حضرت مولانا مفتی عبد القدوس رومیؔ دامت برکاتہم مفتی شہر آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

برادرِ عزیز ومحترم مولانا محمد فاروق اترانوی مظاہریؔ رحمہ اللہ تعالیٰ سے میری پہلی ملاقات غالباً ۱۹۴۲ء میں اس وقت ہوئی تھی جب میں رمضان المبارک میں اپنے ایک عزیز کی فرمائش پر پھول پور (الہ آباد) تراویح سنانے گیا تھا وہ مجھ سے اپنے برادرِ محترم حافظ محمد حنیف صاحب مرحوم کے ہمراہ ملاقات کرنے پھول پور آئے تھے میں نے انہیں اسی وقت ہی مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کرنے کی دعوت دی تھی چنانچہ وہ شوال میں میرے ساتھ ہی مظاہر علوم آئے تھے اور دار الطلبہ قدیم میں ان کا قیام بھی میرے ساتھ ہی حجرہ نمبر ۱۷ میں رہا تھا۔ مولانا محمد فاروق صاحب شروع سے طباع وذہین بذلہ سنج اور خوش مزاج آدمی تھے اور طبیعت بھی کچھ موزوں پائی تھی انداز مناظرانہ بھی رکھتے تھے ان کے بڑے بھائی صاحب جوان کے پہلے مربی تھے وہ بھی

نہایت سنجیدہ اور خوش سیرت آدمی تھے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمائیں اور ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہندوستان کی تبلیغی جماعت کے بنیاد نہاد تھے موجودہ تبلیغی جماعت کا طریقہ تبلیغ انہیں اگرچہ خواب میں القاء والہام کیا گیا تھا (جیسا کہ ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس، صفحہ ۵۰ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی میں ہے) لیکن اندازہ یہی ہے کہ یہ خاص طریقہ بانداز فرض انہیں اختیار کرنے کی کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی مگر ان پر اس کا حال اس درجہ غالب تھا کہ وہ اسے ہر ایک پر فرض ہی کردیتے اگر الہام پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں راہ اعتدال پر نہ رکھا گیا ہوتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہماری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو امت وسط معتدل الامم رکھنا منظور تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت علیہ الرحمہ کو غلو بیجا سے محفوظ بھی رکھا، اچھا ہوتا کہ اہل دعوت وتبلیغ بھی اس بنیادی نکتہ کو ذہن نشیں اور ملحوظ رکھتے۔

احقر جب مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا اس وقت حسب ہدایت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ ہمارے اہل حجرہ چند طلبہ قریب کے بعض دیہاتوں میں تبلیغ کیلئے جایا کرتے تھے لیکن وہ تبلیغ نخالص نہیں ہوتی تھی صرف تبلیغ خالص ہی کے طور پر ہوتی تھی جس میں نہ گشت ہوتا تھا نہ تشکیل۔ بات تشکیل کی آگئی تو بے تکلف یہ بات بھی صاف صاف کہہ دوں کہ اگر بالفرض دعوت وتبلیغ کو فرض ہی کے درجہ میں رکھ لیا جائے تو بھی تشکیل کی بعض صورتیں ناجائز کی حد میں داخل ہوجاتی ہیں، تشکیل کے ذریعہ جماعت میں بعض نکلنے والے تو محض شرما حضوری ہی میں تیار ہوتے ہیں طیب خاطر اور خوشدلی کا ان میں دور دور تک پتہ نہیں ہوتا۔ مروجہ تبلیغ کے مسئلہ میں کچھ تردد اور الجھن جو مجھے طالب علمی کے دور سے ہی رہی ہے وہ یہ کہ اس دور میں جب مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی کیلئے طلبہ کی جماعتیں جاتیں اور مجھ سے بھی شرکت کو کہا جاتا تو اس وقت میرا ان سے یہ سوال ہوتا کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے کیلئے سب سے مرکز نظام الدین کا طواف کیوں کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح اب سے چالیس سال پیشتر بھی اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی تھی کہ فضائل کی حیثیت ٹانک کی ہے اور مسائل کی حیثیت دوا کی ہے اور ظاہر ہے کہ محض ٹانک سے مریض امت کا علاج مکمل نہیں ہوسکتا۔ احقر جب مفتی شہر کی حیثیت سے دارالافتاء جامع مسجد آگرہ سے وابستہ ہوا تو اہل شہر نے ہر معاملہ میں میرا مسلکی مزاج سمجھنے کیلئے اس قسم کے سوالات کئے جن کے جواب کی روشنی میں انہیں میرا مسلکی مزاج نظر آجائے چنانچہ اس وقت تبلیغی جماعت سے متعلق بھی میرا مسلک ومزاج سمجھنے کی کوشش کی گئی ایسے سوالات کے جواب میں احقر نے اسی قسم کا جواب دینا مناسب سمجھا جس میں اعتدال ملحوظ رہے مثلاً میں نے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ تبلیغی جماعت میں خیر کا پہلو غالب ہے یعنی فی نفسہ کار تبلیغ تو بہر حال اچھا ہی کام ہے اگر کچھ خرابی ہے تو وہ مبلغین کے طریقہ کار میں ہے۔ اس سلسلہ میں میرا سمجھنا اور کہنا یہ بھی رہا ہے کہ دینی مضامین لکھنے والا، دین کا وعظ کہنے والا اور دینی مدرسہ کا مدرس بھی مبلغ ہی ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبلیغ دین مختلف اور متعدد صورتوں سے ثابت ہے اس کو کسی ایک خاص شکل میں منحصر سمجھنا غلط ہے جس طرح مسئلہ مولود کے مثبتین ذکر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو میلاد مروجہ کی خاص شکل میں منحصر سمجھتے ہیں اور جب تک ان کے متعینہ ومقررہ طریقہ کے مطابق میلاد نہ ہو وہ اس کو ذکر رسول کا مصداق نہیں سمجھتے اسی طرح نفس دعوت وتبلیغ کو مروجہ دعوت وتبلیغ کی صورت ہی میں جو لوگ منحصر سمجھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔

مولانا محمد فارق صاحب مظاہری نے اپنی کتاب "**الکلام البلیغ فی احکام التبلیغ**" (تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت) میں مسئلہ تبلیغ کو علم دین کی روشنی میں سمجھنا اور سمجھانا چاہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی اور انہیں یہ ہمت بھی دی کہ وہ کھل کر شرعی و عقلی دلائل کی روشنی میں تبلیغی جماعت کے ذریعہ مشاہدہ میں آنے والی کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کریں چنانچہ موصوف نے زیرنظر کتاب میں یہی اہم فریضہ تنقید ادا کیا ہے، ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو کہیں کہیں اس تنقید میں جراحت کا انداز نظر آئے تو ایسی صورت میں انہیں مصنف کے نام نامی کی معنویت پر غور کر لینا مناسب ہوگا کہ یہ انداز فاروقی ہے جسے چھپائے رکھنا ان کے اختیار ہی میں نہیں تھا کہ نام کی معنویت اور اثر اندازی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ "**لکل من اسمه نصیب**"

کل یعمل علی شاکلتہٖ فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلاً ۞

عبدالقدوس رومی غفرلہٗ

مفتی شہر آگرہ

۹/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم جونپوری

شیخ الحدیث مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ضلع اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ تعالیٰ ونصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم

وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. اما بعد

اس ناکارہ محمد حنیف غفرلہ نے حضرت مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی نوراللہ مرقدہٗ کی تصنیف **الکلام البلیغ** متفرق مقامات سے دیکھی جس میں انہوں نے اپنے خاص انداز میں مروجہ تبلیغ پر کلام فرمایا ہے اور بہت سے تجربات و کام کی باتیں تحریر فرمائی ہیں اس میں شبہ نہیں کہ یہ کاوش لائق پزیرائی اور قابل قدر ہے باقی بھول چوک خاصہ انسانیت ہے لہٰذا **خذماصفا ودع ماکدر** کے اصول پر مضمون کو بنظر انصاف دیکھنا چاہئے اور بھول چوک سے درگذر کرتے ہوئے جو حق ہو، کام کی بات ہو قبول کر لینا چاہئے، مقابلہ مباحثہ میں وقت ضائع کرنا بربادی اوقات کے سواء اور کچھ نہیں ہے اور الحمدللہ کہ اہل تبلیغ کا دستور بھی غالباً یہی ہے۔

والسلام

محمد حنیف غفرلہ

نزیل بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ

مقدمہ

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

صدر مدرس مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ

نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله واصحابه الذین هم نصروا الدین القویم. امابعد!

رسول امین، سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور جو شریعت آپ کو عطا ہوئی ہے، وہ ایک کامل اور مکمل شریعت ہے، جس میں نہ کسی چیز کے کم کرنے کی اجازت ہے، نہ اس میں کسی حکم کے اضافہ کی گنجائش ہے، اگر کوئی حکم کم کر دیا جائے، تو اس میں نقص پیدا ہوگا اور وہ کامل دین نہ ہوگا اور اگر کسی بات کا اضافہ کر دیا جائے تو در پردہ اللہ و رسول کی تکذیب ہے کہ دین کامل نہ تھا، اس میں فلاں بات کی کمی تھی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے کامل کہا اور رسول نے اسے تسلیم کر کے اپنی امت میں یہ بات پھیلا دی یہ تکذیب کتنا سنگین جرم ہے، بیان کی حاجت نہیں ہے، یہ اضافہ شریعت کی اصطلاح میں ”بدعت“ کہلاتا ہے۔ گویا بدعت کا مرتکب اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرتا ہے اور ایک ایسی بات کا انتساب اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف کرتا ہے، جس کا دین اور شریعت کا حکم ہونا اللہ و رسول نے ظاہر نہیں کیا اضافہ کو دین سمجھنے والا اسے بطور حکم شریعت کے پیش کرتا ہے۔

بدعت کی یہ معصیت ایک بدترین معصیت ہے، شریعت کی نافرمانی آدمی کرتا ہے، تو اسے گناہ سمجھتا ہے، لیکن ”بدعت“ کو آدمی دین و شریعت سمجھتا ہے، گناہ پر تنبہ

ہو جاتا ہے اور پھر توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، مگر جسے گناہ نہیں شریعت سمجھا ہو اس کے گناہ ہونے پر تنبہ مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے امت کے اجتماعی مزاج نے ”بدعت“ کو کبھی قبول نہیں کیا ہے، ورنہ دین و شریعت مسخ ہو کر رہ جائے۔

عام گناہ براہ راست شریعت سے ٹکراتا ہے، وہ حکم شریعت کے بالمقابل سامنے سے آتا ہے، اس کا دین و شریعت کے خلاف ہونا بالکل نمایاں ہوتا ہے اسے کوئی گناہ کہے، دین سے بغاوت کہے۔ شریعت سے انحراف کہے تو کسی کو نہ استعجاب ہوگا، نہ اعتراض! لیکن ”بدعت“ کبھی سامنے سے کھلم کھلا نہیں آتی ہے۔ یہ کوئی ایسا دروازہ تلاش کرتی ہے جس کے خلاف شریعت ہونے کا وہم نہیں ہوتا بظاہر اس دروازے سے داخل ہونے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ دروازہ اور اس میں داخل ہونا نظر بظاہر مستحسن معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں داخل ہو جانے کے بعد جو صورت حال پیدا ہوتی ہے، اسے ”بدعت“ کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت فرض ہے، اس فرض کی ادائیگی کیلئے جو بھی شرعاً جائز اسباب ہوں گے انہیں اختیار کیا جا سکتا ہے، آپ کی اطاعت، آپ کا تذکرہ، درود شریف کی کثرت، آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ، آپ کی شان میں نعتوں کا پڑھنا اور سننا، یہ وہ اسباب ہیں، جن سے آپ کی عظمت و محبت پیدا بھی ہوتی ہے، اور بڑھتی بھی ہے! یہ سب امور اگر شریعت کے احکام کے مطابق عمل میں لائے جائیں، تو کسی کو اس پر نکیر کرنے کا حق نہیں ہے، پھر دیکھئے کہ اسی راہ سے ایک چیز داخل ہوئی۔ جس کا نام ”محفل میلاد“ ہے۔ یہ محفل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اور آپ کی محبت میں اضافہ کیلئے منعقد کی گئی،

یہ محفل اپنی سادہ شکل میں بالکل جائز تھی، اس سے ایک افضل بلکہ فرض مقصود ادا ہوتا تھا اس لئے یہ بالکل قابل اعتراض نہ تھی، مگر آہستہ آہستہ اس محفل کی ایک خاص شکل متعین ہوتی چلی گئی، اس کے کچھ لوازم وآداب مقرر کئے گئے، کچھ خاص مضامین کی پابندی کی گئی کئی ایک رسمیں اس کے ساتھ التزاماً جوڑی گئیں اور پھر یہ خاص شکل وہیئت انہیں لوازم وآداب اور مضامین ورسوم کے ساتھ مقصود بن گئی یہاں تک کہ ان کے بغیر محفل میلاد یا ذکر رسول کا خیال ہی کالعدم ہونے لگا، اور اس کو ایک درجہ میں معیار محبت رسول قرار دے دیا اور شریعت میں اسے مقاصد کے درجہ میں پہنچا دیا گیا، تو علماء حق نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا، پھر بہت ہنگامہ ہوا، یہاں تک اس قول حق کی پاداش میں علماء حق کو توہین ورسالت کا مجرم گردانا گیا اور ڈیڑھ دوصدی بیت جانے کے بعد بھی اب تک یہ شور وغوغا قائم ہے، حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تک اور پھر اس کے بعد علماء دیوبند کا پورا طبقہ کفر کے فتاویٰ کی زد میں ہے، لیکن حق یہی ہے، کہ محفل میلاد جس ہیئت والتزام کے ساتھ رائج ہے، وہ دین میں ایک نئی اختراع ہے اور بدعت ہے۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل واولاد اور آپ کے اقرباء جنہوں نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ کی نصرت کی ان کی محبت عین ایمان ہے، امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا حضرت حسن وسیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما، اور ان دونوں بزرگوں کی مقدس ماں فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی محبت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے، ایک فرقہ نے ان حضرات کی محبت کو محبت کی حد سے نکال کر

اتنا غلو کیا کہ انہیں مسلمانون کے زمرے میں شمار کرنا مشکل ہوگیا، حالانکہ محبت کا یہ مدعی فرقہ اپنے ہی کو مومن کہتا ہے اور باقی تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے، ابتدائی مرحلہ بہت خوشنما ہے، مگر جب اسے تخصیصات کی قیدوں میں جکڑا گیا، تو کتنا بھیانک بن گیا، بدعت کی ابتداء اور انتہا کی عموماً یہی شکل ہوتی ہے۔

(۳) ایک ایسا شہر جہاں احناف کے ساتھ غیر مقلدین کا مقابلہ اور مجادلہ چلتا رہتا ہے، بسلسلہ وعظ میرا وہاں جانا ہوتا رہتا ہے اور بسا اوقات ہفتہ عشرہ وہاں قیام ہوتا ہے، وہاں میرے طالب علموں کی تعداد بہت ہے اور ان ۔ کے واسطے سے اس شہر کے لوگ ایک تعلق محبت کا رکھتے ہیں، میرے وعظوں میں چونکہ عام دینی ومعاشرتی اصلاح ہوتی ہے اس لئے دونوں طبقے مانوس ہیں لیکن بہرحال میں حنفی ہوں، اس لئے غیر مقلد حضرات گو کہ میرے وعظ میں شریک ہوتے ہیں، لیکن اپنی مساجد میں وعظ کے لئے مجھے دعوت نہیں دیتے، ایک بار ایک صاحب نے جمعہ میں مجھے دعوت دی کہ چل کر ہماری مسجد میں وعظ کہئے۔ میں نے یونہی رواروی میں پوچھ لیا کہ کس موضوع پر وعظ کہنا مناسب ہوگا، فرمانے لگے ''بدعت'' کے موضوع پر، میں نے عرض کیا آپ کی مسجد میں چونکہ صرف اہل حدیث طبقہ ہوگا۔ اس لئے میں اس میں بدعت پر وعظ کہوں گا۔ جس میں آپ کا طبقہ مبتلا ہے، وہ چونکے اور کہنے لگے، ہم تو بدعت میں بحمد اللہ مبتلا نہیں ہیں، میں نے عرض کیا بدعت کہتے ہیں دین میں نئی بات کا اضافہ کرنے کو اور معلوم ہے کہ شریعت میں فروعی اختلافی مسائل مثلاً قرأۃ خلف الامام، آمین بالجہر، وضع یدین تحت السرہ، جلسۂ استراحت، رفع یدین کا معاملہ دور صحابہ

بلکہ دور نبوت سے رہا ہے اور لوگ مختلف طریقوں سے عمل کرتے رہے ہیں کسی نے کسی کے خلاف اصرار نہیں کیا، نہ کسی مسئلہ کو خلاف سنت کہا، نہ کسی کی تضلیل وتفسیق کی، اب آپ لوگوں نے دین میں ایک نئی بات نکالی حدیث کے کسی ایک پہلو کو لے کر اڑ گئے اور اس کے علاوہ کو خلاف سنت کہنے لگے اور اسی کو آپ نے اپنا دین و مذہب بنالیا، یہی آپ کے یہاں معیار حق و باطل بن گیا، اسی کی روشنی میں عقائد تک ڈھلنے لگے، جب کہ اس غلو، اصرار اور تنگ نظری کا دین میں، اس دین میں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کو چھوڑ کر گئے تھے۔ پتہ اور نشان نہیں ہے اور آپ کے دین کیلئے یہی مابہ الامتیاز بنا ہوا ہے، بس یہ بدعت ہے، اس پر وعظ کہہ دوں؟ تو وہ ٹھنڈے ہوگئے پھر دوبارہ انہوں نے دعوت نہیں دی خاموشی سے چلے گئے۔

اس موضوع پر غور کیجئے! تو بدعت اور غلو کا وجود خلاف شریعت کسی معاملہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ ایسے مسائل واحکام کی بنیاد پر ہوا ہے، جن کا ثبوت صحیح حدیثوں سے ہے اور ظاہر ہے کہ جب حدیث صحیح پیش کی جائے گی، جو صحیح ہونے کے ساتھ صریح بھی ہو، تو کس کی جرأت ہے کہ اس پر نکیر کرے، مگر اس کو اتنا بڑھایا گیا کہ بالآخر اس کا انجام بدعت کی حد میں داخل ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اصل دین کا حلیہ بگڑ گیا۔

(۴) ایک ذی استعداد عالم اور مفتی، جماعت اسلامی کے ایک بڑے ادارے میں استاذ اور مفتی تھے، جماعت اسلامی کا ایک خاص مزاج اور رنگ ہے، جو انگریزوں کی تہذیب اور اسلامی احکام دونوں کو ایک ساتھ آمیز کر دینے بلکہ باہم گوندھ دینے سے تیار ہوا ہے۔ اس لئے اسے ما انا علیہ

واصحابی (۱) سے مناسبت کم ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا اصحاب نبی کسی کے یہاں خالص بجز اسلامی احکام وتہذیب کے کسی اور چیز کا گزر نہ تھا، حتی کہ ان لوگوں نے اسلامی تہذیب کے اختیار کرنے کے بعد اپنی قدیم آبائی تہذیب کو بھی یکسر ترک کر دیا تھا۔

اسی جماعت اسلامی کے ایک بڑے ادارے میں وہ مفتی صاحب، فتویٰ نویسی کا کام کرتے تھے، وہ بذات خود جماعت اسلامی سے منسلک نہ تھے، مگر اسی مجمع میں رہتے تھے اور وہیں سے ان کی معاش کا ظاہری انتظام تھا، ایک دن کسی دینی موضوع پر بات کرتے ہوئے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے بدعتیوں سے سخت نفرت ہے اور اس بات پر اتنا زور دیا کہ بس حد کر دی، میں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ کی یہ بات کلیتہً درست نہیں معلوم ہوتی، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بدعتیوں کا ایک طبقہ جسے بریلوی کہا جاتا ہے، اس سے آپ کو نفرت ہے، ورنہ جو بھی بدعتی ہو، اس سے آپ نفرت کرتے ہوں، یہ بات مشکوک معلوم ہوتی ہے، انہوں نے اس کی وضاحت چاہی میں نے عرض کیا بدعت ہر اس بات کو کہتے ہیں، جو مجموعۂ دین میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہو، انہوں نے تصویب کی، میں نے کہا خواہ وہ بات از قبیل عقائد ہو، یا از قبیل اعمال ہو، یا از قبیل اقوال ہو، فرمایا بیشک! میں نے کہا اب جماعت اسلامی کا دستور دیکھئے، اس میں لکھا ہے کہ ”رسول خدا کے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، اور نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو“ اس دفعہ کو انہوں نے اپنی دینی جماعت کی اساس بنایا ہے، یہ قول اللہ

---

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی جس میں ایک جماعت ناجی (نجات پانے والی) ہوگی، صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ وہ کون سی جماعت ہوگی؟ فرمایا کہ وہ لوگ اس طریقہ پر ہونگے، جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں (ما انا علیہ واصحابی) اس کی مزید تشریح دیکھنی ہو تو اس خاکسار کا رسالہ ”حق و باطل کی شناخت“ کا مطالعہ کریں۔

ورسول کے یہاں کہاں ہے؟ پھر اس قول کا اضافہ بدعت ہے یا نہیں؟ اور یہ لوگ جو اپنے دین ومذہب کی اسے بنیاد بنائے ہوئے ہیں بدعتی ہیں یا نہیں؟ تو کیا ان سے آپ کو اتنی ہی نفرت ہے، جتنا آپ نے ذکر کیا ہے؟ پھر وہ مان گئے اور کہنے لگے، میرے ذہن میں یہ بات نہ تھی۔

دیکھئے! بظاہر یہ ایک معصوم سا جملہ ہے، اگر اس کے پیچھے عقائد وافکار اور تنقید واعتراض کا ایک جلوس نہ چلا ہوتا، تو شاید کسی کو توجہ بھی نہ ہوتی مگر جب اس معصوم جملے کی تفصیلات کے برگ وبار نکلنے شروع ہوئے، اور ان میں وسعت اور استحکام پیدا ہوا۔ تو سب چونکے، مخصوص اہل بصیرت تو ابتداء میں ہی چوکنے ہوگئے تھے اور انہوں نے تنبیہ بھی کردی تھی۔ مگر عام لوگوں نے اسے تنگ نظری پر محمول کیا اور سمجھے کہ یہ جملہ معصوم ہے، مگر بعد میں سب کو احساس ہوگیا کہ ؎

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

بدعت اپنی ابتداء میں کیا ہوتی ہے؟ اور بعد والے اس میں کیا الجھنیں ڈال دیتے ہیں؟ اس کی طرف اشارہ بلکہ قدرے وضاحت حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرمادی ہے، بدعات پر غور کرنے کے لئے یہ آیت رہنما ہے، سورۂ حدید میں عیسائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ”**وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ ورھبانیۃ ۨ ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللّٰہ فما رعوھا حق رعایتھا، فاتینا الذین آمنوا منھم اجرھم وکثیر منھم فاسقون** (سورۃ الحدید: ۲۸) اور ہم نے ان کے ساتھ چلنے والوں کے دلوں میں نرمی اور مہربانی رکھدی اور رہبانیت بھی رکھی، جس کو انہوں نے خود ہی اختراع کیا، ہم نے ان پر اسے نہیں لکھا تھا، یہ اختراع انہوں نے محض اللہ کی رضامندی کیلئے کیا تھا، لیکن جیسا اسے نباہنا چاہئے تھا نباہ نہ سکے، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان دار تھے، ان کا بدلہ دیا اور بہت ان میں نافرمان تھے۔

اس آیت میں غور کرنے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) اول یہ کہ بعض اوقات امت کے علماء وصلحاء محض اللہ کی خوشنودی ورضا جوئی اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر بعض ایسے ذرائع اختیار کرتے ہیں، جن کا انہیں حکم نہیں ہوتا، یعنی وہ شرعی احکام میں داخل نہیں ہوتے، لیکن دینی مصلحت سے انہیں اختیار کرلیتے ہیں، یہ ہوتی تو ہے ایک نئی بات لیکن بذات خود دین میں مقصود ومطلوب نہیں ہوتی، صرف کسی مقصد دینی کے حصول کیلئے بطور ذریعہ کے ہوتی ہے اور اسی نسبت سے محمود ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ”**ابتدعوھا**“ انہوں نے نئی بات نکالی ”**ماکتبناھا علیھم**“ اسے ہم نے مقرر نہیں کیا تھا ”**الا ابتغاء رضوان اللّٰہ**“ ان کا مقصد محض اللہ کی رضا جوئی تھی۔ اس طریقہ پر اللہ نے نکیر نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ بدعت نہیں ہے جو شریعت کی اصطلاح ہے اور حق تعالیٰ نے اسے رد نہیں کیا، یہ ابتدائی حالت ہے، اسی حالت پر یہ اختراع قائم رہے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔

عیسائی علماء وصلحاء نے اپنے دین کی حفاظت کیلئے رہبانیت اختیار کی تھی، رہبانیت کا تعارف اور اس کے اختیار کرنے کی ضرورت تفسیر معارف القرآن مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:

> ”رہبانیت، رہبان کی طرف منسوب ہے، راہب اور رہبان کے معنی ہیں ڈرنے والا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق وفجور

عام ہوگیا، خصوصاً ملوک اور رؤساء نے احکام انجیل سے کھلی بغاوت شروع کردی، تو ان میں جو کچھ علماء وصلحاء تھے، انہوں نے اس بدعملی سے روکا تو انہیں قتل کردیا گیا، جو کچھ بچ رہے، انہوں نے دیکھا کہ اب منع کرنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے اگر ہم ان لوگوں میں مل جل کر رہے، تو ہمارا دین برباد ہوگا، اس لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کرلی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں نکاح نہ کریں، کھانے پینے کے سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں، رہنے سہنے کیلئے مکان اور گھر کا اہتمام نہ کریں، لوگوں سے دور کسی جنگل پہاڑ میں بسر کریں، یا پھر خانہ بدوشوں کی زندگی سیاحت میں گزار دیں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی سے پورا پورا عمل کرسکیں، ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کرکے ان کے طریقہ کو رہبانیت کہا جانے لگا“۔

(معارف القرآن جلد ۸، سورۃ الحدید)

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک کام جو کسی دینی مصلحت کے لئے اختیار کیا گیا، اس کے حدود کی رعایت کا اہتمام نہیں کیا گیا حدود کی رعایت یہ تھی کہ وہ جس درجہ کا کام تھا، اسے اسی درجہ میں رکھا جاتا، وہ ایک وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر اختیار کیا گیا، تو وہی رہتا اسے مقصود دینی نہ قرار دیا جاتا اور نہ اس کے ساتھ مقصود دینی جیسا طرز عمل اختیار کیا جاتا پھر جس مقصد سے اسے اختیار کیا گیا تھا وہی مقصود نظر رہتا، اس کو کسی اور مقصد کا ذریعہ نہ بنایا جاتا، عیسائیوں نے ان دونوں باتوں میں کوتاہی کی، رہبانیت کو مقاصد دینی میں شامل کردیا، اس کی اہمیت اس درجہ بڑھادی کہ رہبانیت اختیار کرنے والے افراد عیسائی دنیا میں

نہ صرف امتیازی اوصاف سے متصف کئے گئے، بلکہ ان میں خدائی اختیارات بھی تسلیم کئے گئے، ایک ایسا عمل جسے اللہ نے مقرر نہیں کیا تھا، از خود لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس کو بجالانے والا بزرگی اور ولایت کے اتنے بلند منصب پر فائز مان لیا جائے کہ خدائی اور بندگی کی حدیں گڈمڈ ہوجائیں غلو کا آخری درجہ ہے۔ انہوں نے رہبانیت کو اس کی حد پر نہیں رہنے دیا، بلکہ عام احکام شرع سے اس کا درجہ بہت بڑھادیا۔ **فمارعوها حق رعایتها** کی ایک صورت یہ ہے۔

دوسری صورت حق رعایت کی یہ تھی کہ جس مقصد کیلئے اسے اختیار کیا، وہی مقصد پیش نظر رہتا، مگر راہبوں نے یہاں بھی حدود کی رعایت توڑی اور رہبانیت کو عزت وجاہ اور دولت وحشمت کے حصول کا ذریعہ بنالیا اور اس کی آڑ میں فواحش ومنکرات کا ارتکاب کرنے لگے، کلیسا کی تاریخ ان دونوں قسموں کے گناہوں سے لبریز ہے۔

(۳) تیسری بات معلوم ہوئی کہ اس طرز عمل میں جو لوگ صاحب ایمان ہوں گے اور حدود شرعیہ کی رعایت کے پابند ہوں گے، وہ تو اجر وثواب کے مستحق ہوں گے اور جو لوگ اس کے برخلاف غلو اور خلاف مقصد راہیں اختیار کریں گے وہ فاسق قرار پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا ایمان بھی غیر معتبر ہوگا۔

(۴) چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ اس طریقۂ عمل میں اکثر لوگ غلو اور تعدی حدود کی وجہ سے فاسق ہوتے ہیں، زیادہ تعداد انہیں کی ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ دین کی حفاظت ہی کیلئے سہی، لیکن دینی رنگ میں کوئی نیا طریقہ اختیار کرنا ایک پرخطر راستہ ہے، ابتداء میں تو وہ قابل قبول ہوگا۔ مگر حدود کی رعایت نہ ہوگی، تو اسے غلو اور اس کے نتیجے میں بدعت بنتے دیر نہ لگی گی۔

اس طرح کی بدعات غالباً غیر شرعی قیاسات کی بنا پر وجود میں آتی ہیں، شاید عیسائیوں نے سوچا ہو کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زندگی بھر مجرد رہے، بیوی بچوں کی الجھن سے آزاد رہے، نہ کوئی گھر بنایا، نہ کسی در کے پابند رہے، حضرت کے یہاں صبح کہیں شام کہیں کا سماں ہوتا، سیاحت فرماتے، لوگوں کو دینی احکام ومواعظ کی تلقین فرماتے، اسی طرح ان کی والدۂ مقدسہ بھی نکاح کی قید سے آزاد رہیں، اللہ نے ایک برگزیدہ نشان قدرت انہیں بنایا تھا وہ ہمہ تن اور ہمہ دم مصروف عبادت رہیں اور غیب سے ان کے لئے رزق آیا کرتا، شاید اس خیال سے، یہ سوچ کر کہ اپنے پیشوا کے طریقۂ زندگی کی پیروی بھی ہوگی اور دین کی حفاظت بھی ہوگی۔ لیکن برا ہو ”غلو“ کا یہ کسی چیز کو اپنی حد پر نہیں چھوڑتا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر امکانی حد تک بندش لگا دی ہے۔

بدعات کی دنیا میں اس طرح کی مثالیں بہت ملیں گی کہ کسی دینی جذبہ سے کوئی غیر منصوص کام شروع کیا گیا اور رفتہ رفتہ غلو اور پھر بدعت کے ہونے تک جا پہنچا ہم نے الگ الگ طبقوں سے ایک ایک عام فہم مثال تحریر کی ہے؟ ورنہ بریلویت اور اہل بدعت کے تصوف کا پورا گلزار اس طرح کی خوبصورت بدعات سے لہلہا رہا ہے، نذر ونیاز، تیجہ فاتحہ، عرس وسماع، قبروں پر اذان اور بہت سی رسوم کی ابتداء کسی دینی جذبہ اور دینی رنگ میں ہوئی، ان میں متعدد دینی مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا تھا، مگر کیا ہوا؟ بدیر یا جلد یہ سب رسمیں بدعت کے چہ بچہ میں جا گریں۔

بدعت کا دستور یہی ہے کہ وہ شریعت کی مدمقابل بن کر نہیں آتی، وہ عموماً دین کی کسی مصلحت اور کسی دینی مسئلے کی حمایت میں ظاہر ہوتی ہے، اور بہت ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسلم بزرگ شخصیت کے ساتھ منسوب ہوتی ہے، اس دینی مصلحت وحمایت اور اس نسبت بزرگ کی وجہ سے اس میں تقدس کا رنگ جم جاتا ہے، پھر بدعت ظاہر ہونے ہونے تک اس میں ایسا استحکام ہو جاتا ہے، کہ لوگ اسے سنت قائمہ سمجھنے لگ جاتے ہیں، پھر جب اس کی تردید کی جاتی ہے تو شور ہوتا ہے کہ سنت کی مخالفت ہو رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد مسند دارمی میں نقل کیا گیا ہے کہ

”تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تم پر فتنہ چھا جائیگا، ایسا طویل ومدید فتنہ کہ بڑی عمر کا آدمی اس میں انتہائی بوڑھا ہو جائے گا، اور چھوٹی عمر کا بچہ جوان ہو جائیگا، اور لوگ اسی فتنہ کو سنت قرار دے لیں گے، کہ اگر اس میں تبدیلی کی جائیگی، تو لوگ کہیں گے کہ سنت بدل دی گئی۔ (مسند دارمی، ج۱/ص۲۷۸-باب تغییر الزمان ومایحدث فیه)

یہ بندۂ خاکسار ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں مدرسہ کی اصطلاحی طالب علمی سے فارغ ہوا۔ اب کسی ایسے میدان میں قدم رکھنے کی تیاری تھی جس میں رہ کر دین کی خدمت ہو سکے اور بقدر ضرورت معاش بھی حاصل ہو، ایسے کسی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے تقدیری انتظام نے بندے کو بستی حضرت نظام الدین بنگلہ والی مسجد دہلی میں پہنچا دیا، اکابر دیوبند کی عقیدت ومحبت دل کے ہر رگ وریشہ میں پیوست تھی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور اکابر دیوبند کی طرف تبلیغی جماعت کے منسوب ہونے کی وجہ سے دل کے کسی گوشے میں اور ذہن ودماغ کے کسی خانے میں اس وہم کا گزر بھی نہ تھا، کہ یہ عظیم دینی تحریک جس سے ہزاروں مسلمانوں کی زندگیاں دین کے راستے پر لگ گئی تھیں۔ اور جس کے افراد سب سے بے غرض ہو کر بستی بستی اپنے خرچ سے جا کر لوگوں کو دین اور نماز کی تلقین کرتے ہیں اور کوشش کر کے ان لوگوں کو جو دین کی طلب بلکہ فہم سے بھی خالی ہیں، اس تحریک کے ساتھ جوڑتے اور

اسلام کے نقشے میں انہیں ڈھالتے ہیں۔ بچپن ہی سے میں اسی جماعت سے مانوس تھا، ہمارے گاؤں کی مسجد میں جماعت کے لوگ آتے تھے اور ان کے تعلیم و مذاکرے کے حلقے لگا کرتے تھے، کون سوچ سکتا تھا، بلکہ سوچنے کا روادار ہوسکتا تھا کہ یہ جماعت کبھی بدعت کی طرف منسوب ہوگی لوگوں کو اگر کوئی چیز کھٹکتی تھی، تو صرف یہ کہ جب وہ جماعت میں نکلنے کیلئے دعوت دیتے ہیں، جس کو تبلیغی اصطلاح میں ''تشکیل'' کہا جاتا ہے، تو بہت زیادہ اصرار کرتے ہیں اور کسی کا کوئی عذر سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے، لیکن اس کی مناسب تاویل کرلی جاتی تھی۔

میں ۱۹۷۰ء کے جاڑوں میں دہلی بستی نظام الدین پہنچایا گیا، عقیدت و محبت سے میں معمور تھا اور مرکز کے بارے میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں وہاں پہنچنے کے بعد وہ تاثر جو پہلے سے تھا، مجھے اس میں کمی محسوس ہوئی اور دیکھنے کے بعد بعض اشکالات سے دوچار ہونے لگا، میں نے اپنے علم اور عقل کی نارسائی سمجھ کر وہاں کے بعض علماء سے سوال کئے، وہ لوگ شاید سوال و جواب سے آشنا نہ تھے، یا اس کو مضر سمجھتے تھے، مجھے حضرت جی کی خدمت میں پہنچا دیا ان سے پوچھنے کی ہمت میں نہ کرسکا، لیکن دوسرے بعض ایسے علماء سے میں پوچھتا رہا، جن سے قدرے بے تکلفی ہوگئی تھی، ان سب نے متفقہ طور پر اصرار کیا کہ تم چالیس دن کے لئے جماعت میں نکل جاؤ اور پھر ایک تجربہ کار بزرگ کی امارت میں مجھے بنگال بھیج دیا گیا ایک چلہ میں ان کے ساتھ رہا، ان کے ساتھ رہ کر مجھے کئی دینی فوائد حاصل ہوئے، مگر اس تحریک سے میرے اندر دل برداشتگی کی سی کیفیت پیدا ہونے لگی، اس کو میں اپنے ایمان کی کمزوری سمجھتا تھا اور اعتراض کرتے ہوئے ڈرتا تھا کہ یہ مقبول عنداللہ تحریک ہے، کہیں میرے دل کی یہ

حالت مجھے اللہ کا مبغوض نہ بنادے، توبہ کرتا، دعائیں کرتا، بزرگ امیر کی باتیں بہت غور سے سنتا، ان سے بحثیں کرتا، وہ شفیق تھے، ٹھنڈے دل سے جواب دیتے، مگر صاحب علم نہ تھے، البتہ صاحب یقین بہت تھے میں ان کی ایمانی قوت اور یقین کی پختگی کی وجہ سے بہت مرعوب تھا، مگر ان کی کم علمی اور بلند بانگ گفتگو سے میری بے اطمینانی بڑھتی، وہ مجھ سے کہتے کہ مولویوں کا کام ایک چلہ سے نہیں ہوگا انہیں سات چلے لگانے ہونگے تب یہ کام ان کے دل میں اترے گا میں ان سے بار بار کہتا کہ آپ کی اس جماعت میں چلنے کیلئے شرط اول یہ ہے کہ آدمی نے مدرسوں میں جو کچھ پڑھا لکھا ہے سب بھول جائے، تبھی وہ بے تکلف جماعت میں چل سکتا ہے، اور شاید سات چلے میں یہ بات حاصل ہوجائے، غرض وہ میرے حق میں سات چلے کی کوشش کرتے رہے اور میں دل میں یہ منصوبہ بناتا رہا چلہ پورا ہوتے ہی رخصت ہوجاؤں گا، میں تو پہلے ہی رخصت ہوجاتا، مگر امیر صاحب کا اصرار اور جماعت کے ٹوٹنے پر وعیدوں کی تکرار اور میری طبیعت کا کچا پن یا شرمیلا پن مانع رہا، جوں توں کر کے چلہ پورا کر کے گھر آگیا، لیکن جماعت کی عقیدت و محبت دل میں قائم رہی، یہ خیال ہوتا تھا، کہ بے علم لوگ غلطیاں کر رہے ہیں اور وہ غلطیاں جماعت کا جز بنتی جارہی ہیں، ورنہ مجموعی اعتبار سے جماعت صرف حق نہیں ''معیار حق'' ہے۔

۱۹۷۷ء میں بسلسلۂ تدریس الہ آباد جانا ہوا، مشہور بزرگ مصلح الامت، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ جن کی وفات کو دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا، مگر ان کی بزرگی، ان کے علم و فضل، ان کے تقویٰ و طہارت اور ان کی اصلاحی جدوجہد اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا غلغلہ اب تک قائم تھا، انہیں بزرگ کی

طرف منسوب مدرسہ وصیۃ العلوم میں تدریس کیلئے حاضری ہوئی، یہاں آکر سنا کہ ایک عالم اور بزرگ، جو حضرت مصلح الامت کے اخص متوسلین وخلفاء میں سے ہیں۔ اور بہت پختہ اور گہرا علم رکھتے ہیں، وہ تبلیغی تحریک کو ’’بدعت‘‘ کہتے ہیں، مجھے یہ سن کر بہت الجھن ہوئی، تبلیغی جماعت جس کے سرپرست علمائے دیوبند ہیں، جس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جیسے مخلص اور صاحب نسبت بزرگ ہیں جس کے اتنے اتنے فوائد ہیں وہ جماعت کیونکر بدعت کی طرف منسوب ہوسکتی ہے، کسی بریلوی نے تو اس کی بنیاد نہیں رکھی ہے، انہیں خیالات میں غلطاں وپیچاں تھا اور منتظر تھا کہ مولانا محمد فاروق صاحب آتے ہی رہتے ہیں، آئیں گے، تو ان سے ملوں گا، ان سے بحث کروں گا، پھر انہیں قائل کروں گا۔ وغیرہ

وہ آئے اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں ۲۶/۲۷ سال کا نوجوان اور وہ بزرگ معمر صاحب علم، مجھے رعب وجلال سے بھر جانا چاہئے تھا مگر چونکہ بحث کرنے کیلئے تیار ہوکر گیا تھا، اس لئے بے جھجھک ان سے سوالات کرنے لگا۔

پھر میں نے دیکھا کہ جس نقطۂ نظر کے تحت میں ان سے سوال کر رہا تھا، اس سے یکسر مختلف وہ جواب دے رہے تھے، میں ان سے دیوبند کے بزرگوں جماعت کے فوائد ومصالح کے حوالے سے سوال کر رہا تھا اور وہ مجھے خالص علمی اصطلاحات اصولی احکام اور قواعد فقہ کے حوالہ سے سمجھا رہے تھے وہ علمی اصطلاحات وہ اصولی احکام اور قواعد فقہ جنہیں میں اصول فقہ اور فقہ میں پڑھ چکا تھا اور انہیں مسلسل پڑھا رہا تھا اور یہ اصول اور ان کے جزئیات مجھے مستحضر تھے، وہ ان قواعد کی روشنی میں تبلیغی تحریک کے اصول اور اعمال ومشاغل کو پرکھ رہے تھے اور میرے سامنے علم وتفقہ کا بنا عالم جلوہ گر ہو رہا تھا میں بحث تو بہت زوروں سے کر رہا تھا۔ مگر میرا علم اور میری عقل کا رنگ ان کے علم وعقل کے آگے دفن ہو چکا تھا۔ میں اپنی بات کی پچ میں ان کی بات کے تسلیم کرنے کا اقرار تو نہیں، لیکن غور وفکر کے نئے دروازے میں داخل ہوگیا۔ انہوں نے فہم وتفقہ کی ایک نئی راہ پر مجھے ڈال دیا۔ ان کی گفتگو میں جذباتیت بالکل نہ تھی، انہوں نے اپنی بھاری بھرکم شخصیت کا کوئی وزن بھی نہ ڈالا تھا۔ اپنے علم کی دہشت، تفقہ کی گہرائی، عقل کی گیرائی اور حافظے کی بے نظیر قوت کا کوئی رعب بھی نہ جمایا تھا وہ بالکل میری سطح پر اتر کر محبت سے، سادگی سے سمجھا رہے تھے، البتہ ان کی گفتگو سے میرے سامنے یہ بات الم نشرح ہوتی جارہی تھی، کہ وہ شریعت حقہ کاملہ کی محبت وعظمت سے سراپا معمور ہیں۔ اس میں ذرا بھی کمی بیشی انہیں گوارا نہیں ہے ان میں دینی غیرت بدرجۂ اتم ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی کھلی جارہی تھی کہ اللہ نے انہیں علم وعقل کے ساتھ شجاعت وبسالت سے نوازا ہے، حق کے اظہار میں وہ کسی بزدلی اور مداہنت کے روادار نہیں، انہیں اس کا کوئی خوف نہیں کہ لوگ ان کو کس نگاہ سے دیکھیں گے، کس طرح بدنام کریں گے، عجیب عجیب نسبتیں تراشیں گے۔

وہ اپنی گفتگو میں بڑے بڑے علماء کا حوالہ بھی نہیں دے رہے تھے، حالانکہ ان کے پاس حوالے بہت تھے، بس اصولی گفتگو کرکے علم اور عقل کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اسی ایک مجلس پر اکتفا نہیں کی، بلکہ متعدد مجالس میں، میں نے ان سے مقابلہ آرائی کی، میں گرم گفتگو کرتا، مگر وہ نرم اور ٹھنڈی باتوں سے میری گرمی بجھا دیتے، وہ میری باتوں کو بہت غور اور التفات سے سنتے، پھر اس کے ایک ایک جز کا تجزیہ کرتے، قابل قبول باتیں شرح

صدر سے مان لیتے اور دوسری طرح کی باتوں کا معقول دلائل سے جواب دیتے۔

پھر ان کا چھوٹا سا رسالہ اس موضوع پر آیا، جو خالص علمی اور اصطلاحی زبان میں لکھا گیا ہے، یہ رسالہ عوام کے بس کا نہیں اور شاید اسی لئے اس خاص انداز میں لکھا گیا کہ عوام فتنہ نہ بنالیں اور خواص اہل علم کو غور کرنے کا موقع مل جائے۔ وہ رسالہ بہت وزن دار ہے پھر معلوم ہوا کہ اس موضوع پر مفصل کتاب بھی لکھ رہے ہیں، جس میں سنت وبدعت کی مکمل بحث ہے۔ اور پھر اس کا انطباق بہت سے مسائل واحکام پر کیا گیا ہے، اس سلسلے میں جو دلیلیں اور حکمتیں پیش کی گئی ہیں ان کا مفصل جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

میں چونکہ مصنف کو تفصیل سے پڑھ چکا تھا۔ اس کے بعد ”بقامت کہتر وبقیمت بہتر“ کا مصداق رسالہ پڑھ چکا تھا، اس لئے شوق تھا کہ وہ مفصل کتاب آجاتی، مولانا نے اس کی کتابت بھی کرالی تھی، مگر اس کی طباعت واشاعت حضرت مولانا کے گرامی قدر صاحبزادے مولانا محمد عمر صاحب کے حق میں مقدر تھی۔ اس کتاب کے تعارف میں مجھے کچھ کہنا نہیں، حضرات علماء کرام خاص طور سے اس کا مطالعہ کریں، کتاب خود اپنی قیمت ان شاء اللہ پہنچوائیگی۔ میں نے حضرت مولانا کو جیسا دیکھا تھا اسے ذکر کرنا چاہتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا ایک بلند پایہ صاحب علم وفقیہ تھے، مجتہدانہ دماغ رکھتے تھے، مگر وہ دماغ ایسا تھا، جو نہایت باادب اور اسلاف کے اجتہادات کا پابند تھا، بلکہ اسلاف کے اجتہادی مسائل واحکام پر شرح صدر کا حامل تھا۔ اس کے ساتھ وہ ایک صاحب نسبت بزرگ تھے ان کا دل اللہ کی محبت وخشیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق وعشق اور شریعت کی عظمت ومحبوبیت سے لبریز تھا، صاحب تقویٰ انسان

تھے، دینی حمیت وغیرت کے نمایاں نشان تھے، مزید یہ کہ وہ نہایت شجاع تھے، حق کے احیاء کیلئے کسی لومۃ لائم، کسی بدنامی، کسی عداوت سے قطعاً متاثر نہ ہوتے تھے۔

پھر قانع اور متوکل ایسے کہ علم اور وعظ وتحریر میں بلند پایہ ہونے کے باوجود دنیا اور حطام دنیا کی طرف نگاہ بھی نہ اٹھائی اور جفاکشی کی مجاہدانہ زندگی گزار گئے۔

میں نے ان کے اندر جاہ اور شہرت کا جذبہ بھی نہیں دیکھا اپنے عظیم علم کو سینے میں لئے ہوئے، اپنے علاقے میں شرک وبدعت کے خلاف جہاد کرتے رہے اور بحمد اللہ بہت کامیاب رہے، حضرت مولانا کی اس کتاب کے متعلق اتنا عرض کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کہ اس وقت جب کہ تبلیغی تحریک کا پھیلاؤ عالمی پیمانے پر ہو چکا ہے اور عموماً مسلمانوں کے قلب میں صرف اس کا استحسان نہیں، بلکہ اسے ماننا اور نہ ماننا معیار حق وباطل قرار پا چکا ہے، تبلیغی حلقوں کی تقاریر میں اسے سفینۂ نوح سے تشبیہ دی جاتی ہے، علماء بھی خاموش ہیں بلکہ بعض عملاً اس میں شریک ہیں، بڑی بات یہ ہے کہ یہ تحریک مسلمانوں کے اس حلقے سے اٹھی ہے، جس نے ہندوستان میں بدعت اور اہل بدعت کا سب سے بڑھ کر مقابلہ کیا ہے، اس کے بارے میں یہ تصور بھی گناہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے کوئی بدعت وجود میں آسکتی ہے، پھر جو جماعت اور جو تحریک اس قدر ہمہ گیر ہو جاتی ہے۔ اس میں جارحانہ رویہ پیدا ہو جانا کچھ بعید نہیں ہوتا۔ ان حالات میں جماعت تبلیغ کے مقابلے میں کچھ کہنا، ایک بڑے حلقے کو اپنا مخالف بنانا ہے، مولانا کے ساتھ یہی ہوا، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جس شجاعت سے نوازا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا کہ مولانا جو کچھ حق سمجھ اور دیکھ رہے تھے، اسے بغیر کسی خوف کے ظاہر کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے وہی کیا اور پھر انہیں بہت کچھ مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس جگہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ یاد آتے ہیں، حضرت گنگوہی کے دور میں محفل میلاد، تیجہ، فاتحہ، نذر و نیاز، علم غیب، حاضر و ناظر وغیرہ بدعات کا غلبہ تھا، غلبہ نہیں، وہی رسوم و بدعات مسلمانوں کے حلقے میں دین و ایمان بنے ہوئے تھے، بڑے بڑے علماء و مشائخ ان رسوم کو بجالانے کو سعادت سمجھتے تھے، صرف ہندوستان ہی نہیں، مرکز اسلام مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ اور بیت المقدس اور دیگر ممالک اسلامیہ میں ان رسوم کا بڑا زور و شور تھا۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے تقریراً اور تحریراً ان کا بدعت ہونا ظاہر کیا، تو ایک طوفان ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک صاحب نے ان بدعات کی تائید میں اور انہیں عبادت ثابت کرنے کیلئے ایک مفصل کتاب ''انوار ساطعہ'' لکھی، حضرت کو غیرت حق کا جلال آیا، اپنے خاص خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا جواب لکھنے پر متعین کیا، انہوں نے نہایت تحقیق و تفصیل سے اس کا جواب ''براہین قاطعہ'' کے نام سے تصنیف فرمایا جو ایک طرف مصنف ''انوار ساطعہ'' کے ہفوات کا دندان شکن جواب ہے تو دوسری طرف بدعت کی نہایت محققانہ تفصیل و توضیح بھی کی، اس کتاب نے اس وقت کی رائج بدعات کا بالکل قلع قمع کر دیا مخالفتیں بہت ہوئیں، بریلویت ابھی تک اسی مخالفت کی بیساکھی سے چلتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اب ان کا بدعت ہونا کھل چکا ہے۔ وہ وقت اس موضوع کیلئے بہت سخت تھا، ان رسوم کو بدعت اور ضلالت کہنا مسلمانوں کے عام طبقہ سے مخالفت مول لینی تھی اس کا سابقہ کچھ پہلے حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید قدس سرہٗ کو پڑھ چکا تھا، اب مولانا گنگوہی اور مولانا سہارنپوری اور ان کے جلو میں پورا طبقۂ دیوبند سخت مخالفت کی زد میں آیا۔ اور اس کا شور و غوغا ابھی تک

لہریں لے رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی نور اللہ مرقدہٗ نے جب اس تبلیغی تحریک کا جائزہ لیا اور اس میں بدعت کی نشاندہی کی تو بالکل اکیلے تھے اور اب بھی تنہا ہی ہیں انہوں نے جرأت تو کر ڈالی اور بہت وضاحت سے دلائل کا انبار لگا دیا، مگر برملا ان کا ساتھ دینے والے، ان کی بات کی کھلم کھلا تائید کرنے والے کتنے ہیں؟

ہاں اب آثار ایسے ہیں کہ حق کا چاندنا کھل کر رہے گا۔ کیونکہ امت کسی بدعت پر جمع نہیں ہو سکتی۔

حضرت مولانا کے لائق فرزند مولانا محمد عمر صاحب اس فکر میں تھے۔ کہ یہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آئے، مگر وسائل کی قلت کی وجہ سے تاخیر ہوتی چلی گئی۔

والامر بیداللہ

اب یہ کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں ہے، یہ دین و شریعت کی حفاظت تحریف و تبدیل سے بچاؤ، کی غرض سے ایک مخلصانہ کاوش ہے، اگر گروہی عصبیت کو دخل نہ دیا گیا۔ تو ایک بہت مفید کتاب ہے اور اگر عصبیت کا دخل ہو جائے، تو فتنہ برپا کر دینا آسان ہوگا۔ مگر جذبات و عصبیت سے الگ ہو کر پڑھنے سے دلائل و براہین کی دنیا روشن ہوتی چلی جائے گی۔

کسی مسئلے میں انصاف اور دیانتداری سے اختلاف ہو تو اس سے علم میں وسعت ہوتی ہے، ورنہ علم و تفقہ سکڑ کر رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے امت کے حق میں نافع بنائے۔ آمین

اعجاز احمد اعظمی

۶ / صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد!

اس میں کوئی شک نہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کے عظیم ترین شعائر اور مسلمانوں کے اہم فرائض میں سے ہے۔ یہ دین میں قطب اعظم کی حیثیت رکھتا ہے اس ذمہ داری کے لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔

نصوص کثیرہ وشہیرہ میں اس کی فضیلت واہمیت بہت واضح طور پر وارد ہے اور اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ نمونۃً چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی	اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے
الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ اور اچھے
وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ	کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے
وَاُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○	روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اور امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ کی اس فریضہ کی انجام دہی پر تعریف میں فرمایا۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ	تم بہترین امت ہو لوگوں کی بھلائی کے لئے
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	پیدا کئے گئے ہو، نیک کاموں کا حکم کرتے ہو
وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ	اور برے کاموں سے روکتے ہو اور ان پر
وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ“	ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت شریفہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ایمان پر بھی مقدم کیا ہے حالانکہ ایمان ہی تمام اعمال صالحہ کی بنیاد اور ان کا سرچشمہ ہے۔ تو درحقیقت اس سے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کے ذریعہ سے ایمان اور بقاء اور حفاظت ایمان متصور ہے اور اس سے اس فریضہ کی اہمیت بھی ثابت اور واضح ہوتی ہے۔

اور فرمایا:

وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ	اور نیک کام کا حکم کیا کرو اور برے کاموں
الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا	سے روکا کرو۔ اور جو کچھ تکلیف پہنچے اس پر
اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ	صبر کیا کرو۔ بیشک یہ بڑی ہمت اور
الْاُمُوْرِ ○	اولوالعزمی کا کام ہے۔

اسی طرح متعدد آیات قرآنی میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت کثرت سے اس کا ذکر اور تاکید ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

ایھا الناس مروا بالمعروف	اے لوگو! اچھے کاموں کا حکم کرو اور برے
وانھوا عن المنکر قبل ان	کاموں سے روکو، قبل اس کے کہ تم دعا کرو

تدعوا فلا يستجاب لكم، وقبل ان تستغفروا فلا يغفرلكم ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر لايدفع رزقاً ولايقرب اجلاً، وان الاحبار من اليهود والرهبان من النصارى لما تركوا الامر بالمعروف والنهي عن المنكر لعنهم الله على لسان الانبياء ثم عموا بالبلاء

اور قبول نہ ہو۔ اور استغفار کرو اور مغفرت نہ ہو بیشک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ رزق دور کرتا ہے اور نہ یہ موت کو قریب کرتا ہے (رزاق حق تعالیٰ ہیں اور موت کا وقت مقدر اور مقرر ہے) علماء یہود ونصاریٰ نے جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے انبیاء کے زبانی ان پر لعنت بھیجی، پھر سب آزمائش میں مبتلاء کردیئے گئے (اور سب عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ گئے)

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

من رأىٰ منكم منكراً فليغيّره بيدهٖ فان لّم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان

تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو چاہئے کہ اسے ہاتھ سے مٹادے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

ایک مؤمن کامل، برائیاں اور اللہ ورسول کی نافرمانی، حدود اللہ بے حرمتی وخلاف ورزی دیکھ کر برداشت اور ضبط نہیں کرسکتا۔ ہاں منافق! جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ برائیاں دیکھ کر طرح طرح کے مہمل عذر تراش لیتا ہے۔ لیکن اگر اپنے ذاتی یا خاندانی یا جماعتی وگروہی وغیرہ کے نفع ونقصان کا معاملہ ہو تو فوراً غیظ وغضب میں

بھر جاتا ہے۔ اپنے فائدہ کے لئے ہر طرح کا جھگڑا مول لے لیتا ہے۔ **ولنعم ماقال العلامة ابن القيمؒ.**

وعند مُرادِ اللّٰه تفنىٰ مكيّتٍ   وعند مراد النفس تسدى وتلحم

”یعنی جب اللہ کا کام ہوتا ہے تو اس طرح غائب ہوجاتے ہیں کہ گویا مردہ ہیں اور جب اپنے مطلب کی بات ہوتی ہے تو تندرست وتوانا ہوجاتے ہیں“۔

مگر سچا مسلمان حکم الٰہی کی خلاف ورزی اور کسی کی حق تلفی کے وقت غصہ اور رنجیدہ ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اور علمائے باعمل کی یہی سنت ہے۔ اللہ ورسول کے حکموں پر عمل ترک کرنے اور اللہ ورسول کی منع اور حرام کی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی صورت غصہ اور غیرت کا اظہار انبیاء کرام اور صدیقین کا شیوہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی معروف روایت ہے۔ فرماتی ہیں:

ما انتقم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لنفسه الا ان تنتهك حرمة اللّٰه فينتقم للّٰه بها.

(بخاری، مسلم وغیرہ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے غصہ نہیں ہوتے تھے نہ انتقام لیتے تھے ہاں جب کہ اللہ کی حرمت پھاڑی جاتی تھی یعنی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی جاتی تھی تو پھر اللہ کے لئے آپ اس کا انتقام لیتے تھے۔

ایک دوسری حدیث انہیں کی روایت سے یہ ہے کہ

ان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان لا يغضب لنفسه فاذا انتهك شئٌ من

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے غصہ نہیں فرماتے تھے۔ لیکن جب کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوتی اللہ تعالیٰ کی حرمات کے

حرمات اللہ تعالیٰ لم یقم حدود کو توڑا جاتا۔ تو پھر آپ کے غصہ کے
لغضبہٖ شئ۔ آگے کوئی چیز نہیں ٹھہرتی تھی۔

پس ہر قدرت والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس راہ کو اپنائے۔ تا کہ گمراہیوں اور بدعتوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر نہ ہو جائے۔ اور شریعت الٰہیہ، سنت نبویہ کے مٹنے سے راہ حق کے نشانات دھندلے نہ پڑ جائیں۔ قدرت کے ہوتے ہوئے امر بالمعروف ونہی المنکر کے کام میں رخصت نہیں۔ اس کام میں سستی کرنے والے یا ترک کر دینے والے دین میں تقصیر کے مرتکب ہیں۔ ان کا ایمان کمزور ہے ان کے قلوب خوف خدا سے خالی ہیں۔ دنیاوی فوائد، جاہ ومال کے طمع، ظالموں، نافرمانوں، گمراہوں اور بدعتیوں اور ہوا پرستوں کی نظر میں اپنا مرتبہ گھٹنے کے ڈر سے امر ونہی کی ذمہ داری چھوڑ کر گناہ عظیم کے مرتکب اور غضب خداوندی کے مستحق ہو رہے ہیں اگر کسی جانی یا مالی نقصان کے اندیشہ سے خاموشی اختیار کر لے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ وہ نقصان یقینی اور موثر ہو۔ اور اس اندیشہ کے باوجود اگر امر ونہی کا سلسلہ جاری رکھے۔ اور اس سلسلے میں مشکلات ومصائب پر صبر کرے تو ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔ اور اس کا یہ عمل اللہ کے محبت اور دین کے لئے ایثار کی دلیل ہوگا۔

بہر حال مداہنت فی الدین کی بالکل اجازت ورخصت نہیں۔ اگر خاموشی پر مجبوری ہو تو خائین، فاسق، ضال اور ہوا پرست کو حقیر سمجھنا اور اپنے کو اچھا سمجھنا تو جائز نہیں۔ لیکن ان سے اعراض کرنا، ناخوش رہنا اور للّٰہی بغض رکھنا ضروری ہے۔ جس کی علامت یہ ہے کہ کم از کم اس سے حسن معاملت سے پرہیز

لیا جائے اور یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تیسرا درجہ ہے۔ جو اضعف الایمان ہے۔ اس دینی واجب کی ادائیگی ہر ایک کے بس کی بات ہے۔

بالجملہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک بہت ہی افضل، اہم، انفع اور بہترین **عمدہ** عمل شرعی اور فریضۂ دینی ہے۔

لیکن

کوئی عمل شرعی اس وقت عمل شرعی ہوتا ہے جب کہ شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ اگر شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو تو خواہ وہ عمل کیسا ہی عمدہ اور کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو شرعی نہ ہوگا۔ غیر شرعی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ نہ ہوگا۔ مردود اور ناپسند ہوگا۔ اور اس عمل غیر شرعی کو شرعی سمجھنا، یا خود شرعی نہ سمجھنا مگر مثل شرعی کے انجام دینا جس سے دوسروں کو شرعی سمجھ جانے کا اندیشہ اور گمان ہو تو اس عمل پر بدعت **وضلالت** کا حکم جاری ہوگا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر یا تبلیغ بھی عمل وحکم شرعی ہے۔ کبھی فرض ہوتا ہے کبھی واجب، کبھی مستحب ومندوب، کبھی ممنوع، ممنوع ہو تو نہ کرے۔ ضروری اور جائز ہو تو ضرور کرنا چاہئے۔ لیکن جو طریقہ تبلیغ کا اختیار کرے تو اس کو دلیل شرعی سے ثابت ہونا ضروری ہے۔

اور دلائل شرعیہ چار ہیں۔

(۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع امت (۴) قیاس مجتہد

یعنی کوئی عمل شرعی اسوقت عمل شرعی ہوگا جب کہ قرآن شریف سے ثابت ہو۔

اگر قرآن میں اس کا حکم نہیں ہے تو حدیث شریف سے ثابت ہو۔

اگر قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو تو پھر اجماع امت سے ثابت ہو۔

اور اگر ان تینوں سے ثابت نہ ہو تو قیاس مجتہد سے ثابت ہو۔

اور اجماع وقیاس بھی وہ معتبر ہیں جو مستنبط من الکتاب والسنۃ ہوں۔

اگر ان چاروں دلیلوں میں سے کسی دلیل سے ثابت نہ ہوگا تو وہ عمل شرعی نہ ہوگا، بدعی ہوگا۔ کما ھو المذکور آنفاً۔

لہٰذا تبلیغ میں بھی دلائل وقوانین شرعیہ کا لحاظ کرنا اور اس کے آداب وشرائط اور حدود کی پاس ورعایت کرنا ہر فرد اور ہر جماعت کے لئے ضروری ہے۔ تاکہ تغییر شرع محمدی، تعدی حدود اللہ، اعتدال سے نکل کر افراط وتفریط وغلو فی الدین اور بدعت وضلالت کا ارتکاب نہ لازم آجائے۔ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق نہ ہوجائے۔ شرائط وآداب کے ساتھ کرے۔ اندھا دھند نہ کرے۔

عالم ہو تو کتب فقہ واصول فقہ کی طرف مراجعت کرے۔ فقہاء وعلمائے محققین سے مذاکرہ کرے۔ غیر عالم ہو تو علمائے محققین ومفتیان شرع متین سے پوچھ کر کرے اپنی رائے اور قیاس کو ہرگز دخل نہ دے۔ دلیل شرعی سے جو ثابت ہو اس پر عمل کرے۔

پھر جاننا چاہئے کہ جب عمل کے شرعی ہونے وبدعی ہونے کا معیار دلیل شرعی ہے معتبر وغیر معتبر ہونے کا دارومدار، صحت وسقم کا انحصار دلائل شرعیہ ہی پر ہے تو کوئی بھی عمل اگر دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ مگر بکثرت علماء اس میں شریک ہوں یا وہ عمل عام لوگوں میں بہت مقبول ہو۔ اور اس عمل کی شہرت عالمگیر ہوجائے۔ اور اس کے بہت مفید ہونے کا مشاہدہ ہو۔ کسی ولی اللہ کے قلب میں اس کا القا یا الہام ہو۔ اس عمل کی کوئی کرامت ظاہر ہو، یا اس کی کسی خوبی کا کسی کو کشف ہو، یا خواب میں بشارت ہو، یا اس عمل کے نتیجے میں بہت سے غیر مسلم اسلام قبول کرلیں۔ یا اس عمل کے نتیجے میں بہت سی مسجدیں وجود میں آجائیں۔ یا بکثرت لوگ دیندار اور نمازی بن جائیں وغیرہ تو یہ امور شریعت کے نزدیک کوئی معتبر دلائل نہیں ہیں۔ ان امور سے کسی عمل کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

البتہ اگر کوئی عمل دلیل شرعی سے ثابت ہو تو ان امور کے لحاظ کے ظاہر ہونے سے اس طریقۂ عمل کی ترجیح ضرور ثابت ہوگی اور یہ اس عمل کے مقبولیت کی علامت ہوگی۔ اور بیشک یہ امور اس وقت ذریعۂ طمانینت قلب ہوں گے۔

لہٰذا ان امور کو معتبر دلیل سمجھنا اور سمجھانا غلط، فساد عظیم، فتنۂ عظمیٰ اور داہیۂ کبریٰ ہے۔

اس لئے کہ اہل باطل نے اپنے عقائد باطلہ اور اعمال بدعیہ محرمہ کے جواز واستحسان ثابت کرنے کے لئے اکثر اسی قسم کے دلائل پیش کئے ہیں اور پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور علمائے حق اس کا جواب دیتے اور مردود ٹھہراتے رہتے ہیں۔ اگر ان امور کو دلائل شرعیہ کی حیثیت دیدی جائے تو پھر بہت سے غلط اور باطل مسائل کا قائل ہونا پڑے گا۔

علامہ شاطبی اپنی کتاب الاعتصام کے ۲/۱۵۱ پر فرماتے ہیں:

لو فتح هٰذ الباب لبطلت الحجج وادعى كل من شاء ماشاء واكتفىٰ بمجرد القول فالجأ الخصم الى الابطال وهذا يجر فسادا لاخفاء له وان سلم فذلک الدليل ان كان فاسداً فلااعبرة به وان كان صحيحاً فهو راجع الى الادلة الشرعية فلا ضرر فيه

اگر یہ دروازہ کھول دیا گیا تو دلائل صحیحہ باطل اور مہمل ہو کر رہ جائینگے اور ان کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے گی۔ اور ہر شخص جو چاہے گا دعوی کریگا اور محض قول ہی پر اکتفا کرے گا اور خصم اس کے ابطال پر مجبور ہوگا۔ اور یہ امر جیسا کچھ فساد برپا کرے گا وہ مخفی نہیں ہے۔ اور اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو اگر دلیل فاسد ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر صحیح ہے تو وہ ادلہ شرعیہ کی طرف راجع ہوگی۔ تب تو کوئی ضرر ہی نہیں"

اور ۲/۲۸۲ پر فرماتے ہیں:

بعض روایات حدیث میں آیا ہے کہ: **اعظمها فتنة الذين يقيسون الامور برأيهم فيحلّون الحرام يحرّمون الحلال.**

یعنی فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ امت پر یہ ہے کہ لوگ اپنی رائے سے قیاس کریں۔ پس حلال کریں حرام کو اور حرام کریں حلال کو۔

اس حدیث میں بڑا فتنہ اس کو قرار دیا کہ لوگ اپنی رائے سے قیاس کریں۔ لیکن ہر قیاس ایسا نہیں۔ بلکہ وہ قیاس جس کی کوئی اصل نہیں اس لئے کہ تمام اہل قیاس کا اس پر اتفاق ہے کہ جو قیاس کسی اصل پر نہ ہو تو وہ قیاس صحیح نہیں۔ قیاس صحیح وہ ہے کہ جو کسی اصل پر ہو یعنی کتاب پر یا سنت پر یا اجماع معتبر پر۔ جو قیاس کسی اصل پر نہ ہو یعنی قیاس فاسد ہو اس کو دین کا موضوع اور دلیل بنانا صحیح نہیں ہے

کیونکہ یہ مخالفت شرع کی طرف موڈی ہوگا۔ شرعی حلال حرام قرار پائے گا اور شرعی حرام حلال قرار پائے گا۔ اس لئے رائے من حیث الرائے سے کوئی قانون شرعی منضبط نہیں ہوتا۔ کیونکہ عقل سے مستحسن شرعی مستقبح اور مستقبح شرعی مستحسن نہیں ہوسکتا۔ جب یہ بات ہے۔ تو بے اصل قیاس لوگوں کے لئے فتنہ ہے۔

حضرت مولانا اسمٰعیل الشہیدؒ ایضاح الحق الصریح / ۶۶ پر فرماتے ہیں جو حکم کہ قیاس فاسد سے مستنبط ہو وہ بدعات کی قبیل سے ہے اگر چہ استنباط کرنے والا معذور ہو۔ وہ سنت حکمیہ کی قسم سے نہیں ہے۔ اور جب کہ حکم مذکور احکام شرعیہ میں سے سمجھا جائے گا اور شمار کیا جائے گا تو وہ امر دین محدث ہوگا اور بدعت کے یہی معنی ہیں۔

الغرض غیر شرعی دلیل سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور غیر شرعی دلیل کو شرعی دلیل سمجھنا بدعت ہے۔ تو بدعت سے بدعت کیلئے استدلال کرنا گرمی سے بچنے کیلئے آگ کی پناہ لینا اور بیماری سے شفا حاصل کرنے کیلئے بیماری سے علاج کرنا ہے۔

شاعر کہتا ہے:

اذا استشفيت من داءٍ بداءٍ　　فاكثر ما اعلّک ماشفاک

"جب تم کسی بیماری سے بیماری کا علاج کروگے جتنا بھی کرو مگر جو چیز تم کو بیمار کرے گی وہ تم کو شفا نہ دے گی"۔

ایک شاعر کہتا ہے:

اقام يعمل اياماً رويّته　　فشبه الماء بعد الجهد بالماء

"یعنی وہ کچھ دن انتہائی غور وفکر سے کوشش کرتا رہا۔ اور بڑی محنت کے بعد پانی سے پانی کو تشبیہ دیا"۔

الختصر دلائل اربعہ شرعیہ یعنی کتاب وسنت، اجماع اور قیاس مجتہد ہی معیار صحت ہیں۔ اور کوئی امر معیار نہیں ہے۔ ان سے صحیح اور غلط کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ یہی راہ حق ہے اور یہ صراط مستقیم ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O

یہ میرا سیدھا راستہ ہے بس اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی اتباع مت کرو۔ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کردیں گے۔ اللہ تمہیں اس کی وصیت کرتا ہے۔ یعنی حکم دیتا ہے تاکہ تم متقی بن سکو۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ.

یعنی دین حق کو تو خدا نے مشروع ومقرر فرمایا ہے مگر یہ لوگ جو اس کو نہیں مانتے تو) کیا ان کے (تجویز کئے ہوئے) کچھ شریک (خدائی) ہیں جنہوں نے ان کیلئے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی اجازت خدا نے نہیں دی۔

مقصود استفہام انکاری سے یہ ہے کہ کوئی اس قابل نہیں کہ خدا کے خلاف اس کا

بدعت کے لغوی معنی

ما احدث علی غیر مثالٍ سابقٍ (المنجد العربی) وہ چیز جو بغیر کسی سابق مثال کے بنائی جائے (المنجد اُردو) بغیر نمونہ کے بنائی ہوئی چیز ''دین میں نئی رسم'' وہ عقیدہ یا عمل جس کی کوئی اصل قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ملے۔ (مصباح اللغات)

البدعة اسم من ابتدع الامر اذا ابتداءہٗ واحدثه کالرّفعة اسم من الارتفاع والخلفة اسم من الاختلاف ثم غلب علی ما هو زیادة فی الدین او نقصانٍ منه.

بدعت ابتداع کا اسم ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی نئی چیز ایجاد کرے۔ جیسے رِفعت ارتفاع کا اسم اور خِلفت اختلاف کا اسم ہے۔ پھر بدعت کا لفظ دین میں زیادت یا دین میں کمی پر استعمال غالب ہوگیا (المغرب)

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

البدعة فی المذهب ایراد قول لم یبن قائلها او فاعلها فیه بصاحب الشریعة

مذہب میں بدعت کا اطلاق ایسے قول پر ہوتا ہے جس کا قائل یا فاعل صاحب شریعت کے نقش قدم پر نہ چلا ہو۔ اور شریعت کی متقدم

بدعت کے شرعی معنی

حافظ بدرالدین عینی "**عمدة القاری**" شرح بخاری میں فرماتے ہیں

البدعة فی الاصل احداث امرلم یکن فی زمن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	بدعت اصل میں اس نو ایجاد امر کو کہتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا۔

دوسری جگہ یہی عینی فرماتے ہیں:

البدع جمع بدعة وهو مالم یکن له اصلٌ فی الکتاب والسنة وقیل اظهار شئ لم یکن فی زمن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولا فی زمن الصحابة.	بدع بدعت کی جمع ہے۔ اور بدعت وہ ہے کہ جس کی اصل کتاب وسنت میں نہ ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ بدعت ایسی چیز کا ظاہر کرنا ہے کہ وہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی اور نہ عہد صحابہ میں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی "**فتح الباری**" شرح بخاری میں فرماتے ہیں

البدعة اصلها ما احدث علی غیر مثال سابق و تطلق فی الشرع فی مقابل السنة فتکون مذمومة.	بدعت دراصل اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو بغیر کسی مثال سابق اور نمونہ کے ایجاد کی گئی ہو۔ اور شریعت میں بدعت کا اطلاق سنت کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ مذموم ہی ہوگی۔

حافظ ابن رجب حنبلی "**جامع العلوم والحکم**" میں فرماتے ہیں

والمراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له فی الشریعة یدل علیه واما ما کان له اصل من الشرع یدل علیه فلیس ببدعة شرعاً وان کان بدعة لغةً.	بدعت سے مراد وہ چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو۔ جو اس پر دلالت کرے باقی وہ چیز کہ جس کی اصل شریعت میں ہو جو اس پر دال ہو تو وہ بدعت نہیں۔ اگرچہ لغۃً بدعت ہی ہو۔

"**المحیط**" میں ہے

المبتدع هو الذی یفعل ما لم یامر اللّٰه ورسوله ومالم تفعله الصحابة.	مبتدع وہ ہے جو کہ ایسا کام کرے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا ہے۔ اور نہ صحابہ نے وہ عمل کیا۔

"**الکشف**" میں ہے

البدعة الاَمرُ المُحدث فی الدین الذی لم یکن علیه الصحابة والتابعون	بدعت وہ نیا کام ہے دین میں کہ اس پر نہ صحابہ رہے ہوں نہ تابعین۔

رسالہ "**البدعة**" میں ہے

البدعة وهی المخالفة للسنة قولاً او فعلاً او احداث مالیس فیه فعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ولا تقریره لقوله تعالیٰ ولا تتبعوا خطوات الشیطان فانه یامر بالفحشاء	بدعت سنت کی مخالفت کا نام ہے۔ قول ہو یا فعل یا ایسے عمل کا احداث وایجاد ہے کہ نہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فعلاً ثابت ہو نہ تقریراً۔ بوجہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے کہ نہ پیروی کرو شیطان کے نقش قدم کی۔ اس لئے کہ وہ بے حیائی اور بری باتوں کا حکم کرتا

والمنكر قال ابن عباسؓ المنكر مالم يعرف فى الكتاب ولا فى السنة.

ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ منکر وہی ہے جو نہ کتاب اللہ جانا جائے۔ اور نہ سنت میں ہو۔

”شرح مصباح لابن الملک“ میں ہے

من فعل فعلاً او قال قولاً فى الدين ماليس فى القرآن ولا في احاديث رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لايجوز قبوله ويسمى ذلک الفعل او القول بدعة

جو شخص بھی کوئی فعل کرے یا بات کہے دین سمجھ کر، اور نہ ہو وہ قرآن میں ہو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں۔ تو اس فعل یا قول کو قبول کرنا جائز نہیں اور اس فعل یا قول کا نام بدعت ہے۔

”شرح السنة للبغوى“ میں ہے۔

البدعة ما احدث على غير قياس على اصل من اصول الدين

بدعت ہر وہ نیا کام ہے۔ جو اصول دین میں سے کسی اصل کے قیاس پر نہ ہو۔

”البحر الرائق“ میں ہے

البدعة ما احدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة او استحسان وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً

بدعت وہ محدث امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیے ہوئے حق کے خلاف ہو۔ خواہ وہ علم ہو۔ یا عمل ہو۔ یا حال ہو۔ کسی نوع کے شبہ یا استحسان کی وجہ سے اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم قرار دے۔

(فائدہ) اس قول میں اس بات کی تصریح ہے کہ جس طرح علم اور عمل میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے ثابت ہو۔ اسی طرح اس عمل کے حال میں بھی یہ لحاظ کرنا ضروری ہے۔ یعنی قول یا فعل تو ثابت ہو مگر وہ حال ثابت نہ ہو تو وہ بھی بدعت ہوگا۔ مثلاً تاکد والتزام، تداعی واہتمام، اصرار اور کسی امر مکروہ یا غیر مکروہ کا انضمام وغیرہ۔

چنانچہ حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی جائز مطلق کے ساتھ ایسے امور منضم ہو جاویں کہ وہ ممنوع ومکروہ ہو تو مجموعہ ممنوع ہو جاتا ہے۔ اور جو ایسے امور منضم ہوں کہ مباح ہیں یا مستحب ہیں تو اگر درجۂ اباحت واستحباب پر رہیں تو درست ہے اور اپنے درجہ سے بڑھ جاویں تو بدعت ہو جاتے ہیں۔ یعنی مجموعہ مقید کا بسبب قید کے غیر مشروع وبدعت ہو جاتا ہے۔ اصل کی وجہ سے غیر مشروع نہیں ہوتا۔ بلکہ قید کے سبب بدعت ہو جاتا ہے۔ اور جائز منصوص بسبب تاکد واہتمام بدعت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ”صلوٰۃ ضحیٰ“ کہ تداعی اور اہتمام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمر نے بدعت فرمایا۔ پس محدث خواہ خود ذات شے ہو۔ خواہ وصف وحال وقید شے کا ہو۔ خواہ احداث بلا واسطہ ہو۔ خواہ بواسطہ۔ مردود وبدعت ہوگا۔

”شرح مقاصد لسعدالدين التفتازانى“ میں ہے

ان البدعة المذمومة هو المحدث فى الدين من غير ان يكون فى عهد الصحابة والتابعين ولا دل عليه الدليل الشرعي.

بدعت مذمومہ سیئہ وہ ہے جو دین کے اندر نئی ایجاد کی گئی ہو۔ اور وہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے عہد میں نہ پایا جاتا ہو۔ اور نہ اس پر کوئی دلیل شرعی دلالت کرتی ہو۔

”**بهجة النفوس**“ لابن ابی حمزہ“ میں ہے

البدعة هو ان يعمل في التعبد مالم يامر الشارع عليه الصلوٰة والسلام به ولم يفعله

بدعت وہ ہے کہ عبادت کے طریقے سے وہ عمل کرے اور اس عمل کا نہ شارع نے حکم دیا ہو، نہ اس کو خود کیا ہو۔

”**خلاصة الحقائق**“ میں ہے کہ:

البدعة مايفعل من الدينيات مالم يفعل النبى صلى الله عليه وسلم ولا اذن فيه.

بدعت وہ ہے کہ جو دینی کام قرار دیے کر کیے جائے اور وہ کام نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اور نہ اس کی اجازت دی ہو۔

”**شرح الاربعين**“ لابن حجر مکی میں ہے کہ:

البدعة كل شى عمل على غير مثال سابق ومنه بديع السمٰوت والارض اى موجدهما على غير مثال سابق وشرعا ما احدث على خلاف امر الشارع ودليله الخاص والعام.

بدعت ہر وہ عمل ہے جو کسی مثال سابق پر نہ ہو اور اسی لفظ بدعت سے ”بديع السمٰوت والارض“ نکلا ہے۔ یعنی بغیر مثال سابق کے آسمان و زمین کا ایجاد اور تخلیق کرنے والا اور شرعاً بدعت یہ ہے کہ شارع کے امر اور اس کی دلیل خاص اور عام کے خلاف عمل کیا جائے۔

(**فائدہ**) اس قول میں اس بات کی تصریح ہے کہ شریعت میں کوئی عمل بطریق عموم ثابت ہو تو اس کی ”تخصیص“ اور اگر بطریق خصوص ثابت ہو تو اس میں ”تعمیم“ بدعت ہے۔

”**الاعتصام**“ للشاطبی میں ہے

البدعة طريقة فى الدين مخترعة تضاهى الشريعة يقصد بالسلوك عليها المبالغة فى التعبد لله سبحانه ويقصد ما يقصد بالطريقة الشرعية.

بدعت دین میں گڑھے ہوئے طریقہ کا نام ہے جو شریعت کے مشابہ ہو۔ اور اس طریقہ پر چلنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش ہو۔ اور جو شرعی طریقہ پر چلنے کا مقصد ہوتا ہے۔ وہی مقصد اس کا ہو۔

”**اقوال محققين**“ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

البدعة امر محدث فى الدين مالم يثبت من كتاب الله وهدى سيد المرسلين عليه الصلوٰة والسلام وعلى اله واصحابه اجمعين. (اشباع الکلام)

بدعت دین میں ایسا نیا کام جاری کرنے کا نام ہے جو نہ کتاب اللہ سے ثابت ہو اور نہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کی سیرت سے ثابت ہو۔

جس طرح فعل رسول سنت ہے اسی طرح ترک بھی سنت ہے

سيد جمال الدين ”المحدث“ فرماتے ہیں:

تركه صلى الله عليه وسلم سنة كما انّ فعله سنة.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا (باوجود داعی) کے کسی فعل کو ترک کرنا سنت ہے جس طرح آپ کا (بار بار) کسی فعل کا کرنا سنت ہے۔

لہٰذا ایسے فعل کو دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

مواهيب لطيفه شرح مسند ابی حنیفہ میں تلفظ بالنیۃ کی بحث میں ہے

والاتباع كما يكون في الفعل يكون في الترك ايضا فمن واظب عليه ما لم يفعل الشارع فهو مبتدع لشموله قوله من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو ردٌّ.

اتباع جس طرح فعل میں ہوتا ہے اسی طرح ترک میں بھی ہے۔ چنانچہ جس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس پر مواظبت کرنیوالا مبتدع ہے۔ کیونکہ اسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول شامل ہے کہ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

ملا علی قاری ”**مرقاۃ**“ میں بحث انما الاعمال بالنیات میں فرماتے ہیں

فمن واظب على ما لم يفعل الشارع صلى اللّٰه عليه وسلم فهو مبتدع، والمتابعة كما تكون في الفعل يكون في الترك ايضاً

جس نے مواظبت کی اس فعل پر جس کو شارع علیہ السلام نے نہیں کیا (یا کبھی ایک آدھ بار) کرلیا وہ مبتدع ہے۔ اور پیروی جس طرح فعل میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ترک میں بھی ہوتی ہے۔

”**اشعۃ اللمعات**“ للشیخ عبدالحق ”المحدث“ دہلوی میں اسی حدیث کے تحت ہے۔

آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نہ کردہ باشد، مبتدع بود۔ کذا
قال المحدثون، اتباع ہمچناں کہ در فعل واجب است در ترک نیز باید۔

یعنی جو شخص مواظبت کرے ایسے فعل پر جس کو شارع علیہ السلام نے نہ کیا ہو تو وہ مبتدع ہے۔ ایسا ہی محدثین نے کہا ہے کہ اتباع جیسا کہ فعل میں واجب ہے۔ ترک میں بھی چاہئے۔

تبلیغ کے بعض آداب واحکام

علامہ نسفی تفسیر ”مدارک“ میں فرماتے ہیں۔

(وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ) بما استحسنه الشرع والعقل (وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) عما استقبحه الشرع والعقل، او المعروف ما وافق الكتاب والسنة والمنكر ما خالفهما او المعروف الطاعة والمنكر المعاصي والدعاء الى الخير عام في التكاليف من الافعال والتروك وما عطف عليه خاص ومن للتبعيض لان الامر بالمعروف والنهي عن

اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو خیر کی طرف دعوت دے اور نیک کاموں کا حکم کرے یعنی اس چیز کا حکم کرے جس کو شرع اور عقل مستحسن سمجھیں (اور روکیں بری باتوں سے) یعنی اس چیز سے جس کو شرع اور عقل برا سمجھیں یا معروف وہ ہے جو کتاب اور سنت کے موافق ہو۔ اور منکر وہ ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔ یا معروف سے مراد طاعت اور منکر سے مراد معاصی ہیں۔ اور دعوت الی الخیر عام ہے۔ شامل ہے تمام مامورات اور منہیات کو خواہ وہ افعال ہوں یا تروک۔ اور اس پر جو عطف ہے وہ خاص ہے۔ یعنی دعوت الی الخیر عام ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر خاص ہے اور من تبعیض کے لئے ہے اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

المنكر من فروض الكفاية ولانه لايصلح له الامن علم المعروف والمنكر وعلم كيف يرتب الامر في اقامته فانه يبدأ بالسهل فان لم ينفع ترقى الى الصعب قال الله تعالىٰ فاصلحوا بينهما ثم قال فقاتلوا او للتبيين اى وكونوا امة تامرون كقوله تعالىٰ كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر.

فرض کفایہ میں سے ہے۔ اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ٹھیک طور پر وہی کرے گا جس کو معروف ومنکر کا علم ہو۔ اور علم ہو کہ اس کی اقامت میں کام کی ترتیب کیا ہونی چاہئے۔ چنانچہ سہل کے ساتھ شروع کرے گا جب وہ نافع نہ ہوگا تو صعب اور ذرا سختی کی جانب ترقی کرے گا۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے پہلے فاصلحوا بینہما فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا فقاتلوا یا من تبیین کے لئے ہے تب اس کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ تم سب ایک ایسی جماعت بن جاؤ جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہو۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کُنْتُمْ الآیۃ) تم ایک بہترین امت ہو جو ظاہر اور پیدا کی گئی ہے لوگوں کیلئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔

اور پ۱۴ میں فرماتے ہیں.

(ادع الى سبيل ربك) الى الاسلام (بالحكمة) بالمقالة الصحيحة وهو الدليل الموضح للحق

(دعوت دے اپنے رب کے سبیل کی طرف) یعنی اسلام کی طرف (حکمت کے ساتھ) یعنی صحیح اور محکم مقالہ کے ساتھ۔ اور وہ ایسی دلیل ہے جو حق کو واضح اور شبہ کو زائل کرنے والی

المزيل للشبهة (والموعظة الحسنة) وهي اللتي لايخفى عليه انك تناصحهم بها وتقصد ماينفعهم فيها او بالقرآن اى ادعهم بالكتاب الذى هو حكمة وموعظة حسنة، والحكمة المعرفة بمراتب الافعال والموعظة الحسنة ان يخلط الرغبة بالرهبة والانذار بالبشارة (وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ) بالطريقة اللتي هي احسن، طرف المجادلة من الرفق واللين من غيره فظاظة اوبما يوقظ القلوب ويعظ النفوس ويجلي العقول وهو رد علىٰ من يابى المناظرة في الدين.

ہوتی ہے (اور مواعظ حسنہ کے ساتھ) اور موعظ حسنہ وہ ہے کہ لوگوں پر خوب ظاہر ہوجائے پوشیدہ نہ رہے کہ تم بذریعہ امر بالمعروف ان کی خیرخواہی کررہے ہو۔ اور تمہارا مقصد ان کو نفع اور بھلائی پہنچانا ہے یعنی لوگ یہ سمجھیں کہ تم ان کے اچھے کے لئے کررہے ہو یا موعظ حسنہ یہ ہے کہ قرآن کے ذریعہ دعوت دو یعنی اس کتاب کے ذریعہ جو سراسر حکمت اور موعظ حسنہ ہے۔ اور افعال کے مراتب کا جاننا حکمت ہے۔ اور موعظ حسنہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترغیب وترہیب نیز انذار وبشارت سے ملا جلا کر ہو۔ یعنی ہر دو سے کام لیا جائے۔ (اور مجادلہ کر ان سے ایسا کہ وہ عمدہ اور بہتر ہو) یعنی ایسا طریقہ ہو کہ جو مجادلے کے تمام طریقوں سے بہتر ہو۔ رفق ولینت ہو۔ سختی نہ ہو۔ یا ایسا ہو کہ جو سوئے ہوئے قلوب کو بیدار کردے اور عقولوں کو روشن کردے۔ اور یہ منکرین مناظرہ فی الدین پر رد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "**القول الجميل**" میں فرماتے ہیں

فاما المذكر فلا بد ان يكون مكلفا عدلا كما اشترطوا في راوي الحديث والشاهد محدثا مفسرا عالما بجملة كافية من اخبار السلف الصالحين وسيرتهم، وتعني بالمحدث المشتغل بكتب الحديث بان يكون قرأ لفظهما وفهم معاها وعرف صحتها وسقمها ولو باخبار حافظ او استباط فقيه وكذلك بالمفسر المشتغل بشرح غريب كتاب الله وتوجيه مشكله وبما روى عن السلف في تفسيره ويستحب مع ذلك ان يكون فصيحا لايتكلم

مُذَکِّر یعنی نصیحت کرنے والے اور واعظ کے لئے ضروری ہے کہ مکلّف ہو۔ یعنی مسلمان ہو، عاقل ہو بالغ ہو۔ اور عادل یعنی متقی ہو۔ جیسا کہ راوی حدیث اور شاہد کے معاملے میں علما نے تکلیف اور عدالت کی شرط لگائی ہے۔ محدث ہو مفسر ہو سلف صالحین یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اخبار اور سیر سے فی الجملہ بقدر کفایت واقف ہو۔ اور محدث سے ہم یہ مراد لیتے ہیں کہ کتب حدیث یعنی صحاح ستہ وغیرہ سے اشتغال رکھتا ہو اس طرح پر کہ اسکے الفاظ کو استاذ سے پڑھ کر سند حاصل کر چکا ہو۔ اور ان کے معانی کو سمجھا ہو اور احادیث کی صحت اور سقم کو معلوم کر چکا ہو اگرچہ صحت و سقم کی معرفت حافظ حدیث یا فقیہ کے استنباط سے حاصل ہو۔ اسی طرح مفسر سے ہماری مراد یہ ہے کہ قرآن کی شرح غریب سے اشتغال رکھتا ہو۔ آیات مشکلہ کی توجیہ وتاویل سے واقف ہو۔ اور سلف سے مروی تفسیر کی معرفت رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ مستحب یہ ہے کہ فصیح ہو

مع الناس الاقدر فهمهم وان يكون دا وجه ومروة واما كيفية التذكير ان لايذكر الاغبا ولايتكلم وفيهم ملال بل اذا عرف فيهم الرغبة ويقطع عنهم وفيهم رغبة، ولا يخص في الترغيب او الترهيب فقط بل هو يشرب كلامه من هذا ومن ذلك كما هو سنة الله من ارداف الوعد بالوعيد والبشارة بالانذار وان يكون ميسراً لا معسراً ويعم بالحطاب ولا يخص طائفة دون طائفة ولا يشافه بذم او انكار على شخص بل يعرض مثل ان يقول ما

لوگوں سے انکے فہم کے مطابق گفتگو کرتا ہو۔ مہربان ذی وجاہت اور صاحب مروت ہو۔ رہی کیفیت تذکیر، سو یہ ہے کہ ناغہ سے کرے ہر روز یا ہر وقت نہ کیا کرے۔ سامعین ملال اور افسردگی کی حالت میں نہ ہوں۔ بلکہ اس وقت وعظ و نصیحت شروع کرے جب لوگوں میں رغبت اور شوق کو دریافت کرلے۔ اور قطع کلام کر دے۔ درصورتیکہ ان میں رغبت باقی ہو۔ کلام کو فقط خوشخبری اور بشارت سنانے اور رغبت دلانے میں مخصوص نہ کرے اور نہ فقط خوف دلانے اور ڈرانے میں۔ بلکہ کلام کو ملاتا جاتا رہے۔ کبھی اس سے۔ کبھی اُس سے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے۔ وعدہ کے پیچھے وعید لانا، بشارت کے ساتھ انذار اور تخویف کو ملانا (کیونکہ فقط ترغیب سے آدمی بیباک ہو جاتا ہے۔ اور فقط ترہیب سے یاس اور ناامیدی حاصل ہوتی ہے۔ تو ہر ایک کو اپنے اپنے موقع پر ذکر کرنا چاہئے) اور مذکر و مبلغ کو لازم ہے کہ آسانی کرنے والا ہو۔ سختی کرنے والا نہ ہو۔

بال اقوام يفعلون كذا و كذا ولا يتكلم بسقط وهذل ويحسن الحسن ويقبح القبيح ويامر بالمعروف وينهى عن المنكر ولا يكون امعة، واما اركانه فالترغيب والترهيب والتمثيل بالامثال الواضحة والقصص المرققة والنكات النافعة فهذا طريق التذكير والشرح۔ الخ

اور یہ کہ خطاب عام کرے خاص نہ کرے۔ ایک گروہ کو چھوڑ کر ایک گروہ سے خطاب نہ کرے۔ کسی مخصوص قوم کی یا کسی معین شخص پر بالمشافہ انکار ومذمت نہ کرے۔ بلکہ بطریق تعریض واشارہ کہے مثلاً یوں کہے کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ ایسا ایسا کرتے ہیں۔ اور وعظ ونصیحت میں کلام ساقط الاعتبار اور بیہودہ، مذاق اور دل لگی کا نہ کرے۔ نیک بات کی تحسین کرے اور امر قبیح کی برائی کھول کھول کر بیان کرے۔ معروف کا امر بھی کرے اور منکر سے نہی بھی کرے۔ اور دورکابی ہرجائی مذہب نہ ہو کہ جس محفل میں جاوے ان کی خواہش نفسانی کے موافق وعظ کہے اور کام کرے۔

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں

ارکان وعظ وتبلیغ۔ ترغیب اور ترہیب، واضح مثالوں سے مثالیں دینا صحیح اور دل کو نرم کرنے والے قصے بیان کرنا اور نفع دینے والے نکتے بیان کرنا ہیں۔ بس یہ طریقہ ہے تبلیغ وتذکیر اور شرح کا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن پ ۴ میں تحت آیت ولتكن منكم امة الخ فرماتے ہیں۔

تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ:

(۱) جو شخص امر بامعروف ونہی عن المنکر پر قادر ہو۔ یعنی قرائن غالب سے گمان رکھتا ہے کہ اگر میں امر ونہی کروں گا تو مجھ کو ضرر معتدبہ لاحق نہ ہوگا۔ اس کے لئے امور واجبہ میں امر ونہی کرنا واجب ہے۔ اور امور مستحبہ میں مستحب۔ مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے۔ تو ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ بے نماز کو نصیحت کرے اور نوافل مستحب میں اس کو نصیحت کرنا مستحب ہوگا۔

(۲) جو شخص بالمعنی المذکور قادر نہ ہو اس پر امر ونہی کرنا امور واجبہ میں بھی واجب نہیں البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔ پھر امر ونہی پر قادر کے لئے امور واجبہ میں تفصیل ہے۔

(۳) اگر قدرت ہاتھ سے ہو تو ہاتھ سے اس کا انتظام واجب ہے۔ جیسے حکام محکومین کے اعتبار سے۔ یا ہر شخص خاص اپنے اہل وعیال کے اعتبار سے۔ اور اگر زبان سے قدرت ہو تو زبان سے کہنا واجب ہے۔ اور غیر قادر کے لئے اتنا کافی ہے کہ تارک واجبات ومرتکب محرمات سے دل سے نفرت رکھے۔

(۴) پھر قادر کے لئے منجملہ شرائط کے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اس امر کے متعلق شریعت کا پورا حکم اس کو معلوم ہو۔

(۵) اور منجملہ آداب کے ایک ضروری ادب یہ ہے کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی کرے اور واجبات میں اولاً نرمی اور نہ ماننے پر سختی کرے۔

(۶) اور ایک تفصیل قدرت میں یہ ہے کہ دستی قدرت میں تو کبھی امر ونہی کا ترک جائز نہیں اور زبانی قدرت میں مایوسی نفع کے وقت ترک جائز ہے۔ لیکن

مودت ومخالطت کا بھی ترک واجب ہے مگر بہ ضرورت بشدیدہ۔ پھر قادر کے ذمہ اس کا وجوب علی الکفایہ ہے۔ اگر اتنے آدمی اس کام کو کرتے ہوں کہ بقدر حاجت کام چل رہا ہو تو دوسرے اہل قدرت کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

یہ کل چھ مسلے اس مقام پر ذکر کیے گئے۔

> ”اور علم کی شرط ہونے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات اور احکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں۔ سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں“

اور رسالہ حقوق العلم میں فرماتے ہیں:

ایک اعتراض مولویوں پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مخدوم بنے گھروں اور مدرسوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور قوم کی تباہی پر ان کو کچھ رحم نہیں آتا۔ اور گھروں سے نکل کر گمراہوں کی دستگیری نہیں کرتے۔ لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے۔ کوئی احکام سے محض بے خبر ہے لیکن ان کو کچھ پرواہ نہیں۔ حتی کہ بعض تو بلانے پر بھی نہیں آتے اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت کسی درجہ میں صحیح ہو سکتا تھا کہ تبلیغ اسلام واحکام اب بھی فرض ہوتی۔ تب بیشک ضروری تھا کہ گھر گھر، شہر شہر سفر کر کے جاتے۔ یا کسی کو بھیجتے۔ اور لوگوں کو احکام سناتے۔ لیکن اب تو اسلام واحکام شرقاً وغرباً مشتہر ہو چکے ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے کانوں میں اصولاً وفروعاً اسلام نہ پہنچ چکا ہو۔ اور جو لوگ کسی قدر پڑھے لکھے ہیں۔ ان کو تو بذریعہ رسائل مختلف مذاہب تک کا علم ہے۔ اور اگر کسی مقام پر فرضاً کوئی احکام بتلانے والا نہ پہنچا ہو تاہم اس مقام

کے لوگ اگر کل نہیں تو بعض سہی دوسرے مقامات پر پہنچے ہیں۔ اور احکام سنے ہیں۔ اور ان بعض سے دوسرے بعض کو پہنچے ہیں۔

بہر حال جن مقامات کا ہم کو علم ہے ان میں سے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں پر اسلام واحکام نہ پہنچے ہوں۔ اور فقہاء نے کتاب اسیر میں تصریح فرما دی ہے اور عقل میں بھی بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہنچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں۔ البتہ مندوب ہے۔ پس جب تبلیغ واجب نہیں تو اس کے ترک پر ملامت کیسی؟ اور اگر ترک مستحب پر یہ الزام ہے تو اول تو وہ محل الزام نہیں۔ دوسرے اس سے قطع نظر اگر ان لوگوں کو کوئی شغل ضروری نہ ہو تو گنجائش بھی ہے لیکن جو لوگ اسلام کی دوسری خدمت کر رہے ہیں۔ وہ بھی اب ضروری کاموں میں لگ رہے ہیں تو پھر گنجائش اس شبہ کی کہاں ہے۔

دوسرے جس طرح علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے۔ کہ ان گمراہوں کے گھر پہنچ کر ہدایت واصلاح کریں خود ان گمراہوں کو یہ رائے کیوں نہیں دی جاتی کہ فلاں جگہ علماء موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کر لو۔

- تیسرے یہ خدمت کیا صرف علماء ہی کے ذمہ ہے۔ دوسرے دنیادار مسلمانوں کے ذمہ نہیں۔ یعنی ان کو چاہیے کہ سمجھیں کہ علماء کو معاش سے فراغ نہیں۔ آپس میں کافی سرمایہ یعنی روپیہ جمع کر کے علماء کی ایک جماعت کو خاص اسی کام کے لئے مقرر کریں۔ اور ان کی کافی مالی خدمت کر کے معاش سے ان کو مستغنی کر دیں۔ پھر وہ علماء معاش سے بے فکر ہو کر اس خدمت کو انجام دیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب ”اشاعت اسلام“ / ۴۷۸ پر فرماتے ہیں۔

شریعت نے جس طرح تمام احکام کے حدود وطرق استعمال مقرر فرمائے ہیں۔ امر بامعروف کے لئے بھی کچھ شرائط وحدود وطرق ہیں۔ مثلاً یہ شرط ہے کہ نیت اس کی درست وخالص ہو۔ مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ ریا وسمعہ اپنی شہرت وعزت طلبی کا دخل نہ ہو۔ یا یہ کہ جس معروف کا امر کرتا ہے اور جس منکر سے نہی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے معروف ومنکر ہونے کی دلیل اور حجت بھی جانتا ہو۔ اور کم سے کم باوثوق علم ان کے معروف منکر ہونے کا ہو۔ ورنہ نفع سے زیادہ مضرت کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ جب آمر وناہی خود اپنے مدعا کی دلیل یا اس کو باوثوق ذریعہ سے بیان نہ کرسکے گا۔ تو اس کی سعی رائگاں جائے گی۔ دوسروں کو دلیری وجرأت بڑھے گی۔

یا یہ کہ مامور ومنہی عنہ کے درجات کو جاننا لازم اور ضروری ہے۔ اگر مامور بہ واجب ہے۔ امر بامعروف بھی واجب ہے۔ سنت یا مستحب ہے تو وہ بھی سنت یا مستحب ہے منکر میں یہ دیکھنا ہے کہ جس فعل منکر سے اس شخص کو روکنا چاہتا ہے۔ آیا وہ فعل اس سے واقع ہوچکا ہے یا واقع ہونے والا ہے۔ اگر واقع ہوچکا ہے تو اس کا روکنا نہی عن المنکر میں داخل نہ ہوگا۔ بلکہ اب اس کا کچھ کہنا مذمت علی المنکر میں داخل ہوگا۔ جو گو خود فی حد ذاتہ حسن ہے مگر نہی عن المنکر نہیں ہے۔

یا یہ کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے میں اس کو اندیشہ نہ ہو کہ میرا یہ فعل اس شخص کے لئے اور جرأت واصرار کا سبب بن جائے گا۔ اگر ایسا اندیشہ ہے تو سکوت بہتر ہے۔ خواہ مخواہ پنی حق گوئی کا اظہار ضروری نہیں ہے۔ یا مثلاً ہر جگہ امر بامعروف کا ایک ہی طریقہ نہیں ہے۔ باپ کو اگر کسی منکر میں مبتلا دیکھے تو بیٹے کو چاہئے کہ ایک مرتبہ نرمی سے کہہ دے نہ مانے تو سکوت کرے۔ بار بار نہ کہے۔ البتہ اس کے لئے دعا

کرے اسی طرح رعیت امام، زوج، زوجہ، غلام، آقا میں اگر ضرورت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہو تو رعیت کے ذمہ امام کی، زوجہ کے ذمہ زوج کی، غلام کے ذمہ آقا کے درجات ومراتب کی رعایت ایسی ہے جیسے ولد کے ذمہ والدین کی۔ اس کے ذمہ اظہار ضروری ہے۔ مگر رعایت ومراتب بھی لازم ہے۔

علیٰ ہذا یہ بھی ضرور ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر رفق وملائمت، نرمی وملاطفت کے ساتھ ہو۔ عنف وشدت نہ کرے۔ نرمی وملاطفت سے کہنے کا اچھا اثر ہوتا ہے۔ شدت وعنف بسا اوقات مضر ہوجاتے ہیں۔ سننے والے میں بجائے انقیاد اصرار بڑھ جاتا ہے۔ ہاں نرمی کام نہ دے الٹی جرأت بڑھ جائے تو شدت وعنف کی ضرورت ہے۔ زبان سے سختی کرکے ناملائم الفاظ استعمال کرے۔ ہاتھ سے کام لے ان سب کی اجازت ہے مگر پھر بھی ایسے لفظ کہنے کی اجازت نہیں ہے جس سے اس پر کسی فحش کا الزام لگتا ہو، جاہل، احمق، کودن، بیوقوف، نادان، فاسق وغیرہ الفاظ کہنے کی اجازت ہے زانی، حرامی وغیرہ الفاظ کی اجازت نہیں۔

اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تمام نصوص کے جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اول ملاطفت ونرمی ہے اور پھر شدت وعنف، ہر ایک کا موقع ہے ہاں ایک وقت ایسا بھی مایوسی کا آتا ہے جب نرمی ورفق، شدت وعنف دونوں سے کام نہیں چلتا۔ کوئی سنتا ہی نہیں ہے۔ کوئی ذریعہ وقوت مجبور کرنے کی نہیں تب حکم ہے ”فعلیک بخاصۃ نفسک“ تجھ کو خاص اپنے نفس کی فکر چاہئے۔

”تفسیر احمدی“ میں ملا جیونؒ نے امر بامعروف ونہی عن المنکر کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔ پھر اس کے شرائط کے بارے میں فرمایا

ثم ذكر واله شرائط ان يكون له تحت قدرته وان لايكون موجبا للفتنة والفساد وزيادة الذنوب كما صرح به في المواقف ويدل عليه قوله فان لم يستطع الحديث ولعلهم لهذا قالوا ان الامر باليد الى الامراء وباللسان الى العلماء وبالقلب الى العوام وان لا يسئله اتفعل كذا لا تفعل كذا لانه تجسس منهي عنه لقوله تعالى ولا تجسسوا صرح به في المواقف ايضاً وان لا يامر ما لايفعله بنفسه وان كان لايشترط عمله على جميع الشرائع بل على قدر المامور به فقط لقوله تعالى يا ايها الذين آمنوا لم تقولون مالا تفعلون ولقوله تعالىٰ

پھر علماء نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شرائط بیان کئے ہیں یہ کہ اس پر قدرت ہو۔ اور یہ کہ امر ونہی موجب فتنہ وفساد اور گناہوں کے اور بڑھ جانے کا باعث نہ ہو۔ جیسے کہ مواقف میں اس کی تصریح ہے۔ جس پر حدیث کا لفظ **فان لم یستطع** الخ دلالت کر رہا ہے۔ غالباً اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ہاتھ سے امر ونہی امراء کے لئے ہے اور زبان سے علماء اور قلب سے عوام کے لئے اور یہ کہ مامور سے یہ نہ پوچھے کہ تم ایسا کرتے ہو۔ اور ایسا مت کرو۔ کیونکہ یہ تجسس ہے جو کہ منہی عنہ ہے بوجہ اللہ تعالیٰ کے قول ولا تجسسوا کے اس کی بھی مواقف میں تصریح ہے اور یہ کہ جس کام کو خود نہ کرتا ہو اس کا امر نہ کرے اگرچہ پوری شریعت پر عمل ضروری نہ ہوتا ہم جتنے امور کی تبلیغ کر رہا ہے اتنے کا عامل ضرور ہو۔ بوجہ اللہ تعالیٰ کے قول یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم الآیۃ

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب افلا تعقلون وامثال ذلك وان اراد ان يامر بالمعروف ينبغي ان يامر اولا على نفسه ثم على عياله واطفاله وعشيرته كما يدل عليه قوله تعالى وانذر عشيرتك الاقربين وقوله تعالىٰ يا ايها الذين آمنوا قوا انفسكم واهليكم ناراً ثم على غيرهم، صرح به في بعض الرسائل.

اور اتامرون الناس بالبر وغیرہ، اور یہ کہ اگر امر بالمعروف کا ارادہ کرے تو لائق ہے یہ کہ پہلے اپنے نفس کو امر کرے پھر اپنے اہل وعیال پر۔ پھر اپنے خاندان والوں پر۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا قول یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم دلالت کر رہا ہے۔ اور وانذر عشیرتک الاقربین۔ پھر ان کے علاوہ اور لوگوں کو جیسا کہ بعض رسائل میں اس کی تصریح ہے۔

عالمگیریه جلد خامس میں ہے۔

الامر بالمعروف يحتاج الى خمسة اشياء الاول العلم لان الجاهل لايحسن الامر بالمعروف الثاني ان يقصد وجه الله واعلاء كلمة العلياء الثالث الشفقة على المامور به فيامره باللين

امر بالمعروف کے پانچ شرائط ہیں۔ اول علم چاہئے کیونکہ جاہل سے بخوبی امر بالمعروف نہیں ہوسکتا۔ دوم امر بالمعروف سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور اعلاء کلمۃ العلیا مقصود ہو۔ سوم جس کو امر بالمعروف کرتا ہے اس کے حال پر شفقت کی نظر ہو۔ اس کو نرمی ومہربانی سے

والشفقة والرابع ان يكون صبوراً حليما، الخامس ان يكون عاملا بما يامر كيلا يدخل تحت قوله تعالى لم تقولون مالا تفعلون ولايجوز للرجل من العوام ان يامر بالمعروف لقاضى والمفتى والعالم الذى اشتهر لانه اساءة الادب ويقال الأمر بالمعروف باليد على الامراء وباللسان على العلماء وبالقلب لعوام الناس كذا فى الظهيريه وهو اختيار الزندويسي

امر ونہی کرے چہارم یہ کہ آمر صابر اور حلیم ہو۔ پنجم یہ کہ جس بات کے کرنے کا حکم دیتا ہے اس کو خود کرتا ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں نہ داخل ہو جائے کہ کیوں کہتے ہو ایسی بات کہ جس کو خود نہیں کرتے۔

اور نہیں جائز ہے عوام میں سے کسی کو کہ قاضی یا مفتی یا عالم مشہور کو امر بالمعروف کرے اس لئے کہ یہ بے ادبی ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہاتھ سے امر بالمعروف کرنا امراء پر واجب ہے اور زبان سے علماء اور دل سے برا جاننا عوام الناس کیلئے واجب ہے۔ ایسا ہی ظہیریہ میں ہے اور اسی کو امام زندویسی نے اختیار کیا ہے۔

درمختار ۳۷۲/۵ میں ہے:

التذكير على المنابر والاتعاظ سنة الانبياء والمرسلين، وللرياسة والمال وقبول عامة من ضلالة اليهود والنصارى.

وعظ ونصیحت کے لئے منابر اور تخت پر تشریف رکھنا تو انبیاء ومرسلین کی سنت ہے۔ مگر ریاست مال، عزت، قبولیت عامہ اور ناموری کے لئے کرنا یہود ونصاریٰ کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ہے۔

☆☆☆

اخرج ابو داؤد عن عوف بن مالك الاشجعي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايقص الا امير او مامور او مختال.

حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وعظ نہ بیان کرے مگر خلیفہ، یا وہ شخص جو وعظ گوئی پر مامور ہو۔ یا پھر وہ شخص بیان کرے گا جو متکبر اور ریاکار ہے۔

صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں

”حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ وعظ کہنا اول تو امیر یعنی حاکم کا حق ہے کیونکہ وہ رعیت پر سب سے زیادہ مہربان ہوتا ہے اور رعایا کی اصلاح کے امور کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ اگر حاکم خود وعظ نہ کہے تو علماء میں سے جو عالم تقویٰ اور تقدس میں سب سے افضل واعلیٰ ہو۔ اور دنیاوی طمع نہ رکھتا ہو وہ اسے مقرر کریگا۔ تاکہ وہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتا رہے۔ لہٰذا مامور سے مراد ایک تو وہ عالم ہوگا جس کو حاکم وقت نے رعایا کی اصلاح کیلئے مقرر کیا ہو۔ یا مامور سے مراد دوسرا وہ شخص ہے جو منجانب اللہ مخلوق کی ہدایت کیلئے اور اصلاح کیلئے مامور کیا گیا ہو۔ جیسے علماء اور اولیاء اللہ جو لوگوں کے سامنے وعظ بیان کیا کرتے ہیں۔ اور مخلوق خدا کی اصلاح وہدایت میں لگے رہتے ہیں۔ اس حدیث سے ایسے لوگوں پر زجر وتوبیخ مقصود ہے جو طلب جاہ اور دولت کی خاطر وعظ بیان کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ علمی حیثیت سے اس عظیم منصب کے اہل ہوتے ہیں نہ عملی طور پر وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح وتربیت کا کام کرسکیں وعظ واصلاح کا منصب تو علمائے ربانیین اور مشائخ اہل حق کا حصہ ہے اور یہی اسکے مستحق اور اہل ہیں۔ ان کے علاوہ جو وعظ بیان کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ از راہ فخر وتکبر اور حصول جاہ ومنفعت کی خاطر یہ کام کر رہا ہے۔ جو باعث عذاب خداوندی ہے“

بخاری شریف میں ہے۔ اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة یعنی جب کام نااہل کے سپرد کیا جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔

عن ابن عمرؓ لا تامر بالمعروف ولا تنه عن المنکر حتی تکون عالماً وتعلم ماتامر به، (ابن ابنجار والدیلمی) حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ نہ امر بالمعروف کرو اور نہ نہی عن المنکر کرو جب تک کہ تم عالم نہ ہو اور جس بات کو کہہ رہے ہو اس کو جانتے اور سمجھتے بھی ہو۔

وعن علی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نعم الرجل الفقیه فی الدین ان احتیج الیه نفع وان استغنی عنه اغنی نفسه (مشکوۃ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بہترین فقیہ وہ ہے کہ جب لوگ اس کی ضرورت محسوس کریں تو وہ انہیں نفع پہنچائے اور جب اس سے ہٹنے کی کوشش کریں تو وہ خود ہٹ جائے۔

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ **"الفتح الربانی"**/۳۳۸ پر فرماتے ہیں۔

ویحک کن عاقلا لا تراهم القوم بجهلک بعد ما احرجت من الکتاب صعدت المنبر تتکلم علی الناس هذا امر یحتاج الی احکام الظاهر واحکام الباطن ثم الغنی عن الکل.

افسوس ہے تجھ پر، سمجھدار بن، اپنی جہالت لے کر حکمائے امت واعظین کی صف میں مت آ تو مدرسے سے نکلتے ہی منبر پر چڑھ بیٹھا۔ اور لگا لوگوں کو وعظ کہنے۔ اس وعظ گوئی کے لئے اول ضرورت ہے ظاہر و باطنی مضبوطی کی کہ اعمال وعقائد دونوں موافق شرع ہوں۔ اس کے بعد ضرورت ہے سب سے مستغنی ہونے کی۔

پھر/۳۷۸ پر فرماتے ہیں

اعمیٰ کیف تداوی الناس احرس کیف تعلم الناس جاهل کیف تقیم الدین من لیس بحاجب کیف یقیم الناس الی باب الملک.

تو خود اندھا ہے۔ لوگوں کی آنکھوں کا علا کیونکر کریگا تو گونگا ہے پھر لوگوں کو کس طر تعلیم دے گا تو جاہل ہے پھر دین کو کس طر درست کر سکے گا جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کر سکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ علیہ کتاب تبلیغی جماعت عمومی اعتراضات کے جوابات/۴۵ پر فرماتے ہیں:

"وعظ درحقیقت عالموں کا کام ہے۔ جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ اس کے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے۔

پھر بحوالہ **بهجة النفوس**/۵۰ پر فرماتے ہیں

"عام لوگوں کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہئے کہ یہ منصب اہل علم کا ہے۔ جاہل جب وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے اس لئے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہئے بلکہ گفت وشنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو احکام سے مطلع کرنا چاہئے"۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کتاب دینی دعوت کے قرآ اصول/۳۱ پر فرماتے ہیں.

"دعوتی پروگرام کے سلسلہ میں داعی اور مبلغ کا مقصد تبلیغ کے حق میں عالم اور باخبر ہونا ضروری ٹھہرتا ہے محض لسانی اور بولتا ہونا کافی نہیں جاہل محض اور شرعی ذوق سے بے بہرہ حقیقی داعی یا منصب دعوت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اور خواہ مخواہ

بن بیٹھا تو لوگوں کے لئے گمراہی کا سبب اور خطرہ ایمان بنے گا۔ جیسے نیم حکیم خطرہ جان ہوتا ہے اور پھر اس کی روک تھام یا مشکل ہوگی یہ فتنہ کا سبب بن جائے گی۔ جیسا کہ آج اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ بہت سے لسان مگر جاہل واعظ تبلیغی اسٹیجوں پر اچھلتے کودتے نظر آتے ہیں۔ جو اپنے ذہنی تخیلات کو بہ رنگ شریعت پیش کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جس سے عوام میں دھڑے بندیاں قائم ہو رہی ہیں۔ اور امت کا کلمہ بجائے متحد ہونے کے زیدہ سے زیدہ منتشر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس سے امت اجتماعی لحاظ سے کمزور اور بے وقار ہوتی جا رہی ہے۔ جو تبلیغ کے حق میں قلب موضوع ہے محض اس لئے کہ اس قسم کی تبلیغ صحیح عالم اور صحیح علم سے محروم ہوتی ہے۔ اس لئے دعوتی پروگرام کی اساس دینیہ علم الٰہی کے سوا دوسری چیز نہیں ہو سکتی جو تشریعیت کا پہلا مقام ہے۔

اور وعظ "الھدی والمغفرة" میں حضرت مولانا تھانوی فرماتے ہیں

غیر عالم کبھی وعظ نہ کہے۔ اس میں چند مفاسد ہیں۔ ایک تو اس میں حدیث کی مخالفت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے کہ ہر کام کو اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعة** (بخاری) کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو۔ گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کی علامات سے ہے اور یہ امر مصرح اور ثابت ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں۔ یہ منصب علمائے کاملین کا ہے اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔ رح اس کے بعد دوسرے مفاسد ذکر فرمائے ہیں۔ وعظ مذکور میں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

تبلیغ امر مطلق ہے

ان تصریحات علماء سے ظاہر ہوا کہ مبلغ کے لئے تو کچھ قیود و شرائط ہیں کہ علم و فہم ہو قدرت ہو۔ عمل ہو للٰہیت ہو وغیرہ۔ مگر تبلیغ کی کوئی خاص صورت منجانب شارع متعین نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ حرام اور مکروہ لعینہ یا لغیرہ نہ ہو۔

امر بالمعروف بھی ہے۔ اور نہی عن المنکر بھی، ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی، وعدہ بھی ہے۔ اور وعید بھی بشارت بھی اور انذار و تخویف بھی تحسین حسن بھی ہے اور تقبیح قبح بھی۔ رفق و لینت بھی ہے اور سختی بھی، زبان سے بھی ہے اور ہاتھ سے بھی اور قلب سے بھی، محبت و مودت سے بھی ہے اور نفرت و ہجرت سے بھی، صلح سے بھی ہے اور جنگ سے بھی۔ زبانی بھی ہے اور تحریری بھی۔ تذکیراً و موعظةً بھی ہے اور تعلیماً و تدریساً بھی، انفراداً بھی ہے اور اجتماعاً بھی، مباحثہ و مناظرہ سے بھی ہے اور ہدایت و ارشاد سے بھی۔ ایک جگہ رہ اور جم کر بھی ہے اور سفر اور خروج سے بھی۔ جیسا کہ ماہرین اخبار و سیر سے مخفی نہیں۔ اور مکمل شریعت کی تبلیغ ہے کسی خاص جز کی نہیں۔

جب، جہاں، جس چیز کی اور جو صورت مناسب اور مفید اور جائز صورت ہو اختیار کی جائے گی۔ یہ سب طریقے اور ذرائع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت ہیں۔ اور اصحاب متقدمین، صحابہ و تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، محدثین تمام سلف صالحین کا اسی پر برابر عمل رہا اور آج تک چلا آ رہا ہے۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاعتصام" ۱/۱۸۷ پر فرماتے ہیں۔

الامر بتبلیغ الشریعة وذلک	تبلیغ شریعت کا حکم (مطلق) ہے اور اس میں
لاخلاف فیہ لقولہ تعالیٰ یا	کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بوجہ اللہ تعالیٰ کے
ایھا الرسول بلغ ما انزل	قول کے کہ اے رسول جو آپ پر آپکے رب کی

اليک من ربک وامته مثله وفي الحديث ليبلغ الشاهد منكم الغائب والتبليغ كما لا يتقيد بكيفية معلومة لانه من قبيل المعقول المعنىٰ فيصح باى شئ امكن من الحفظ والتلقين والكتابة وغيرها كذلک لايتقيد حفظه عن التحريف والزيغ بكيفية دون اخرىٰ.

طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کو پورا کا پورا پہنچا دیجئے۔ اور آپ کی امت بھی مثل آپ کے مامور ہے حدیث میں ہے کہ چاہئے کہ تم میں سے جو حاضر ہیں وہ غائب کو پہنچا دیں۔ اور تبلیغ جیسا کہ کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معقول المعنیٰ کے قبیل سے ہے۔ لہٰذا بصورت تلقین زبانی، تحریری، وغیرہ وغیرہ جس چیز سے بھی ممکن ہو صحیح ہے۔ ایسے ہی شریعت کی تحریف اور زیغ سے حفاظت بھی کسی صورت اور کیفیت سے مقید نہیں ہے۔

تو جب تبلیغ کا امر مطلق اور عام ہے۔ تو حسب قواعد شرعیہ مذکورۃ السابق تبلیغ کسی خاص طریقہ، کیفیت اور ہیئت سے مقید، محدود، متعین اور مخصوص اپنی رائے سے کرنا شرع محمدی کا حلیہ بگاڑ دینا ہے۔ اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے۔ یہی تغییر شرع، تعدی حدود اللہ، احداث فی الدین اور بدعت وضلالت ہے۔

اس روشنی میں غور فرمایئے تو واضح ہوگا کہ

تبلیغ مروجہ تعینات زائدہ اور ہیئات مخصوصہ ومنکرہ سے متعین ومخصوص اور مقید ومحدود ہے۔

چنانچہ تبلیغ مروجہ خروج، چلہ، گشت، تشکیل، امور ستہ، ترک اکثر معروف ترک نہی عن المنکر برأسہ، دعا بالجہر وبالاجتماع، قیام و بیداری شب جمعہ در مسجد، بوقت

مخصوص اجتماعی تلاوت یسین شریف، تقدیم ونصب الجہال علی منصب العلماء امارت نااہل وفساق، تنقیص وتحقیر وتقصیر علماء ومشائخ، وخانقاہ ومدارس، مداہنت فی الدین جمعہ فی القریٰ، شرکت مجالس مولود۔ وغیرہ

پھر اس پر اصرار وتاکد، التزام مالا یلزم، تداعی واہتمام وغیرہ سے مقید ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب "تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات کے جوابات" کے صفحہ ۲۱۴ پر بحوالہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا ہے کہ

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہاں تبلیغ سے مراد ایک خاص نظام عمل ہے یعنی ایک خاص قسم کے دینی اور دعوتی ماحول میں خاص اصولوں کے ساتھ کچھ خاص اعمال واشغال کی پابندی کرتے ہوئے خاص پروگرام کے مطابق زندگی گذارنا۔

چند سطروں کے بعد اس عمل خاص کے لئے تداعی واہتمام کی طرف یوں اشارہ کیا کہ الغرض یہاں تبلیغ سے مراد یہی خاص عملی پروگرام ہے۔ اور اس لئے ہر مسلمان کو خواہ اس کے علم وعمل میں کتنی ہی کمی ہو اس کی دعوت دیجاتی ہے بلکہ جہاں تک بس چلتا ہے کھینچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اور کتاب مذکور کے صفحہ ۲۴۴ پر خود حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ

تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں۔ ان ہی کی مشق کرائی جاتی ہے اور انہیں کو پیام کے طور پر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے۔ ان کے اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں،

نیز صفحہ ۴۶ پر مزید یہ کہ

"عالم کا وعظ کہنا حق ہے۔ مگر تبلیغی اسفار میں اور تبلیغی اجتماعات میں وہ بھی اس کے پابند ہیں کہ تبلیغ کے چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیزیں نہ چھیڑیں"۔

اور کتاب "کیا تبلیغی کام ضروری ہے" کے حصہ دوم صفحہ ۱۵۱ پر حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"جہاں تک اس کے خاص ذمہ دار بزرگوں کا تعلق ہے جن کو تحریک کا روح رواں کہا جا سکتا ہے۔ سو ان کا حال تو یہ ہے کہ اپنی اس دعوت کے سوا اور اس کے لئے دیوانہ وار جدوجہد کے سوا وہ کسی دوسرے اجتماعی کام سے خواہ وہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی ہو کوئی تعلق اور دلچسپی نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ کہنا انشاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کے دل ودماغ میں کوئی چھوٹی جگہ بھی کسی دوسرے اجتماعی کام اور دوسری کسی تحریک کیلئے خالی نہ ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ ان بیچاروں کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ وہ کبھی بھی ان کے لاشریک عشق وجنون کا اندازہ نہیں کر سکتے" اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ خاص نظم عمل، خاص اعمال واشغال کی پابندی، خاص پروگرام کے مطابق زندگی گذارنا۔ لاشریک عشق وجنوں مروجہ ہیئت ترکیبی مجموعی کے ساتھ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی نہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں۔ نہ تابعین نہ تبع تابعین سلف صالحین کے زمانہ میں۔ بلکہ یہ اس چودھویں صدی کی ایجاد ہے"۔

پس اس ہیئت مخصوصہ مقیدہ کے التزام واصرار، پابندی وتاکد عموماً علماً خصوصاً عملاً وایہام وجوب ومفضی الی فساد وعقیدۃ العوام اور تداعی واہتمام کی بناء پر تبلیغ مروجہ

کے بدعت وضلالت ہونے اور انضمام مکروہات کی وجہ سے محروم ومکروہ ہونے غرض مجموعہ بہ ہیئت کذائیہ کے ممنوع ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ اور اس کے محدث ومخصوص عمل ہونے ہی کی بناء پر بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی طرف اس طریقہ تبلیغ کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اور مولانا ہی کو بانی تبلیغ کہا اور لکھا جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس متعین ومخصوص تبلیغ کو منسوب بھی کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ شریعت محمدی میں اس مخصوص ومتعین تبلیغ کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

ایک طالب نے جو مدرسہ میں تعلیمی خدمت انجام دے رہے تھے۔ مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں لکھا کہ طبیعت چاہتی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تبلیغی جماعت میں شریک ہو کر کلمہ ونماز کی لوگوں میں تحریک کروں۔ اگر میرے لئے بہتر ہو تو اجازت فرما دیں۔

حضرت مولاناؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ۔

"آپ جو پڑھا رہے ہیں۔ کیا یہ تبلیغ نہیں ہے۔ اور ہر عالم کو اختیار ہے تبلیغ کا۔ کسی کی طرف منسوب کرنے کے کیا معنی؟! اگر منسوب ہی کرنا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیجئے"۔

(یہ خط معرفت حق شمارہ ۳ جلد ۸- مجریہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ مطابق مارچ ۷۱ء میں شائع ہوا ہے)

اور یہی وجہ ہے کہ اس مخصوص طریقہ تبلیغ کے آداب وقواعد اور احکام ومسائل معلوم کرنا ہوں تو علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین رہنمائی کرنے سے مجبور وقاصر رہیں گے اور نہ ہی شامی وعالمگیری، کنز وہدایہ اور فتاویٰ قاضی خان وغیرہ میں مل سکیں گے۔ اور اگر اس سلسلے میں کسی کو کچھ پوچھ گچھ شکوہ وشکایت کرنا ہو تو پھر وہ مرکز بستی

نظام الدین دہلی سے پوچھ سکتا ہے۔ اور اس مخصوص کام کے جو چند ذمہ دار ہیں۔ انہیں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے اور جواب میں حضرت جی اول، حضرت جی ثانی، حضرت جی ثالث کی ہدایات اور مسلک کا حوالہ دے کر اور کام کرنے والوں کو ذاتی طور پر ذمہ دار قرار دے کر چھٹکارا حاصل کر لیا جائے گا اور اس کو مشروع و مسنون سمجھ کر سوال کرنے والا مایوسی کا شکار ہوگا۔ گویا سائل بجائے شرعی حکم کے ان مذکورہ ذمہ داروں کے مسلک کے معلوم کرنے کا منتظر تھا۔

الحاصل جس اعتبار سے دیکھو یہ مروجہ تبلیغ مقید و محدود اور متعین و مخصوص تعینات و تخصیصات زائد و محدثہ ثابت ہوگی۔ حضرت شارع علیہ السلام سے لے کر ضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک درمیان میں شرع محمدی میں اس ہیئت ذائی مجموعی کا پتہ نشان نہ ملے گا۔

جناب مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کتاب "کیا تبلیغی کام ضروری ہے" کے حصہ دوم مکاتیب بہ سلسلہ تبلیغ کے/۱۱۶، استفتاء نمبر ۷ مکتوب نمبر ۱۹ میں ایک کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

> "عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ "اعمال صالحہ" کی تحصیل فرض ہے اور حسب حیثیت ان کی تبلیغ و اشاعت بھی لازم ہے۔ مگر تحصیل و تبلیغ کی کوئی معین و مشخص صورت علی الاطلاق لازم نہیں کہ سب کو اس کا مکلف قرار دیا جائے۔ مدارس، خوانق، انجمنوں، کتابوں، رسالوں، اخباروں، مواعظ مذاکرات، تقاریر، مجالس تعلیمات، توجہات اور ان کے علاوہ جو صورتیں مفید و معین ہوں ان کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جب تک ان میں کوئی قبح و مفسدہ نہ ہو۔ مختلف استعداد رکھنے والوں کیلئے کوئی خاص صورت اسہل و انفع ہو اس کا انکار بھی مکابرہ ہے اور اس

> خاص صورت کو سب کیلئے لازم کر دینا بھی تضییق و تحجیر ہے۔ اگر کسی فرد یا جماعت کیلئے اسباب خاصہ کی بناء پر دیگر طرق مسدود ہوں یا متعذر ہوں اور کوئی ایک ہی طریقہ متعین ہو تو ظاہر ہے۔ کہ اس واجب کی ادائیگی کیلئے اسی طریق کو مشخص تصور کیا جائیگا۔ واجب مخیّر کی ادائیگی اگر ایک ہی صورت میں منحصر ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اسی صورت کو لازم کہا جائیگا اور تخییر میں تحجیر ہوگی۔
>
> مثلاً کفارہ یمین میں اشیائے ثلثہ "تحریر رقبہ" "اطعام عشرۃ مساکین" اور "کسوتہم" میں تخییر ہے۔ لیکن اگر کسی پر ان میں دو کا راستہ مسدود ہو تو ایک کی تعیین خود بخود لازم ہو جائیگی۔ اور جیسے اضحیہ میں اشیائے ثلثہ شاۃ "بقر" "ابل" میں تخییر ہے۔ مگر دو کے مفقود ہونے سے ایک کی تعیین خود بخود ہو جائے گی"۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ تبلیغ مروجہ کی مثال واجب مخیّر سے دے رہے ہیں۔ مگر اس فرق کا لحاظ نہیں فرما رہے ہیں جو تبلیغ اور واجب مخیّر کے مابین ہے۔ کیونکہ تبلیغ واجب مخیّر کے مثل نہیں ہے بلکہ امر مطلق ہے۔

واجب مخیّر میں تو قید مطلوب ہوتی ہے۔ بدون قید اس کا وجود ہی متعذر ہے۔ البتہ اطلاق وقت میں ہے۔ یعنی مطلق عن الوقت ہے۔ اور وہ قید مطلوب اس صورت میں ہے جب کہ دوسرے راستے مسدود اور مفقود ہوں۔ جیسا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ خود ہی اعتراف فرما رہے ہیں "یعنی اگر ان میں دو کا راستہ مسدود ہو تو ایک کی تعیین خود بخود لازم ہو جائے گی"۔ اور "مگر دو کے مفقود ہونے سے ایک کی تعیین خود بخود ہو جائے گی"۔

مسلم الثبوت میں ہے کہ

ایجاب امر من امور معلومۃ صحیح وھو واجب المخیر

کخصال الکفارہ.

یعنی چند متعین امور میں سے ایک امر کو واجب کرنا صحیح ہے۔ اور یہی واجب مخیّر کہلاتا ہے جیسے کفارہ کے خصال۔

نورالانوار میں ہے کہ:

الحانث فی الیمین یتخیر فی کفارتھا بین ثلٰثۃ اشیاء اطعام عشرۃ مساکین او کسوتھم او تحریر رقبۃ فان عین واحدا منھا باللسان او بالقلب لا یتعین عنداللّٰہ مالم یودہ فاذا ادّٰی صار متعیا وان ادّٰی غیر ما عینہ اولاً یکون موؔدّیا کما انہ عین ان یطعم عشرۃ مساکین ثم بدالہ ان یحرر رقبۃً فھذا التحریر یکون اداءً وھٰذا بناءً علیٰ ان الواجب فی الواجب المخیر احداً لامور کما ھو مقتضیٰ کلمۃ اَوْ.

یعنی حانث فی الیمین کو اپنے کفارہ میں تین چیزوں کے درمیان اختیار ہوتا ہے۔ اطعام عشرۃ مساکین اوکسوتھم اور تحریر رقبہ۔ تو اگر زبان یا قلب سے ان میں سے کسی ایک کو متعین کر لیا تو عنداللہ وہ متعین نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو ادا نہ کرے۔ پس جب ادا کر لیا تو وہی متعین ہو جاتا ہے۔ اور اگر اول کسی کو زبان یا قلب سے متعین کیا پھر اس کو چھوڑ کر دوسرے کو ادا کیا تو وہ مؤدّی سمجھا جائے گا۔ جیسے متعین کیا کہ دس مساکین کو کھانا کھلائے گا پھر مناسب سمجھا کہ رقبہ کو آزاد کرے تو یہ آزاد کرنا ہی ادا قرار پائے گا۔ اور یہ اس بنا پر ہے کہ احد الامور ہی واجب ہوتا ہے جیسا کہ کلمہ اَوْ کا تقاضا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب ایک ہی متعین طور پر واجب ہوگا تو بقیہ دو کی ضرورت ہی

نہ رہ جائے گی۔ چنانچہ حضرات فقہاء ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کل کو ادا کرے گا تو ایک ہی واجب کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر کل کو ترک کرے گا تو ایک ہی کے عقاب کا مستحق ہوگا۔

کفارہ ایک جنس ہے۔ اس کی تین انواع ہیں۔ کفارہ باطعام، کفارہ تحریر رقبہ کفارہ بکسوت، پس اطعامیت، کسوتیت اور تحریریت فصول ہیں۔ اور جنس کا وجود بدوں فصول ممکن نہیں۔ فصل اس سے منفک نہیں ہوتی۔ کیونکہ فصول ذاتیات میں داخل ہیں۔ لہٰذا کفارہ جب واقع ہوگا شارع ہی کی متعین کردہ قید و وصف کے ساتھ واقع ہوگا۔ البتہ بتقاضائے کلمہ حد القیود والاوصاف کے ساتھ ہوگا۔ اور وہ قید خاصۃ مامور بہ اور واجب بن جائے گی۔ اور اس کے عوارض میں اگر کچھ نقصان ہوگا تو اس نقصان کا ترک لازم ہوگا۔ اس فرد ہی کو ترک نہ کیا جائے گا۔

ھٰکذا حکم الاضحیۃ کہ "شاتیت" "بقریت" "ابلیت" جنس اضحیہ کی فصول ہیں۔ اضحیہ کی کوئی نوع بغیر فصل کے وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ فصول و قیود مامور بہ واجب اور عندالشرع مطلوب ہیں۔

رہا امر مطلق تو جیسا کہ سابقاً ذکر کیا جا چکا ہے کہ **المطلق ھو المعترض للذات دون الصفات لا بالنفی ولا بالاثبات.**

لیکن چونکہ مطلق کا وجود خارج میں بدوں اپنے کسی فرد کے محال ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں۔ "**لا وجود للمطلق الا فی ضمن الجزئی**" اس لئے واجب مخیّر اور مطلق دونوں بادی النظر میں یکساں معلوم ہوتے ہیں حالانکہ دونوں کے مابین فی الحقیقت فرق بین ہے۔

اگر غور کیا جائے تو فرق واضح ہے کہ امر مطلق مثلاً تبلیغ جدا شئے ہے۔ اس مروجہ تبلیغ میں جو قیود لگائے گئے ہیں۔ وہ ہرگز تبلیغ کی فصل نہیں ہے۔ کہ بدوں ان کے تبلیغ کا وجود ہی نہ ہو سکے۔ بلکہ امور منضمہ ہیں۔ کہ بدوں انکے بھی تبلیغ متحقق ہو سکتی ہے۔

پس واجب مخیّر اور امر مطلق میں فرق ہے۔ کجا واجب مخیّر اور کجا امر مطلق۔ لہٰذا تبلیغ مروجہ کا قیاس واجب مخیّر پر درست نہیں۔ اور چونکہ مطلق کا وجود بدوں اپنے کسی فرد کے محال ہے۔ تو وہ ضرور کسی نہ کسی وصف اور قید سے موصوف اور مقید ہو کر موجود ہوگا۔ اور وہ امر منضم ہوگا۔ تو دیکھا جائے گا کہ وہ امر منضم باصلہ مباح ہے یا مکروہ۔ اگر مباح ہے، تو جب تک کہ وہ اپنے حد پر رہے گا۔ کوئی قبح یا مفسدہ اس میں نہ پیدا ہوگا۔ جائز ہوگا۔ جیسا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ خود فرما رہے ہیں۔ اور اگر وہ اپنی حد سے خارج ہو جائے گا تو ناجائز ہو جائے گا۔

اور اگر وہ امر منضم عینہ یا بغیرہ مکروہ و ناجائز ہوگا تو حسب قاعدۂ کلیہ فقہیہ مشہورہ **اذا جتمع الحلال والحرام غلب الحرام** وہ مرکب مجموعہ حرام و ناجائز جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ واجب مخیّر کا حکم اور ہے۔ اور مطلق کا حکم اور۔ پس کفارہ واضحیہ کا حکم اور ہے اور تبلیغ کا حکم اور۔ اور حضرت مفتی صاحب قبلہ نے تبلیغ مروجہ کو خواہ مخواہ واجب مخیّر یا مدرسہ وغیرہ پر جیسا کہ مکتوبات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ قیاس فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ تبلیغ مروجہ متعینہ کے جواز و عدم جواز کا حکم کسی مقید و متعین بقیود و تعینات زائدہ وغیر زائدہ پر قیاس کر کے تھوڑا ہی ہے۔ بلکہ قانون فقہی کلی شرعی کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ تبلیغ شریعت مقدسہ کا ایک مطلق حکم ہے۔ لہٰذا اس میں بدوں اجازت شرع اپنی رائے سے کوئی قید و تخصیص، فعلی ہو یا ترکی، بدعت

ہوگی۔ خواہ ان قیود و تخصیصات کو واجب اعتقاد کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مؤلف انوار ساطعہ نے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں سورۂ اخلاص کی تخصیص پر قیاس کر کے ایصال ثواب وغیرہ میں تخصیصات کا جائز ہونا بیان کیا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے براہین قاطعہ ۱۱۵ پر ارشاد فرمایا کہ:

> ”مقید کرنا کسی مطلق کا شرعاً بدعت اور مکروہ ہے جیسا کہ فقہا نے اس قاعدہ کے سبب لکھا ہے کہ کسی نماز میں کسی صورت کو موقت نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو مکروہ و بدعت ہوگا۔ پس جب صلوۃ میں حسب اس قاعدہ کے تعیین سورت مکروہ ہوا۔ ایصال ثواب میں بھی حسب اس قاعدہ کلیہ کے تعیین وقت اور ہیئت کی بدعت ہوگی۔ خلاصہ دلیل مانعین بدعت کا یہ تھا جس کو مولف نے اپنے حوصلہ کے موافق نقل کیا۔ اب چونکہ مولف نے اس مسئلہ تعیین سورت میں اپنے حوصلہ علم کو ظاہر کیا ہے۔ تو اس کو سنو ہدایہ میں لکھا ہے ”**ویکرہ ان یوقت بشئ من القرآن بشئ من الصلوة لان فیہ ھجران الباقی وایہام التفضیل**“ سو یہ جزئیہ ایک کلیہ کا ہے اس میں تمام عبادات عادات مطلقہ کا تقید کرنا شارع نے ممنوع کر دیا۔ ایک جزئی اس کی تعیین سورت بھی ہے۔ جیسا اوپر سے واضح ہو لیا۔ تو مولف اس جزئیہ کو مقیس علیہ اور سوئم کے مسئلہ کو مقیس بمحض رائے سمجھ گیا۔ کیا فہم ہے؟ یہ نہیں جانتا کہ جب کلی امر کا ارشاد ہوا تو اس کے جملہ جزئیات محکوم ہو گئے۔ گویا ہر ہر فرد کا نام لے دیا۔ اور جب یا ایہا الناس فرمایا تو زید، عمرو، بکر، عبدالسمیع سب کو نام بنام حکم ہو گیا۔ کسی جزئی کو مقیس نہیں کہہ سکتے۔

اسی طرح جب تقیید اطلاق کو منع فرما دیا تو سب جزئیات اس کی خواہ تعیین سورت ہو۔ خواہ تعیین روز سوم ہو۔ خواہ تعیین نخود، سب ممنوع بنص الکلی ہو گئے۔ مانعین بدعت کا کلام قیاس نہیں بلکہ جو جزئی اس کلیہ میں مشہور اور ظاہر متفق علیہ ہے۔ اس کی نظیر دے کر اور مثال سے فہمائش کر کے دوسرے جزئیہ مندرجہ اس کلیہ کو ظاہر اور الزام کرنا ہے کہ مبتدعین نے اس کا اندراج تحت ہذہ الکلیہ نہیں سمجھ تھا۔ پس قیاس کہاں ہے؟

مولف کو عقل نہیں کہ کلیہ کو اور قیاس کو امتیاز کر سکے۔ بسبب تطویل کے فرق دونوں کا یہاں نہیں لکھا۔ کتب اصول میں جو چاہے دیکھ لے پس اصل مسئلہ جزئیہ سنو! کہ نماز میں کوئی سورت مقرر نہیں سب برابر ہیں۔ (جیسا کہ تبلیغ کی کوئی صورت مقرر نہیں سب برابر ہیں) مگر جہاں شارع سے کوئی سورت بتخصیص ثابت ہوئی وہ مستحب ہے۔ جیسے کہ روز جمعہ کی نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر مثلاً، پس جو سورت کہ شارع سے ثابت ہوئی۔ اس میں امام شافعیؒ تو دوام کو مستحب جانتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ احیاناً کو مستحب اور دوام کو مکروہ فرماتے ہیں۔ کہ اس دوام میں پہلی شق میں تو مستحق مؤکد یا واجب ہو جاتا ہے۔ اور دوسری شق میں مباح مؤکد یا واجب ہو جاتا ہے تو تغییر حد شرع کی ہوئی تو مکروہ ہو گیا۔

اس کراہت میں "ہدایہ" نے دو دلیل کا اشارہ کیا ہے۔ کہ جب شرع میں سب سورت جائز ہے۔ تو ایک کے دوام میں باقی سورت کا ترک ہوگا۔ ہجران باقی قرآن کا ہوا۔ وہی تقیید مطلق ہوئی۔ اور تغیر حکم شرع کا لازم آیا۔ کہ مستحب واجب ہوا۔ یا مباح واجب ہوا۔

دوسرے یہ کہ ایک سورت کے تقرر سے عوام جانیں گے۔ کہ یہ سورت سب

سے افضل ہے یا ایہام اس بات کا ہووے گا۔ من القاری والسامع اور یہی تغیر حکم شرع کا ہے۔

"تو اس جگہ طحاوی اور اسبیجابی نے یہ کہا تھا کہ کراہت تحریمہ واجب ہے کہ اس سورت میں اعتقاد واجب کا کرے۔ اور ترک کو مکروہ جانے اور سہولت یا تبریک کے واسطے پڑھے تو مکروہ نہیں۔ بشرطیکہ کسی اور سورت کو پڑھے۔ اس سے بھی واضح ہوا کہ اعتقاد وجوب تو مکروہ تحریمہ ہی ہے۔ اور دوام بلا اعتقاد وجوب کے بھی مکروہ ہے جہلا کے واجب گمان کرنے کی وجہ سے۔ اور جو احیاناً ترک کر دیوے جس سے دوام نہ رہا۔ تو پھر کچھ حرج نہیں۔ اس صورت میں قید وجوب اعتقاد کی لغو ہو گئی۔ کیونکہ جب دوام مطلقاً مکروہ ہے۔ تو پھر قید اعتقاد سے کیا نفع نکلا۔ اسی واسطے "فتح القدیر" نے اعتراض کیا اور کہا والحق ان المداومة مطلقاً مکروہ سواء کان حتماً او لا"

پس سب علماء کا اتفاق اس پر ہوا کہ دوام بلا اعتقاد وجوب کے بھی موجب کراہت ہے۔ انتہی ہدایہ "فتح القدیر" "طحاوی" اسبیجابی وغیرهم الی

اور جب عوام کی طرف سے تفضیل کی صرف توقع اور ایہام کی بنا پر تغییر حکم شرع کا حکم علمائے محققین دے رہے ہیں۔ تو اگر تفضیل کا عقیدہ ہی عوام نہیں خواص کے اندر پیدا ہو جائے۔ اور زبان و قلم سے اس کا اعلان و اظہار ہونے لگے جیسے کہ کتاب "تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات کے جوابات" صفحہ ۵ پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کا قول مذکور ہے کہ

"میں اس مبارک کام کو اس زمانہ میں بہت اہم اور بہت ضروری سمجھ رہا ہوں اور خود اہل مدرسہ اور اہل خانقاہ ہونے کے باوجود ببانگ دہل اس کا اعلان کرتا ہوں کہ یہ عمومی اور ضروری (یعنی متعین و متشخص) کام بعض وجہ سے مدارس اور خانقاہ سے زیادہ مفید اور افضل ہے"۔

تو اب حضرت مفتی صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ یہ ارشاد کہاں تک صحیح ہے۔

ان قال الغرض **بناء علی هذه القاعدة** سوئم وغیرہ سب بدعتِ ضلالت ہوئی اور یہ ایک دلیل کراہت ان امور کی نہیں۔ بلکہ پانچ دلائل ہیں۔ کہ جن کو شارح معیہ نے بسط کیا ہے اور اوپر مذکور ہولیا۔ پس بعد اس کے سوائے مولف کے کوئی عاقل اس کو جائز نہیں کہہ سکتا۔

اور صفحہ ۱۹۲ پر فرماتے ہیں۔ اطلاق کا مقید کرنا کسی فرد میں جب عموماً منع ثابت ہوگیا تو جملہ افراد کلیات میں یہ حکم ظاہر ہوگیا۔

مثلاً جب یہ حکم ہوا کہ قیام ذکر خیر الخلائق میں مندوب ہے تو ہر ہر فرد میں ندب قیام کا ثابت ہوگیا۔ اور کوئی احمق پوچھے کہ یہ کس نص میں آیا ہے کہ وقت ولادت میں قیام مندوب ہے تو محض جہالت ہوگی۔

علیٰ ہذا جب یہ حکم ہوا کہ کسی ہمارے مطلق کو مقید مت کرو۔

تو یہ بھی حکم ہوگیا کہ حکم ندب قیام کو مقید مت کرو۔ پس ایسے موقع پر مولف کا مطالبہ نص کرنا سب اہل علم جان لیویں کہ علم ہے یا جہل۔ فرد فرد کے حکم کی تصریح تو کسی جاہل نے بھی نہ کی ہوگی۔ جب تقیید کی نہی اس میں وارد ہوچکی تو ہر ہر فرد کو نہی کہیں نصوصاً ہوتی ہے۔ معاذ اللہ

ایضاً معترض نہ ذکر اللہ سے بحث کرتا ہے نہ مطلق قیام سے کہ مطلق اس کے نزدیک مندوب ہے بلکہ ایک فرد خاص قیام کی تعظیم غیر اللہ میں کہ جس میں شرک و بدعت لازم آجائے۔ اس کو منع کرتا ہے۔ علیٰ ہذا ذکر فخر عالم پر بحث اور نہ اس کے قیام وقعود سے استفسار بلکہ ایک فرد خاص میں کلام ہے۔

مطلق میں کسی فرد کو خاص کرنا بدعت ہے خواہ ذکر اللہ تعالیٰ میں خواہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو۔ اور اگر اپنے اطلاق پر رہے تو جائز ہے۔ پس خاص ذکر ولادت پر ہی قیام کرنا لزوماً اور مجلس مولود ہی میں خصوصاً معترض تو اس کو کہتا

ہے۔ اور پہلے ثابت ہوچکا ہے۔ کہ کسی فرد مطلق کو مخصوص کرنا بدعت ہے۔ کلام خصوصیت معلومہ میں ہے کہ افراد مطلق کے علی الاطلاق سب افراد جائز۔ مگر لزوماً ایک فرد کو ایک حالت ایک وضع میں اختیار کرنے کا اعتراض ہے۔ اور اس کا جواب درکار ہے۔

اور براہین/۸۶ پر ہے کہ

شکر وجود فخر عالم کا ہم پر فرض موقت بوقت نہیں بلکہ دائمی ہے۔ پس غیر موقت مطلق کو کسی قیاس سے موقت کرنا باطل ہے۔ اول تو محل نص میں قیاس ہی لغو ہے۔ پھر وہ قیاس کہ مطلق کو مقید کرے (اور شریعت مقدسہ علی صاحبہا السلام والتحیہ کو منسوخ کرے) کیونکہ تقیید بھی نسخ ہی ہوتا ہے۔ علماً ہو یا عملاً۔ یہی وجہ ہے کہ تقیید آیت مطلق کی بخبر واحد منع ہے"۔

اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی ایک بات جو یہ فرمارہے ہیں کہ تبلیغ کی کوئی معین اور مشخص صورت علی الاطلاق لازم نہیں کہ سب کو اس کا مکلف قرار دیا جائے اور یہ کہ مختلف استعداد رکھنے والوں کیلئے کوئی خاص صورت انفع واسہل ہو ان کا انکار بھی مکابرہ ہے۔ اور اس خاص صورت کو سب کیلئے لازم کردینا بھی تضییق وتحجیر ہے۔

یہ عجیب گول مول بات ہے۔ کیا مفتی صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں۔ کہ معین ومشخص صورت علی الاطلاق سب کے لئے لازم نہیں۔ بعض کے لئے لازم ہے۔ اور بعض کے لئے لازم نہیں۔ اور یہ کہ سب کے لئے لازم کردینا تضییق وتحجیر ہے۔ اور بعض کے لئے لازم کردینا تضییق وتحجیر نہیں۔ **لان سلب الکل یفید الایجاب الجزئی** یعنی کل کا سلب ایجاب جزئی کو مفید ہے۔

تو کیا مفتی صاحب کے اس اصول کی روشنی میں اہل رسوم وبدعات کا یہ کہنا غلط

ہوگا کہ ہم نے فلاں عمل کی یہ متعین صورت اس لئے اختیار کی ہے کہ یہی فلاں قسم کی استعداد رکھنے والوں کے لئے اسہل وانفع ہے۔ کیا اہل زیغ وہوا اس کو شوشہ اور بنیاد نہیں بنا سکتے؟ تب تو بہت سی محدثات کو جائز قرار دینا پڑے گا۔ اور ''باب الفساد'' مفتوح اور امن وامان شرع مطہر کا درہم برہم ہو جائے گا۔ اور خود مفتی صاحب اور ان کے اساتذہ واکابر اس قسم کی تخصیصات وتعینات کو محدث وبدعت قرار دے چکے ہیں۔

تو کیا یہ سب اکابر مکابر ہیں۔

غالباً حضرت مفتی صاحب جہلاء کے لئے جواز کی شکل پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ کہ جہلاء کے لئے یہ متعین اور مخصوص صورت اسہل وانفع ہے۔ اور سبب خاص یعنی جہل کی وجہ سے دیگر طرق مسدود ہیں۔ اگر یہی بات ہے اور اس کا انکار مکابرہ ہے۔ تو پھر مکلفین کی تخصیص کرنی چاہئے۔ اور اعلان کرنا چاہئے کہ اہل علم کی شرکت اس میں ناجائز ہے۔ اور جو اہل علم اس میں شریک ہیں۔ ان کو شریک نہ رہنا چاہئے۔ کیونکہ یہ متعین صورت فلاں قسم کی استعداد رکھنے والوں یعنی جہلاء کے لئے جائز ہے۔ اور اہل علم کے لئے اس خاص صورت کا لزوم تفسیق وتجہیر ہے۔ جو کہ ناجائز ہے۔

حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تقریراً وتحریراً بہت ہی شدومد سے اہل علم کو دعوت شرکت دی جاتی ہے اور اکابر علماء کی اس میں شرکت کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس تبلیغ مروجہ متعینہ ومخصوصہ میں عدم شرکت کی بناء پر علماء پر ایسی تنقید وملامت کی جاتی ہے کہ عملاً نہیں اعتقاد مظنہ وجوب کا ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی کتاب ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' کے صفحہ ۳۷ پر لکھا ہے کہ:

ہمارے علماء میں اس قسم کی دوسری مثالیں بھی ہیں۔ جن میں شک وریب، تذبذب، انکار اور فرار کی ذہنیت پائی جاتی ہے۔ بعضوں میں مضحکہ خیز حد تک فرار کی ذہنیت پائی گئیں تو وہ یہ کہنے لگے کہ آج اگر ہم اس تبلیغی تحریک میں شامل ہوگئے تو ہماری بے عزتی ہوگی کیونکہ علما نے اب تک اس تحریک میں پورے طور پر حصہ نہیں لیا۔

میرے خیال میں اس قسم کی غلطی ہے جس کی قرآن نے نشاندہی کی ہے۔

واذا قیل له اتق الله اخذته العزة بالاثم.

شریعت مقدسہ نے تو بہت ہی اہتمام کے ساتھ خواص اور علماء کو مستحبات اور مندوبات کے اصرار والتزام، تاکد واہتمام کو اسی لئے مکروہ وممنوع اور ترک کو واجب قرار دیا۔ کہ جہلا اور عوام اعتقاد کرنے لگیں گے کہ یہ سنت ہے یا واجب ہے جو کہ فساد عظیم ہے چہ جائیکہ عوام اور جہلاء ہی کو تعینات وتخصیصات مستحبہ ہی نہیں مباحہ اور مکروہہ کی اجازت دیجائے۔ اور اس کے انکار کو مکابرہ قرار دیا جائے۔ فیاللعجب!

''تذکرۃ الرشید'' میں حضرت تھانوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مابین جو مکاتبات مندرج ہیں۔ ان سے اس مسئلہ پر سیر حاصل روشنی پڑتی ہے۔ ان کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے قابل دید اور بہت ہی مفید ہیں۔ مناسبت مقام کے لحاظ سے چند جواہر ریزے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت تھانوی نے حضرت گنگوہی کی خدمت میں مجلس مولود بہ ہیئت کذائیہ کی ضرورت اور جواز بیان کرتے ہوئے عوام کا مجلس وعظ میں کم آنا بلکہ کوسوں دور بھاگنا۔ اور مجالس بہ ہیئت کذائیہ کے ذریعہ پند ونصائح اور اصلاح عقائد واعمال کا بخوبی موقع ملنا، سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمیوں کا اپنے عقائد فاسدہ اور اعمال سیئہ سے تائب اور صالح ہونا۔ بہت سے روافض کا سنی ہو جانا۔ بکثرت سود خواروں اور بے

نمازیوں کا درست ہونا، دیار وامصار مشرقیہ میں غلبہ الحاد ودہریت وکثرت جہل وغفلت ہونا۔ اور اپنی مجالس کا منکرات سے خالی ہونا۔ اور موجب ازدیاد محبت ہونا۔ اور بعض طبائع کے لئے قیود وتخصیصات کا بغرض سہولت عمل مقصود ہونا۔ اور جو چیز ذریعہ تحصیل مامور بہ کا ہو، خواہ وہ محتاج الیہ ہو یا نہ ہو اسکا جائز ہونا البتہ جو امور مکروہ اور حرام مخلوط ہوگئے ہیں ان کا واجب الترک ہونا۔ بیان کر کے استفسار کیا کہ:

تقیید مطلق کی آیا مطلقاً ممنوع ہے یا جب کہ اس قید کو مرتبۂ مطلق میں سمجھا جاوے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جاوے اور اگر وہ مندوب موجب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب اور موجب قرب سمجھا جاوے۔

جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بناء علی مصلحۃ یا عادات سمجھا جاوے تو فی نفسہ اس میں قبح نہ ہوگا۔ اور اگر موڈی بہ فساد عقیدہ عوام ہو تو اس میں قبح لغیرہٖ ہوگا۔ لیکن اگر اس کا فاعل زبان سے اصلاح عوام کی بالاعلان کرتا رہے اس وقت بھی قبح رہے گا یا نہیں؟

التزام مالایلزم اعتقاد وجوب سے ممنوع ہوتا ہے۔ یا بلاناغہ اس کے استمرار سے بھی۔ گو کسی قدر ضلالت اور اہتمام کے ساتھ ہو والتزام ممنوع ہو جاتا ہے۔

مسئلہ متکلم فیہ کے اعتقادی ہونیکی کیا صورت ہے۔ بادی النظر میں تو فرعی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

سماع ذکر ولادت بہ ہیئت کذائیہ کو آپ موجب ازدیاد محبت تصور کر رہے ہیں اور بذریعہ غیر مشروع تحصیل محبت کی اجازت دے رہے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت جو امر خیر بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے۔ آپ کی محفل اگر منکر سے خالی ہے تو دیگر مجالس عالم کی تو سراسر منکر ہیں اور یہ فعل آپ کا ان کے لئے موید ہے۔ پس یہ فعل مندوب آپ کا جب مغوی خلق ہوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جائے۔

مقید بامر مباح میں اگر مباح اپنی حد سے نہ گذرے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز ہے۔ اور اگر ان دونوں امروں میں سے کوئی امر واقع ہوجائے تو ناجائز ہوگا۔ التزام مالایلزم بدوں اعتقاد وجوب بھی ممنوع ہے اگر باصرار ہو۔ اور اگر مندوب پر دوام ہو بلا اصرار وہ جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ کرے اور اگر عوام کے اعتقاد میں نقصان ڈالے تو وہ بھی مکروہ ہوگا۔ چنانچہ کتب فقہ میں سور مستحبہ کے التزام مکروہ لکھا ہے۔

اس مسئلہ کے باب عقائد میں سے ہونے کا سبب دریافت فرمایا ہے۔ غور کیجئے کہ جو امور مبتدع اور محدث ہیں ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے۔ پس یہ اعتقاد کلیات میں داخل ہے۔ اگرچہ عمل ان کا عملیات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب کلام میں ”جواز مسح خف“ ”جواز اقتداء فاسق“ ”جواز صلوٰۃ علی الفاسق“ وغیرہ بھی لکھتے ہیں۔ کیونکہ گو یہ اعمل ہیں۔ مگر اعتقاد جواز وعدم جواز اعتقادیات میں داخل ہے۔ انتہیٰ

اب چند شرعی وفقہی اصول وقوانین کا بیان کردینا اور ان اصولوں سے حضرات صحابہ وفقہاء وعلمائے معتبرین کی تفریعات کا ذکر کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ ان قوانین اور ان کے متفرعات کی روشنی میں ”مروجہ تبلیغ“ ودیگر تمام بدعات کا سمجھنا سہل ہو۔ اور بصیرت کے ساتھ تطبیق آسان ہو۔

اصول وقوانین شرعیہ

امور مشروعہ کی دو نوعیں ہیں۔ امور مشروعہ مقیدہ "امور مشروعہ مطلقہ" امور مقیدہ میں قید مطلوب شرعی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ متعینہ شارع ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی متعینہ ہیئت کے ساتھ عمل کرنے سے استمار وامتثال تحقق ہوتا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ ظہر صلوٰۃ ظہر جب ہے کہ اسی ہیئت اور قیود وحدود کے ساتھ ادا کی جائے۔ جو شارع نے متعین کی ہیں۔ مثلاً چار رکعتیں ہوں اور فلاں وقت میں ہو وغیرہ۔

کیونکہ مشہور قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے کہ "المقید یجری علی تقییدہ" یعنی مقید حکم اپنے قید ہی پر جاری ہوتا ہے۔

کما قال الشاطبی فی الاعتصام ۲/۲۷ ان الصفة عین الموصوف اذا کانت لازمة له حقیقة او اعتباراً ولو فرضنا ارتفاعها عنه لارتفاع الموصوف من حیث هو موصوف بها کارتفاع الانسان بارتفاع الناطق او الضّاحک فاذا کانت الصفة الزائدة علی المشروع علی هذه النسبة صار المجموع منهما غیر مشروع فارتفع اعتبار المشروع الاصلی.

یعنی صفت عین موصوف ہوتی ہے۔ اور قید عین مقید ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ صفت یا قید موصوف اور مقید کے لئے حقیقۃً یا اعتباراً لازم ہو۔ اور اگر صفت یا قید کا ارتفاع فرض کیا جائے تو موصوف کا ارتفاع ہو جائے۔ جیسے کہ ناطق یا ضاحک کے ارتفاع سے انسان کا ارتفاع ہو جائے گا پس جب صفت مشروع پر زائد ہوگی۔ تو مجموعہ غیر مشروع ہوگا۔ پس مشروع اصلی کا ارتفاع ہو جائے گا۔ اور امور مطلقہ میں قید فی نفسہ مطلوب شرعی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حکم مطلق ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بھی امر مطلق پر کسی بھی ہیئت اور قید کے ساتھ عمل کیا جائے گا استمار وامتثال تحقق ہو جائے گا۔

کیونکہ مشہور قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے کہ **المطلق یجری علی اطلاقه** یعنی مطلق حکم اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔

مطلق کے معنی

علماء نے مطلق کی تعریف فرمائی ہے کہ

المطلق المتعرض للذات دون الصفات لابالنفی ولا بالاثبات!

یعنی مطلق صرف ذات سے تعرض کرتا ہے۔ صفات سے نہیں نہ نفی سے اور نہ اثبات سے۔ نیز فرماتے ہیں

المراد بالمطلق الحصة الشائعة فی افراد الماهیة من غیر ملاحظة خصوص کمال او نقصان او وصف.	مطلق سے مراد افراد ماہیت میں حصہ شائعہ ہے۔ بغیر کسی خاص کمال یا نقصان یا وصف کے لحاظ کے

صاحب کشف ارشاد فرماتے ہیں

المطلق کثیراً ما یطلق فی الاصول علی مایدل علی الحقیقة من حیث هی هی والماهیة فی ذاتها لا واحدة	مطلق کا اطلاق اصول میں زیادہ تر ایسی چیز پر ہوتا ہے جو حقیقت وماہیت پر من حیث ہی ہی دلالت کرتا ہو۔ اور ماہیت اپنی ذات میں نہ واحد ہوتی ہے نہ متکثر۔ پس جو لفظ

ولامتكثرة فاللفظ الدال عليها من غير تعرض لقيد ما هوا لمطلق ومع التعرض لكثرة غير معينة هو العام ولوحدة معينة هو المعرفة ولو حدة غير معينه هو النكرة ومع التعرض لكثرة معينة الفاظ العدد فتامل.

بغیر کسی قید کے تعرض کے ماہیت پر دلالت کرے وہ مطلق ہے۔ اور اگر کثرت غیر معینہ کی قید ہو تو وہ عام ہے۔ اور وحدت معینہ کی قید ہو تو وہ معرفہ ہے۔ اور وحدت غیر معینہ کی قید ہو تو نکرہ ہے اور کثرت معینہ کی قید ہو تو الفاظ عدد ہیں۔

نیز علمائے اصول فرماتے ہیں

تعين بعض انواع المطلق او بعض افراده تخصيص ليس من التقييد من شئ فاذا اريد بالرجال قوم باعيانهم من قريش او تميم كان تخصيصاً لا تقييداً واذا اريد الرجل بصفة العلم مثلاً كان تقييداً وهذا وصف زائد على المطلق والتخصيص يعتمد العموم

یعنی مطلق کے بعض انواع یا بعض افراد کی تعیین تخصیص ہے۔ تقیید نہیں ہے۔ چنانچہ الرجال مطلق سے مراد رجال کی کوئی خاص قوم مثلاً قریش یا تمیم ہو تو یہ تخصیص ہوگی۔ تقیید نہ ہوگی۔ اور الرجل مطلق سے رجل عالم یعنی رجل مقید بصفۃ العلم مثلاً مراد ہو تو یہ تقیید ہوگی۔ اور یہ تخصیص اور تقیید مطلق وصف پر زائد ہوگی۔

اور تخصیص کا اعتماد اور ترتب عموم پر ہوتا ہے۔

لہٰذا امر مطلق میں جب تخصیص یا تقیید واقع ہوگی۔ تو وہ خصوصیت اور قید امر زائد ہوگی۔ اگر متعدد قیود وخصوصیات ہیں تو وہ امور زائدہ اور امور منضمہ کہلائیں گے۔ اب یہی امور زائدہ ومنضمہ اپنی رائے سے امر مشروع میں شامل کر کے مخصوص ومقید کی حیثیت دیدی جائے گی تو وہ امر مشروع امر مشروع نہ رہ جائے گا۔ بلکہ بدعت وضلالت ہو جائے گا۔ اور حکم شرع کی تغییر لازم آئے گی۔ جو کہ بدترین جرم ہے۔

مشہور قاعدہ فقہیہ اور متفقہ مسئلہ شرعیہ ہے کہ:

لا يتقيد المطلق بوصف او قيد من قبل الراى.

یعنی امر مطلق کو اپنی رائے سے کسی وصف اور قید سے مقید نہ کیا جائے گا۔

حاصل یہ کہ امور مقیدہ میں قیود فصول ہیں۔ اور فصل ذات اور حقیقت میں داخل ہوتی ہے۔ **کالناطق للانسان** جب جب امر متحقق ہوگا۔ اس قید کے ساتھ متحقق ہوگا۔ اور اگر وہ خاص اور شارع کی متعین کردہ قید نہ ہوگی۔ تو امر متحقق نہ ہوگا اور مطلق ماہیت ہے۔ اس لئے جس جائز قید اور وسیلہ سے ادا کیا جائے گا ادا ہو جائے گا۔ اور چونکہ ماہیت کا وجود خارجی بدوں کسی فرد کے محال ہے اس لئے امر مطلق جب جب متحقق ہوگا کوئی نہ کوئی قید تو ناگزیر ہوگی۔ لیکن کسی خاص اور متعین قید کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ وہ خاص اور متعین قید نہ ہوگی تب بھی امر مطلق متحقق ہو جائے گا۔

اب وہ امر مطلق یا واجب ہوگا۔ یا مسنون ومندوب ہوگا۔ اور اس امر مطلق میں تخصیص جو کی جائے گی۔ وہ تخصیص واجب ہوگی یا مندوب ہوگی۔ یا مباح ہوگی یا مکروہ۔ اگر مکروہ ہوگی تو یا باصلہ ہوگی۔ یا بغیرہ ہوگی۔ اور یا تو وہ تخصیص منقول ہوگی یا غیر منقول ہوگی۔ اور اگر غیر منقول ہوگی تو ترک فعل ہوگی یا عدم فعل ہوگی۔ پھر اس قید وتخصیص میں کوئی مفسدہ اور قباحت اور ضرر ہوگا یا نہ ہوگا۔ اور ضرر اور مفسدہ ہوگا تو لازم ہوگا یا متعدی ہوگا۔ اور اگر مفسدہ نہ ہوگا تو اس میں سراسر مصلحت ہی مصلحت ہوگی۔ یا

کچھ مصلحت ہوگی اور کچھ مفسدہ ہوگا۔

حکمائے امت علمائے ربانیین فقہائے عظام نے ان سب کے احکام بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔ کوئی بات تشنہ نہیں چھوڑی ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں ایک ایک مسئلہ اور اس کا حکم مع دلیل بیان کیا گیا ہے۔ نہایت غور سے ان کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں اصول اور قوانین کی روشنی میں تبلیغ کے بارے میں بھی غور کرنا چاہئے۔

(۱) اگر امر مطلق واجب ہے۔ اور اس کے اوصاف وقیود میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی ہے تو اس خرابی کی اصلاح کی جائے گی۔ اس واجب کو ترک نہ کیا جائے گا۔ بعض علماء ترک واجب کے بھی قائل ہیں۔

(۲) اگر امر مطلق مسنون ومندوب ہے۔ اور اس کے اوصاف وقیود میں کچھ مفسدہ پیدا ہوگیا تو اس امر مسنون ومندوب کو ترک کر دیا جائے گا۔

(۳) اگر امر مطلق واجب کے قیود مباحہ واجب ہیں۔ یعنی امر کے موقوف علیہ ہیں کہ بغیر ان قیود کے عمل ممکن نہیں۔ اور کوئی اور طریقہ ممکن نہیں تو وہ قید واجب ہوگی۔

(۴) اگر امر مطلق کے قیود مسنون ومندوب ہوں تو دوام مستحب اور جائز ہے۔ اصرار جائز نہیں اور دوام میں اندیشۂ فساد ہو تو دوام بھی جائز نہیں۔

(۵) اگر امر مطلق کے قیود باصلہ مباح ہوں تو وہ بھی جائز ہیں بشرطیکہ کوئی قبح ومفسدہ نہ ہو۔ یعنی اعتقاد وایہام سنیت یا وجوب نہ ہو ورنہ ناجائز اور بدعت ہوگا۔

(۶) اگر امر مطلق کی تخصیص وتقیید منقول ہے یعنی مسنون ومندوب تو بشرط مذکورہ بالا جائز ہے۔

(۷) اگر امر مطلق کی تخصیص وتقیید منقول نہ ہو اور اس کی حیثیت ترک فعل کی ہو تو تخصیص وتقیید بدعت ہے۔ اور اگر اس کی حیثیت عدم فعل کی ہو تو بہ تفصیل مذکورہ بالا تخصیص وتقیید جائز ہے۔

(۸) اگر امر مطلق کی قید باصلہ مکروہ ہو یا باصلہ مباح اور بغیرہ مکروہ ہو تو وہ امر مطلق ناجائز وممنوع ہو جاتا ہے۔

(۹) اگر امر مطلق کی قید غیر ضروری تھی۔ اس کو ضروری سمجھا یا مباح کو سنت سمجھا۔ یا سنت کو واجب سمجھا تو یہ ضرر لازم ہے اور ناجائز وبدعت ہے اور اگر خود تو قید کو اس کے مرتبہ ہی پر سمجھتا ہے لیکن دوسرے لوگ اور عوام غیر ضروری کو ضروری سمجھتے ہیں وغیرہ۔ یا اس کا اندیشہ ہے تو یہ ضرر متعدی ہے اس سے بھی وہ امر بدعت بن جاتا ہے۔ اور اس کا ترک لازم ہوتا ہے۔

(۱۰) اگر امر مطلق کی قید میں سراسر مصلحت ہی مصلحت ہے کچھ مفسدہ نہیں ہے تو جائز ہے۔ اور اگر کچھ مصلحت اور کچھ مفسدہ تو ناجائز ہو جائے گا۔

حضرت مولانا تھانویؒ مکتوب محبوب القلوب میں فرماتے ہیں۔

(۱) اصول شرعیہ میں سے نیز قواعد عقلیہ میں یہ امر مسلم ہے کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ۔ یعنی نصوص شرعیہ میں نہ اس کے کرنے کی ترغیب ہو اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ہو۔ ایسا امر مباح ہوتا ہے۔ ہر چند مباح اپنی ذات میں نہ طاعت ہے نہ معصیت مگر عوارض خارجیہ کے اعتبار سے ممکن ہے کبھی وہ طاعت بن جائے جب کہ طاعت کا ذریعہ ہو۔ مثلاً مسجد کی طرف چلنا، وعظ کیلئے

عیادت مریض کیلئے چلنا وغیرہ۔ اور کبھی معصیت ہو جائے جب کہ معصیت کا ذریعہ ہو۔ مثلاً سفر کرنا ناچ دیکھنے کیلئے، شراب خواری کیلئے چلنا وغیرہ۔

(۲) مضرت ومفسدہ دو قسم کا ہے۔ لازمی، متعدی، لازمی وہ ہے جس سے خود فاعل کو ضرر پہنچے۔ متعدی وہ ہے جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے۔ جس طرح فعل مباح بوجہ لزوم ضرر لازمی واجب المنع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بوجہ ترتب ضرر متعدی کے بھی ممنوع ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر بہت ظاہر ہے۔

(۳) بعض افعال مباحہ تو ایسے ہوتے ہیں جن میں سرتاسر مصلحت ہی مصلحت ہے اس کے مستحسن ہونے میں سب کا اتفاق ہے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سرتاپا مفسدہ ہی مفسدہ ہے اس کے ممنوع ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

بعض ایسے ہوتے ہیں کہ کچھ مصلحت اور کچھ مفسدہ ہے کسی کی نظر مصلحت پر ہوتی ہے۔ اور مفسدہ کی طرف یا تو التفات نہیں یا اس کو قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتا۔ یا اس میں کچھ تاویل کی گنجائش سمجھ لیتا ہے۔ لہٰذا اس کو جائز اور مستحسن کہتا ہے۔

اور کسی کی نظر مفسدہ پر ہوتی ہے۔ خواہ مفسدہ لازم ہو یا متعدی۔ ایسا شخص اس کو ممنوع ٹھہراتا ہے۔ خواہ مصلحت پر نظر ہی نہ ہو یا ہو۔ کیونکہ قاعدہ مقررہ ہے کہ جب حلت اور حرمت کے اسباب کسی شے میں جمع ہوتے ہیں وہاں حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۴) اگر کسی واجب مامور بہ میں کوئی مفسدہ ہو تو وہاں مفسدہ کی اصلاح کی جائیگی۔

(۵) مباح میں جب اصلاح دشوار ہو نفس فعل کا ترک کر دینا لازم ہوتا ہے۔ بلکہ مباح تو کیا چیز ہے اگر سنت زائدہ میں ایسے مفاسد کا احتمال قوی ہو تو اس کا ترک مطلوب ہوتا ہے۔

(۶) جو تخصیص منقول نہ ہو وہ منہی عنہ ہے۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ تخصیص غیر منقول دین کے اندر جائز نہیں۔

(انتہیٰ ملخصاً)

ثبوت المطلق لایستلزم ثبوت المقید

تبلیغ مطلق کے ثبوت سے تبلیغ مقید کا ثبوت نہیں ہوتا

جیسے مطلق صلوٰۃ سے مقید صلوٰۃ مطلق صوم سے مقید صوم کا ثبوت نہیں ہوتا۔ وغیرہ ویسے ہی مطلق تبلیغ کے ثبوت سے مقید تبلیغ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

اہل بدعت کی بہت بڑی اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ احکام عامہ مطلقہ سے امور خاصہ مقیدہ ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ احکام عامہ مطلقہ سے امور خاصہ مقیدہ کا اثبات ہرگز صحیح نہیں ہے۔ تاوقتیکہ امور مقیدہ ومخصوصہ کی تخصیص وتقیید کے لئے کوئی خاص اور مستقل دلیل نہ ہو۔ شرع شریف کے کسی مطلق حکم کو اپنی رائے سے مقید اور خاص کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ مطلق کو مقید عام کو خاص اپنی رائے سے بدوں دلیل شرعی کر لینا احداث فی الدین، بدعت وضلالت اور منصب تشریع پر دست اندازی ہے۔

امام شاطبی فرماتے ہیں

فاذا ثبت مطلق الصلوٰۃ لایلزم	جب مطلق صلوٰۃ ثابت ہو تو اس سے ظہر اور
منه اثبات الظهر والعصر والوتر	عصر اور وتر وغیرہ نمازوں کا ثبوت لازم نہیں
وغیرها حتی ینص علیها علی	جب تک کہ خاص طور پر ان پر نص نہ وارد ہو
الخصوص وکذلک اذا	

ثبت مطلق الصيام لايلزم منه اثبات صوم رمضان او عاشوراء اوشعبان او غير ذلك حتى يثبت بالتفصيل بدليل صحيح. (الاعتصام ۱/۲۲۹)

اسی طرح جب مطلق صیام ثابت ہو تو اس سے صوم رمضان یا صوم عاشوراء یا صوم شعبان وغیرہ کا ثبوت نہ ہوگا۔ جب تک کہ دلیل صحیح سے بالتفصیل یعنی ہر ایک کیلئے ثبوت نہ ہو۔

اور جلد ۱/ ۳۲۵ پر فرماتے ہیں:

التقيدات في المطلقات التي لم يثبت بدليل الشرع، تقييدها رأى في التشريع

ان مطلقات کو مقید کرنا جن کی تقیید دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔

اور جلد ۲/ ۱۱ پر فرماتے ہیں

ومن البدع الاضافية التي تقرب من الحقيقة ان يكون اصل العبادة مشروعاً الا انها تخرج عن اصل شرعيتها بغير دليل توهماً انها باقية على اصلها تحت مقتضى الدليل وذلك بان يقيد اطلاقها بالرأى او يطلق تقييدها وبالجملة فتخرج عن حدها الذى حُدّلها.

اور ان اضافی بدعتوں میں سے جو بدعات حقیقیہ کے قریب ہیں یہ ہے کہ اصل عبادت تو مشروع ہو مگر وہ اپنی اصلی شریعت سے بوجہ دلیل نہ ہونے کے خارج ہو جائیں۔ اور وہم وزعم یہ ہو کہ وہ اپنی اصل پر باقی ہیں اور مقتضائے دلیل کے تحت ہی ہیں۔ وہ یوں کہ بدوں دلیل شرعی محض رائے سے اطلاق کی تقیید اور تقیید کا اطلاق کر دیا جائے حاصل یہ کہ وہ عمل اپنے اس حد سے خارج ہو جائے گا جو حد کہ اس کیلئے مقرر کر دی گئی تھی۔ (اور تعدی حدود اللہ متحقق ہو جائیگی)

اور صفحہ ۳۷/ ۱ پر فرماتے ہیں

والثانى:— ان يطلب تركه وينهى عنه لكونه مخالفة لظاهر التشريع من جهة ضرب الحدود وتعيين الكيفيات والتزام الهيئات المعينة او الازمنة المعينة مع الدوام ونحو ذلك وهذا هو الابتداع والبدعة.

اور دوسرے قسم کے وہ اعمال ہیں جن کا ترک مطلوب ہے اور اس سے نہی کی گئی ہے۔ بوجہ ظاہر تشریع کی مخالفت کے یعنی حدود سے محدود کرنا۔ اور کیفیات کی تعیین کرنا اور ہیئات معینہ اور ازمنہ معینہ کا التزام دوام واصرار کے ساتھ کرنا وغیرہ۔ اسی کا نام ابتداع اور بدعت ہے۔

صفحہ ۳۹/ ۱ پر تمثیلاً فرماتے ہیں

وضع الحدود كالنذر للصيام قائماً لايقعد، ضاحياً لايستظل، والاختصاص فى الانقطاع للعبادة، والاقتصار من المأكل والملبس على صنف دون صنف من غير علة، والتزام الكيفيات المعينة والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد واتخاذ يوم ولادة النبي صلى الله عليه وسلم عيداً وما اشبه ذلك والتزام العبادات المعينه فى اوقات معينه لم يوجد لها ذلك التعيين فى الشريعة كالتزام صيام يوم النصف من شعبان وقيام ليلته.

وضع حدود مثلاً نذر رے کہ میں روزہ بحالت قیام رکھوں گا بیٹھوں گا نہیں۔ دھوپ میں رکھوں گا۔ سایہ میں نہیں۔ اور عبادت کے لئے خلوت کو خاص کرنا۔ اور بغیر کسی علت کے خاص کھانے اور خاص لباس پر اقتصار کرنا۔ اور کیفیات وہیئات معینہ کا التزام یہ کہ مثلاً یہ کہ ایک آواز کے ساتھ بہ ہیئت اجتماع ذکر کرنا۔ اور یوم ولادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عید بنانا وامثال ذلک۔ اور اوقات معینہ میں عبادات معینہ کا التزام کہ وہ تعیین شریعت میں نہ پائی جاتی ہو۔ مثلاً یوم نصف شعبان کے صیام کا اور اس کے شب کے قیام کا التزام۔

حافظ ابن دقیق العید احکام الاحکام ۱/۵۱ پر فرماتے ہیں

ان هذه الخصوصيات بالوقت او بالحال والهيئة والفعل المخصوص يحتاج الى دليل خاص يقتضي استحبابه بخصوصه وهذا اقرب ..... لان الحكم باستحبابه على تلك الهيئة الخاصة يحتاج دليله شرعياً عليه ولا بد.	یعنی یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت کے ساتھ اور فعل مخصوص کسی خاص دلیل کی محتاج ہیں۔ جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہ اقرب الی الصواب ہے اس لئے کہ اس ہیئت خاصہ پر استحباب کا حکم دلیل شرعی کا محتاج ہے۔ اور یہ امر لازمی اور ضروری ہے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں

العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص فيريد بعض الناس ان يحدث فيها امر آخر لم يرد به الشرع زاعماً انه يدرج تحت عموم فهذا لا يستقيم لان الغالب على العبادات التعبد وماخذها التوقيف.	عبادت شریعت سے کسی خاص طور پر مثلاً مطلقاً ثابت ہوتی ہے۔ تو بعض لوگ اسمیں ایسی نئی بات ملا دیتے ہیں جو کہ شریعت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی عموم میں داخل اور مندرج ہے تو انکا یہ خیال درست نہیں کیونکہ عبادت میں تعبدی طریقہ غالب ہے اور اسکا ماخذ توقیف ہے (یعنی بغیر شارع کے بتائے ہوئے واقفیت اور اطلاع کی کوئی صورت نہیں)

دیکھئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ.	یعنی (دین حق کو تو اللہ تعالیٰ نے مشروع و مقرر فرمایا ہے مگر یہ لوگ جو اس کو نہیں مانتے تو)

تو کیا ان کے (تجویز کئے ہوئے) کچھ شریک (خدائی) ہیں۔ جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے۔ جس کی خدا نے اجازت نہیں دی (مقصود استفہام انکاری سے یہ ہے کہ کوئی اس قابل نہیں کہ خدا کے خلاف اس کا مقرر کیا ہوا دین معتبر ہو سکے۔ (بیان القرآن)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کوئی امر بدوں اذن شرعی دین کے طور پر مقرر کرنا ناجائز ہے۔ اور بدعت یہی ہے۔ (وعظ السرور، مولانا تھانوی)

شب جمعہ کو صلوٰۃ اور یوم جمعہ کو صوم کیلئے خاص کرنا بدعت ہے

شارع علیہ السلام نے فضائل جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کے بہت بیان فرمائے تھے تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنے رائے سے روزہ نماز کہ عمدہ عبادات ہیں۔ اس میں نہ کر بیٹھے۔ خود آپ نے ہی فرما دی۔ کہ جس قدر امور جمعہ اور شب جمعہ میں ہم نے فرما دیئے ہیں۔ وہی اس میں افضل اور سنت ہیں۔ اگر کوئی اس میں قیاس اور اضافہ کرے گا وہ مقبول نہ ہوگا۔ ارشاد فرمایا

قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لا تختصّوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى ولا تختصّوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الا ان يكون فى صوم يصومه احدكم.	یعنی تمام راتوں میں سے تم جمعہ کی رات شب بیداری کے لئے خاص مت کرو۔ اور نہ جمعہ کے دن کو اور دنوں میں سے روزہ کے ساتھ خاص کرو۔ ہاں اگر اس کے معمول روزہ میں جمعہ ہی آ پڑے تو وہ اور بات ہے۔

اس حدیث میں یہ ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب جمعہ کو صوم و صلوۃ کے واسطے

خاص مت کرو۔ کیونکہ صوم وصلوۃ نوافل مطلق اوقات میں یکساں ہیں۔ خصوصیت کسی وقت کی بدوں ہمارے حکم درست نہیں۔ پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرمادیا۔ اور مطلق کو اپنی رائے سے مقید کردینا بدعت ہے۔

چھینک کے موقع پر الحمدللہ کیساتھ السلام علی رسول اللہ کہنا بدعت ہے

عن مافع ان رجلاً عطس الی جنب ابن عمرؓ فقال الحمدللّٰه والسلام علی رسول اللّٰه فقال ابن عمرؓ وانا اقول الحمدللّٰه والسلام علی رسول اللّٰه .ولیس ھکذا علمنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علمنا ان نقول الحمدللّٰه علی کل حال. (ترمذی)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چھینک ماری۔ اور کہا الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ میں بھی الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ کہتا ہوں۔ لیکن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تعلیم نہیں دی ہے۔ ہم کو تو اس موقعہ پر یہ تعلیم دی ہے کہ ہم بہر حال الحمدللہ کہا کریں۔

حالانکہ السلام علی رسواللہ منجملہ اعمال مستحبہ وفاضلہ ہے۔ مگر مطلق ہے اور وظیفہ عطاس سے خارج ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ ابن عمر نے اس کو منکر و بدعت سمجھا۔

اتنی بات اور معلوم ہوگئی کہ جس چیز کا جس قدر وظیفہ شارع علیہ اسلام نے بتلا دیا ہے اس پر وہ اضافہ بھی اپنی رائے سے جائز نہیں جو اگرچہ فی نفسہ مستحب اور عمل فاضل ہے مگر اس سے خارج ہے۔

حضرت ابن عمر نے اذان کے بعد تھویب کو بدعت فرمایا

تھویب کہتے ہیں اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا اور پکارنا۔ شارع نے نماز کی دعوت کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے۔ لہٰذا اذان کے ساتھ تھویب کی اپنے رائے سے قید لگانا۔ ظاہر ہے کہ تغییر حکم شرع اور بدعت ہوگا۔

عن مجاھد قال دخلت مع عبداللّٰه ابن عمرؓ مسجداً وقد اذان فیه فثوب المودن فخرج عبدالله بن عمر من المسجد فقال احرح بنا من المسجد فقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع۔ (ترمذی)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں ایک مسجد میں داخل ہوا۔ اذان ہوچکی تھی ناگہاں موذن نے تھویب کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فوراً مسجد سے باہر ہوگئے اور فرمایا کہ ہم کو اس بدعتی کے پاس سے دور کرکے نکال لے چلو۔

وفی روایة ابی داؤد اخرج بنا فان ھذہ بدعة اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہم کو یہاں سے لے چلو اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔ اور ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ لم یصل فیه آپ نے اس مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے)

بحرالرائق بیان تھویب میں ہے:

روی ان علیاً رایٰ موذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد وعن ابن عمر مثله (شرح مھذب نووی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے ایک موذن کو دیکھا کہ عشاء کی نماز کے لئے تھویب کر رہا ہے۔ تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ اور حضرت ابن عمر سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

نماز کے لئے لوگوں کو بلانا کچھ برا نہیں۔ بہت اچھی بات ہے۔ مگر حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں صرف اذان تھی۔ اس میں اپنی رائے سے ایک زائد چیز تھویب شامل کردی گئی۔ مزاج شناسان نبوت اور عارفان شریعت مقدسہ نے اس کو بدعت سمجھا۔

حضرت ابن عمرؓ نے سنت فجر کے بعد سنت سمجھ کر لیٹنے کو بدعت فرمایا

عن ابی الصدیق الناجی ان ابن عمرؓ رایٰ قوماً اصطجعو بعد رکعتی الفجر فارسل الیھم فنھاھم فقالوا نرید بذلک السنة فقال ابن عمرؓ ارجع الیھم فاخبرھم انھا بدعة. (اخرجہ ابن ابی شیبہ)

یعنی ابو الصدیق الناجی سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک جماعت کو دیکھا کہ فجر کی سنت کے بعد لیٹ گئے تو آپ نے ایک آدمی کو بھیج کر ان لوگوں کو اس فعل سے منع کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو درحقیقت سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو ابن عمر نے فرمایا کہ ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ یہ بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز کے بعد انصراف عن الیمین کو اضلال شیطان فرمایا

وفی صحیحین عن عبداللّٰہ بن مسعود لا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلوٰتہ یریٰ ان حقا علیہ ان لا ینصرف الاعن یمینہ لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علی وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ (متفق علیہ)

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں کا کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کے لئے کوئی حصہ مقرر نہ کرے۔ وہ یہ کہ یہ سمجھے کہ صرف داہنی ہی طرف نماز کے بعد پھرنا حق ہے بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ دیکھا کہ بائیں جانب پھرتے تھے۔

قال صاحب المجمع / ٢٣٣.

واستبط مہ ان المندوب یقلب مکروھاً اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ قال الطیبی شارح المشکوۃ فی شرح ھذا الحدیث فیہ ان من اصرّ علی مندوب وجعل عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعةو ومکر

صاحب مجمع البحار نے فرمایا کہ فقہاء نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ بے شک امر مندوب مکروہ بن جاتا ہے جب کہ اس کے رتبہ سے بڑھ جانے کا خوف ہو۔ شارح مشکوٰۃ علامہ طیبیؒ نے اس حدیث کی شرح میں یہ مسئلہ بھی مستنبط کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی امر مندوب پر اصرار کیا اور اس کو مثل واجب قرار دے دیا اس طرح پر کہ رخصت پر عمل نہ کیا تو اس سے شیطان نے بہکانے کا حصہ لے لیا۔ پس کیا حال ہے اس شخص کا جو کسی بدعت یا منکر پر اصرار کرے۔

حدیث ابن مسعود سے ثابت ہوا کہ داہنی اور بائیں دونوں طرف پھرنا سنت اور جائز ہے۔ اگر کوئی صرف ایک ہی طرف دائمی طور پر پھرے گا۔ تو یا تو خود اس کا اعتقاد ہوگا کہ اسی طرف پھرنا افضل یا مؤکد ہے۔ یا اس کا اعتقاد تو نہ ہوگا لیکن دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسی طرف پھرنا افضل یا واجب ہے۔ اور دوسری طرف پھرنا ناجائز یا مفضول و مرجوح ہے۔ یہ تغییر شرع ہے۔ اور غیر شرع کو شرع اعتقاد کرنا ہی بدعت ہے لہٰذا دونوں طرف پھرنے کو سنت سمجھنا چاہئے اور اسی پر عمل بھی کرنا چاہئے تاکہ نہ علماً

تغییر شرع لازم آئے نہ عملاً۔

مولوی عبدالسمیع رامپوری نے اپنی کتاب انوار اساطعہ میں یہ اعتراض کیا کہ طیبیؒ نے بدعت اور خلاف شرع امر کے واجب جان کر عمل دائمی کرنے پر انکار کیا ہے یہ تو نہیں لکھا کہ مولود شریف اور فاتحہ بدعت ہے۔ اور خلاف شرع ہے۔ تم نے اس کو آپ ہی آپ خیالی پلاؤ پکا کر بدعت اور خلاف شرع تجویز کر لیا۔ پھر اس کو طیبی کے کلام میں درج کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے مغالطات سے پناہ دے۔

اس کا جواب مولانا خلیل احمد نے براہین قاطعہ/۶۲ پر یہ دیا کہ یہ کمال نادانی مولف کی ہے اس واسطے کہ قرآن وحدیث وقول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی کو فقہاء کلیہ نکال لیتے ہیں۔ اور پھر اس کلیہ سے صدہا مسائل جزئیہ جملہ آداب فقہ کے ثابت کرتے ہیں اسی کا نام تفقہ ہے سب ادنیٰ اعلیٰ اہل علم اس کو جانتے ہیں۔ تمام بخاری وغیرہ کتب کے ابواب اس پر شاہد ہیں۔ ایسے ہی طیبیؒ نے اس قول عبداللہ بن مسعودؓ سے کلیہ پیدا کیا۔ اور پھر وہ کلیہ سب ابواب میں مفید حکم ہوا۔ عبادات ومعاملات میں۔ اور خلاصہ کلیہ کا یہ ہے۔ حکم شارع کا اپنے محل و مورد پر قصر کرے۔ اس کی وجہ سے تعدی نہ کرے اگر کرے گا۔ تو تغییر حکم شرع کا ہوگا۔ اور تغییر حکم شرع ہی کو بدعت کہتے ہیں۔

تو تبلیغ جب امر مطلق ہے تو اس پر جس مباح طریقہ سے بھی عمل کیا جائے گا صحیح ہوگا۔ اس کو اگر کسی خاص اور متعین طریقہ سے کیا جائے گا۔ تو وہ امر مطلق مطلق نہ رہا۔ بلکہ مقید ہوگا۔ اور تغییر شرع کی لازم آگئی۔ اور تغییر شرع ہی کو بدعت کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اوراد و وظائف میں سنیت ماثورہ پر زیادت کو بدعت فرمایا

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عنوان قائم فرمایا کہ:

اوراد و احزاب بہ نیت تقرب الی اللّٰہ عزوجل زیادۃ بر سنت مالورہ والتزام مستحبات مانند التزام واجبات وظہور دواعی نفس در دعوت مردماں بآں

سنت ماثورہ میں جو اوراد و وظائف آئے ہیں۔ ان میں اپنی طرف سے یہ نیت تقرب الی اللہ اضافہ اور طریقہ کا اختراع کرنا۔ اور امور مستحبہ کو مثل واجبات کے اپنے ذمہ لازم کر لینا۔ اور لوگوں میں ان کے پھیلانے کی رغبت کا دلوں میں پیدا ہونا۔

پھر اس عنوان کے ماتحت حضرت شاہ صاحب نے حدیث ذیل ذکر فرمائی ہے

اخبر الدارمی عن الحکم بن المبارک انا عمرو بن یحیی قال سمعت ابی یحدث عن ابیہ قال کنا نجلس علی باب عبداللّٰہ بن مسعود قبل صلوٰۃ الغد فاذا اخرج مشینا معہ الی المسجد فجائنا ابو موسی الاشعری فقال اخرج الیکم ابوعبدالرحمن

دارمی نے حکم بن مبارک سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں عمر بن یحییٰ نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے اپنے والد سے سنا۔ وہ اپنے والد سے نقل کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نماز فجر سے پہلے حضرت عبداللہ ابن مسعود کے دروازہ پر جا کر بیٹھ رہتے تھے۔ جب وہ اپنے گھر سے نکلتے تو ہم ان کیساتھ ساتھ مسجد میں جاتے تھے۔ (ایک روز حضرت ابن مسعود کے مکان پر بوقت معہود) حضرت ابوموسیٰ اشعری ہمارے پاس آئے۔ اور ہم سے پوچھا کہ کیا ابوعبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن مسعود) گھر سے

بعد قلنا لافحلس معنا حتى خرج فلما حرج قما اليه جميعا فقال له ابوموسى يا اباعبدالرحمن انى رايت فى المسجد انفاًامراً انكرته ولم ارو الحمدللّٰه الا خيراً قال فما هو قال ان عشت فتراه قال رايت فى المسجد قوما حلقا جلوسا ينتظرون الصلوٰة فى كل حلقة رجل وفى ايديهم حصاةٌ فيقول كبروا مائة فيكبرون مائة ويقول هلّلوا مائة فيهللون مائة ويقول سبحوا مائة فيسبحون مائة قال فماذا قلت لهم قال ماقلت لهم شيئاً انتظار

نکلے ہم نے جواب دیا کہ ابھی نہیں نکلے۔ یہ سن کر وہ ہمارے پاس بیٹھ گئے یہاں تک حضرت عبداللہ گھر سے نکلے اور ہم لوگ ان کے ساتھ اٹھ کر چلے۔ پھر ان سے حضرت ابوموسیٰ نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن میں نے ابھی مسجد میں ایک نئی بات دیکھی مگر الحمدللہ اچھی بات دیکھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے پوچھا تم نے کیا دیکھا۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا اگر مسجد پہنچنے تک آپ زندہ رہے تو آپ بھی اس کو دیکھ لیں گے۔ پھر کہا میں نے مسجد میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ جدا جدا حلقہ کر کے بیٹھے ہیں۔ اور نماز کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور ہر حلقہ میں ایک ایک شخص ہے۔ اور ان سب کے ہاتھوں میں سنگریزے ہیں وہ ایک کہتا ہے۔ کہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو۔ سب لوگ سو بار اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ (اور ان سنگریزوں پر گنتے جاتے ہیں) پھر وہ کہتا ہے سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو۔ سب لوگ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھو۔ سب

رايك وانتظار امرك قال افلا امرتهم ان يعد وسيأتهم وضمنت لهم ان لا يضيع من حسناتهم ثم مضىٰ ومضينا معه حتى اتى الى حلقة من تلك الحلق فوقف عليهم فقال ما هذا الذى اراكم تصنعون قالوا يا ابا عبدالرحمن حصىً نعدو به التكبير والتهليل والتسبيح قال فعدوا الى سيأتكم فانا ضامنٌ ان لا يضيع من حسناتكم شئ ويحكم يا امة محمد صلى اللّٰه عليه وسلم ما اسرع هلكتكم هؤلاء صحابة نبيّكم صلى اللّٰه عليه وسلم متوافرون وهذا ثيابه لم تُبل وآنيته لم

لوگ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ بن مسعود نے پوچھا کہ پھر تم نے کیا کہا۔ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا۔ آپ کی رائے اور آپ کے حکم کے انتظار میں میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، انہوں نے کہا۔ تم نے انکو کیوں نہ یہ حکم کیا کہ ان سنگریزوں پر بجائے تکبیر وتہلیل وتسبیح کے) وہ لوگ اپنے اپنے گناہ گنتیں اور تم نے ان سے اس بات کی ذمہ داری کیوں نہ لی کہ ان کی نیکیوں میں سے کچھ ضائع نہ ہوگا (گننا بیکار ہے۔ یہ کہہ کر) حضرت عبداللہ بن مسعود چلے اور ہم سب ان کے ساتھ چلے یہاں تک کہ وہ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس پہنچ کر ٹھہر گئے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے ابوعبدالرحمٰن ہم ان سنگریزوں سے تکبیر وتہلیل وتسبیح کو شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا (بجائے اس کے) تم لوگ اپنے اپنے گناہوں کو شمار کرو۔ اور میں ضامن ہوتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خرابی تمہاری ہو تمہاری ہلاکت کس قدر

تکسر والذی نفسی فی یده انکم لعلی ملة هی اهدیٰ من ملة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم او مفتتح باب ضلالة قالوا واللّٰه یا اباعبدالرحمن ما اردنا الاالخیر قال وکم من مرید للخیر لن یصیبه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حدثنا ان قوما یقرء ون لایجاوز تراقیهم وایم اللّٰه ماادری لعل اکثر هم منکم ثم تولیٰ عنهم، فقال عمر وبن سلمة رأینا عامة اولئک الحلق یطاعونا یوم النهروان مع الخوارج.

(ازالة الخفاء)

جلدی آ گئی۔ ابھی یہ اصحاب تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بکثرت موجود ہیں۔ اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور ان کے برتن نہیں ٹوٹے (مگر تم ابھی سے بدعتیں ایجاد کرنے لگے) قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تم ایک ایسے دین پر ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے زیادہ راہ راست پر ہے۔ یا تم گمراہی اور ضلالت کا دروازہ کھول رہے ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ اے ابوعبدالرحمٰن! قسم خدا کی ہم (اس فعل سے) نیکی ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ بہت سے نیکی کا ارادہ کرنیوالے ایسے ہیں کہ انہیں نیکی نہیں ملتی۔ بے شک ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے گلے سے نہ تجاوز کرے گا۔ قسم خدا کی میں نہیں جانتا کہ شاید ایسے اکثر لوگ تم میں ہوں۔ پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود ان لوگوں کے پاس سے چلے گئے۔ عمر بن سلمہ کہتے ہیں کہ (ان لوگوں کا انجام) ہم نے یہ دیکھا کہ جنگ نہروان میں خوارج کے ساتھ ہو کر یہ لوگ ہم پر برچھے مار رہے تھے۔

علامہ ابن نجیم، بحرالرائق میں فرماتے ہیں:

لان ذکر اللّٰه اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت او بشیٔ دون شیٔ لم یکن مشروعاً حیث لم یرد به الشرع لانه خلاف الشرع.

اس لئے کہ ذکر اللہ کی جب کسی ایک ہی وقت کے ساتھ تخصیص کا قصد کیا گیا اور دوسرے وقت میں وہ نہ ہو۔ یا کسی شے کے ساتھ تخصیص کرلیا گیا تو وہ مشروع نہ ہوگا کیونکہ اس کے متعلق شریعت میں کوئی تخصیص وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا وہ خلاف شرع ہوگا۔

تا تارخانیہ اور عالمگیری میں ہے

یکره للانسان ان یختص لنفسه مکانا فی المسجد یصلی فیه.

انسان کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے لئے مسجد میں کوئی جگہ نماز پڑھنے کے لئے خاص کرے۔

ذکر اللہ کا حکم عام اور مطلق ہے۔ اسی طرح مسجد میں نماز پڑھنے کی جگہ مطلق ہے اس سے کسی مخصوص طور پر ذکر اللہ کرنے یا مخصوص جگہ نماز پڑھنے کا حکم ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ ناجائز ہوگیا۔

نماز میں سورت مخصوص کرنا بدعت ہے

نماز میں قرآن شریف پڑھنے کا حکم عام اور مطلق ہے۔ ”فاقرؤا واما تیسر من القرآن“ اگر نماز میں کوئی خاص سورت مقرر کرکے پڑھنے کا معمول بنالے تو ناجائز اور بدعت ہوگا۔ چنانچہ ” قال فی الهدایه ویکره ان یوقت بشیٔ من القرآن لشیٔ من الصلوة لان فیه هجران الباقی وایهام التفصیل“ ہدایہ میں کہا کہ مکروہ ہے۔ کہ نماز میں قرآن کہ کوئی خاص حصہ مقرر کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں باقی قرآن کا ہجران اور تفضیل کا ایہام ہے۔

ائمہ ہدیٰ عوام کو تفصیل تو تفصیل ایہام تفصیل سے بھی بچاتے ہیں۔ اسی بناء پر مداومت مستحب کو مکروہ فرماتے ہیں۔ آگے تفصیل آرہی ہے۔

بعد نماز فجر یا عصر یا جمعہ یا عیدین مصافحہ بدعت ہے

مصافحہ و معانقہ سنت ہے۔ مگر کسی خاص وقت مثلاً بعد نماز فجر وغیرہ شریعت سے ثابت نہیں لہٰذا یہ بھی بدعت ہے۔

وظائف النبی ودیگر عام کتب فقہ میں مذکور ہے کہ

وما یفعل من العوام من المصافحة بعد الجمعة او بعد الفجر او بعد كل مكتوبة او بعد العيد فهو بدعة ممنوعة.

یعنی اور جو عوام بعد جمعہ یا بعد فجر یا دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ کرتے ہیں۔ تو وہ بدعت ممنوعہ ہے۔

سورہ کافرون کا اجتماعاً پڑھنا بدعت ہے

عالمگیری اور نصاب الاحتساب میں ہے

"قرأة الكافرون الى الآخر مع الجمع مكروه لانها بدعة" سورہ کافرون کا جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ بدعت ہے۔

فرض نمازوں کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا بدعت ہے

قراءة الفاتحة بعد المكتوبة لاجل المهمات وغيرها مكروه لانها بدعة (الواقعات وغیرہ) فرض نمازوں کے بعد قراءۃ فاتحہ مہمات وغیرہ کیلئے مکروہ ہے اسلئے کہ بدعت ہے۔

اسی سے شیخ تقی الدین ابن دقیق العید شرح عمدہ نیز احکام الاحکام میں فرماتے ہیں۔

ان هذه الخصوصيات بالوقت او بالحال والهيئة والفعل المخصوص يحتاج

یعنی یہ سب خصوصیات جو وقت یا حال یا ہیئت یا فعل مخصوص کے ساتھ مخصوص ہیں۔

الى دليل خاص يقتضي استحبابه مخصوصة وهذا اقرب والله اعلم

دلیل خاص کی محتاج ہیں۔ جو ان خصوصیات کے استحباب کو مقتضی ہوں۔ خاص طور پر۔ اور یہی اقرب الی الصواب ہے۔ واللہ اعلم

آگے فرماتے ہیں

ورد عن السلف الصالح ما يؤيده في مواضع الا ترى ان ابن عمرؓ قال في صلوٰة الضحیٰ انها بدعة لانها لم تثبت عنده فيها دليل ولم يدارجها تحت عمومات الصلوٰة لتخصيصها بالوقت المخصوص وكذلك قال في القنوت الذي كان يفعله الناس في عصره انه بدعة ولم يدارجه تحت عمومات الدعاء وكذلك ماروى الترمذي من قول عبدالله بن المغفل لابنه في الجهر بالبسملة اياك والحدث ولم يدارجه تحت دليل عام

یعنی حضرات سلف صالحین سے بہت سے موقعوں پر ایسی چیزیں وارد ہوئی ہیں جو اسی بات کی تائید کرتی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز چاشت کو بدعت کہتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ اور انہوں نے اس کو مطلق نماز میں داخل نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ایک وقت خاص کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایسے ہی قنوت کو بدعت کہتے تھے جب کہ لوگوں کو اپنے زمانہ میں کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور عمومات دعا میں اس کو درج نہیں کرتے تھے۔ ایسے ہی ترمذی میں مروی ہے کہ عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو نماز میں جہر سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے سنا تو ان کو منع کیا کہ اے بیٹے دین میں نیا کام مت نکال۔ اور انہوں نے اس کو دلیل عام میں داخل نہ کیا۔ اور ایسے ہی طبرانی میں

وكدلك ما جاء عن ابن مسعود فيما اخرجه الطبراني بسده عن قيس بن حارم قال دكر لابن مسعود قاص يجلس بالليل ويقوله الساس قولوا كذا قولوا كذا فقال اذا رايتموه فاخبروني فاخبروه فجاء عبدالله متقنعاً فقال من عرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني فانا عبدالله بن مسعود تعلمون انكم لاهدى من محمد صلى الله عليه وسلم واصحابه او انكم لمتعلقون بدين ضلالة وفي رواية لقد جئتم ببدعة ظلماء ولقد فضلتم اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم علماً . فهذا ابن مسعود انكر هذا الفعل مع امكان ادراجه تحت عموم فصيلة الذكر.

قیس بن حازم سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے روبرو ایک قصہ گو واعظ کا ذکر آیا کہ وہ رات کو بیٹھ کر لوگوں کو طرح طرح کی دعائیں ذکر اور وظیفے بتلاتا ہے۔ تو ابن مسعود نے کہا کہ جب تم اس کو ایسا کرتے ہوئے دیکھو تو مجھے خبر دو۔ ایک دن لوگوں نے ان کو خبر دی تو عبداللہ بن مسعود اپنے اوپر چادر لپیٹ کر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ جس نے مجھ کو پہچانا اس نے پہچان لیا۔ اور جس نے یہ پہچانا ہو تو سن لے کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے زیادہ ہدایت پر ہو اور ان سے علم میں زیادہ ہو۔ مطلب یہ کہ تم گمراہی میں پڑ گئے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم ایک تاریک بدعت ایجاد کر رہے ہو۔ کیا تم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے علم میں افضل ہو۔ تو دیکھو! یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں صحابی رسول۔ اس فعل پر انکار کر رہے ہیں۔ اور فضیلت ذکر کے عموم میں اس مخصوص ذکر کو داخل نہیں کر رہے ہیں۔

ان مذکورہ اصدر نصوص اور تصریحات علمائے ربانیین سے اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ مطلق اور عام کے ثبوت سے مقید اور خاص کا ثبوت نہیں ہوتا۔ خاص اور مقید کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے۔

س قرون ثلاثہ میں تبلیغ کا اہتمام تھا۔ حضرات صحابہ کو پیغام دے کر مختلف مقامات پر بھیجا گیا۔ چنانچہ "**ارسال الصحابة الى البلدان للتعليم**" ایک مستقل باب ہے۔ کوفہ اور قرقیسا کو صحابہ کا جانا فتح القدیر میں مذکور ہے۔

ج اس سے تو مطلق تبلیغ کا ثبوت ہوتا ہے۔ مطلق تبلیغ سے ہیئت معینہ کذائیہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ اور کلام ہیئت ترکیبیہ کذائیہ ہی میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تبلیغ کی بہت سی صورتیں تھیں۔ جو حسب ضرورت اور موقعہ اختیار کی جاتی تھی۔ ان صورتوں میں کبھی "**ارسال الصحابه الى البلدان للتعليم**" کی صورت بھی واقع ہوگئی۔ ایسا تو نہیں تھا کہ برابر یہی صورت اختیار کی جاتی رہی ہو۔ لہٰذا اس کو ہیئت مخترعہ معینہ یعنی جماعت تبلیغیہ کا مقیس علیہ کیونکر بنایا جاسکتا ہے۔

کیا حضرات صحابہ کرام صرف کلمہ اور نماز ہی کھانے کیلئے بھیجے جاتے تھے۔ صرف انہیں چھ باتوں کو دیتے تھے۔ گاؤں گاؤں جماعت لے کر پھرتے تھے اور گلی گلی گشت کرتے تھے۔ اور ایک گاؤں کی مسجد میں ایک شب کیلئے قیام فرماتے تھے۔ اور گاؤں کے لوگوں کو چلہ گذارنے، گشت کرنے اور اپنی کسی خاص پارٹی میں شرکت کی دعوت دیتے تھے۔ اور اس کیلئے چھوٹے بڑے ملکی اور عالمی اجتماع کرتے تھے۔ اور نکلنے سے پہلے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے پہلے جہر کے ساتھ مجتمع دیر دیر تک دعا کرتے تھے۔ اور خاص خاص مشاغل کی ہمیشہ پابندی فرماتے تھے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں ذکر رسول نہیں ہوتا تھا۔ اور ایصال ثواب نہیں ہوتا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام نہیں پڑھا جاتا تھا۔ تو پھر کیوں میلاد مروجہ اور فاتحہ مرسومہ اور قیام مولد کو بدعت کہا جاتا ہے۔ اور تقیید مطلق کی وجہ سے اس پر نکیر کی جاتی ہے؟

”صاحب انوار ساطعہ نے سیوم اور محفل میلاد کے جواز کے لئے جب مطلق قرأت قرآن اور ذکر رسول کے قرونِ ثلاثہ میں ہونے کا ذکر کیا تو“

”صاحب براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب مولف کا یہ طریقہ ٹھہرا کہ اگر کوئی مقید کا حکم پوچھے گا تو مولف مطلق کا حکم بتلا کر گمراہ کیا کرے گا مثلاً سائل کہے گا کہ بکری چوری کی کیسی ہے؟ مولف جواب دے گا کہ بکری حلال ہے۔ قرآن وحدیث میں بکری کو حلال لکھا ہے۔ کوئی کہے گا کہ زوجہ سے نفاس میں صحبت کیسی ہے؟ مولف کہے گا کہ صحبت اپنی زوجہ سے حلال ہے۔ کہیں حرام نہیں لکھا ہے۔ علی ہذا تمام ابواب فقہیہ کو قیاس کرو۔ سائل قید کے حکم کا طالب ہوگا مولف مطلق کا حکم بتلا کر گمراہ کیا کرے گا۔ اور تمام دین کو برہم کردیوے گا۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**“۔

صفحہ ۸۷ پر فرماتے ہیں:

”کوئی مفتی ایصال ثواب کا منکر نہیں۔ جب بھی۔ جس وقت بے قید جائز ہے۔ البتہ تخصیص بلا نص کے منکر ہیں۔ خصوصیت کسی دن کی (خصوصیت مکان کی خصوصیت ہیئت کی وغیرہ) اگر نص سے ثابت ہو جاوے تو اعتبار کرتے ہیں۔ ورنہ سب ایام (سب جگہ سب ہیئت) برابر جانتے ہیں اور اس پر تخصیص کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔

مباح بلکہ مستحب بھی جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اور جس فعل سے عوام وجہلاء میں مفسدہ وفتنہ اعتقادیہ یا عملیہ، قالیہ، حالیہ پیدا ہوا اس کا ترک خواص پر واجب ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۝ (فی تفسیر بیان القرآن)

بتوں کو برا کہنا فی نفسہ ایک امر مباح ہے۔ مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امر حرام یعنی گستاخی بجناب باری تعالیٰ کا۔ وہ بھی منہی عنہ اور قبیح ہو جائے گا۔ اس سے ایک قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا۔ کہ مباح (بلکہ مستحب بھی ۱۲ منہ امداد الفتاویٰ) جب حرام کا سبب بن جاوے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اور ہر چند اوپر یا دوسری آیات میں جو مضامین اثبات توحید ورسالت وابطال شرک وکفر کے مذکور ہیں۔ بعض اوقات ان پر بھی کفار گستاخی بجناب باری تعالیٰ جل شانہ وتکذیب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات کہا کرتے تھے۔ چنانچہ مقامات متعددہ میں وہ منقول ہیں۔ لیکن ان مضامین کا بیان کرنا ممنوع نہیں ہوا۔

وجہ فرق یہ کہ ان مضامین کا ظاہر کرنا واجب اور مطلوب عند الشرع تھا۔ ایسے امر پر اگر کچھ مفاسد مرتب ہو جاویں۔ تو اس امر کو ترک نہ کیا جاوے گا۔ یہ دوسرا قاعدہ ثابت ہوا۔ اور دشنام بت امر مباح تھا واجب اور مطلوب عند الشرع نہ تھا ایسے امر پر جب مفاسد مرتب ہوں گے اس کو ترک کرنا واجب ہوگا۔ یہی فرق ہے دونوں امر میں۔ یہ دونوں فقہی قاعدے علم عظیم ہے۔ بے شمار فروع کا حکم اور فیصلہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ روح المعانی میں ابوالمنصور سے یہی فرق ایک سوال کے جواب میں جو ان سے پوچھا گیا تھا منقول ہے۔ اور ابن سیرین سے بھی اس کی تائید نقل کی ہے۔ اور

قرآن مجید کی بعض آیات میں جو معبودان باطلہ کی تحقیر مذکور ہے۔ وہ بہ قصد سب وشتم نہیں۔ بلکہ مناظرہ میں بطور تحقیق مطلوب واستدلال والزام خصم کے ہے۔ جو مناظرات میں مستعمل ہے۔ اور قرائن سے مخاطب کو فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ تحقیق مقصود ہے یا تحقیر۔ اول جائز دوسرا ناجائز۔ فقط (تفسیر بیان القرآن)

اور امداد الفتاویٰ جدید جلد اول صفحہ ۲۹۶ پر فرماتے ہیں:

"وروی البخاری عن علی رضی اللّٰہ عنه قال حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسوله، فی حقیقة الطریقة" بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں۔ بعضے عوام ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور بعضے قواعد شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں۔ سو ہر حال میں اللہ ورسول کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ "والثانی اشد من الاول" اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔ "وروی مسلم عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه انه قال ما انت بمحدث قوماً لایبلغه عقولهم الا کان بعضهم فتنة، فی حقیقة الطریقة" اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ جو اس سے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ "صـــ ۸۲ وفی ردّ المحتار (تحت مسئلة کراهة تعیین السورة فی الصلوٰة من الدر المحتار بنصّهٗ حاصل کلام هذا الشیخین بیان وجه الکراهة فی المداومة وهو انه رای ذلک حتما یکره من حیث تغییر المشروع والا یکره من حیث ایهام الجاهل ج ۱/۵۲۸"

آیت اور حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام وجہلاء میں مفسدہ وفتنہ اعتقادیہ یا عملیہ یا قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر

واجب ہے۔ باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

بعضے یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آ کر لفظ راعنا سے آپ کو خطاب کرتے جس کے معنی ان کے عبرانی زبان میں برے ہیں۔ اور وہ اسی نیت سے کہتے اور عربی میں اس کے معنی بہت اچھے ہیں کہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے۔ اس لئے عربی داں اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے۔ اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعضے مسلمان بھی حضور کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے۔ اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی۔ حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کو مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ) اے ایمان والو! تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو (اور اگر اس کے ظاہری مطلب عرض کرنے کی ضرورت پڑا کرے تو (لفظ انظرنا) کہہ دیا کرو (کہ اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ ہماری مصلحت پر نظر فرمائیے) اور (اس حکم کو) اچھی طرح سن لیجئے (اور یاد رکھئے کہ) اور ان کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہوگی (جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخی اور وہ بھی چالاکی کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اس کے حق میں مباح نہیں رہتا۔ جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے۔ تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہوگا تو خود اس عالم کے لئے بھی منع ہو جائے گا۔ (بیان القرآن)

جو فعل اور تخصیص فعل منقول نہ ہو اور متروک ہو اس کا احداث بدعت ہے

تبلیغ مروجہ میں تبلیغ کے ساتھ جن خاص اعمال واشغال کی پابندی کی جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر کا قرون ثلاثہ یعنی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین میں تبلیغ کے ساتھ ہونا منقول نہیں۔ اور چونکہ جو داعی اور مقتضی انکا فی زمانا ہے۔ وہ اس زمانے میں بھی موجود تھا تو باوجود داعی اور محرک کے اس زمانہ میں نہ تھا۔ تو ان قیود کا متروک ہونا ظاہر ہے۔ لہذا ان غیر منقول متروک تخصیصات وتقییدات کا احداث بدعت ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دعوات عبدیت حصہ اول کے مجادلات معدلت صفحہ ۲۳۷ پر فرماتے ہیں:

> ”یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک تو ہے عدم الفعل۔ اور ایک ہے ترک الفعل۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پس عدم الفعل تو عدم قصد سے بھی ہوتا ہے۔ اور ترک میں اس کے اعدام کا قصد ہوتا ہے۔ پھر یہ قصد جس مرتبہ کا ہوگا۔ اس فعل کا ناپسندیدہ ہونا ثابت ہوگا۔ اور اس فرق کو اہل اجتہاد خوب سمجھتے ہیں۔ اور پہچانتے ہیں۔ پس عدم الفعل سے تو اس کا کرنا ناجائز نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ اور کوئی قباحت شرعی لازم نہ آئے۔ اور ترک الفعل البتہ ناپسندیدگی ہے (اور وعظ السرور میں فرمایا کہ) داعی قدیم ہے۔ تو سکوت شارع ترک الفعل ہوگا اور اگر داعی جدید ہے اور حادث ہے تو سکوت شارع ترک الفعل ہوگا) عدم الفعل جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ "ما اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی خوان ولا سکرجة ولا خبز له مرقق.

> یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکی پر اور تشتری پر کھانا نہیں کھایا اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکی۔ مشہور تو یہ ہے کہ جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کام کو نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس کی تائید اس قاعدہ سے کی کہ عیدین میں مثلاً اقامت اور اذان آپ کے وقت میں نہیں ہوئی لہذا اب اس کو نہ کرنا چاہئے۔ مگر ترک الفعل اور عدم الفعل کے فرق کو نہ جاننے کی وجہ سے یہ غلط ہوا۔ جو اس قاعدہ کو جان لے گا۔ وہ سمجھے گا کہ عدم الفعل سے اس کا کرنا ناجائز نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اور کوئی قباحت شرعی لازم نہ آئے۔ اور ترک الفعل سے اس کا کرنا البتہ ناجائز اور بدعت ہوگا۔ جیسے کہ اذان واقامت صلوٰۃ عیدین کے لئے کہ صلوٰۃ عیدین صلوٰۃ ہیں۔ اور صلوٰۃ باجماعت داعی اور مقتضی اذان واقامت کی ہے۔ مگر باوجود داعی اور مقتضی کے شارع سے اس موقع پر اذان واقامت منقول نہیں۔ گو اور مواقع پر ہونا منقول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترک اذان واقامت قصداً ہوا۔ اس لئے عیدین کے لئے اذان واقامت بدعت ہے)۔
>
> اور اس حدیث میں بیان ہے کہ اس وقت ایسے تکلفات نہ تھے۔ پس مدلول اس کا عدم الفعل ہے۔ نہ کہ ترک الفعل۔ اب اگر کوئی تشتری میں کھائے یا چپاتی کھائے تو جائز ہے۔ مگر از راہ افتخار نہ ہو۔ میز پر کھانے میں چونکہ افتخار وتشبہ کا قبح ہے۔ لہذا وہ اس مستقل دلیل سے ممنوع ہوگا“۔

حاصل یہ کہ فعل کا موجب ومقتضی اور داعی پائے جانے کے باوجود وہ فعل یا تخصیص وتقیید فعل نہیں پایا گیا تو یہ ترک الفعل ہے۔ ایسے فعل یا تخصیص فعل کا احداث بدعت ہے۔

علامہ شاطبی الاعتصام جلد ۱/ ۳۶۱ پر فرماتے ہیں

(والصرب الثانی) ان یسكت الشارع عن الحكم الخاص او یترك امرا ما من الامور وموجبه المقتصى له قائم وسببه فى زمان الوحی وفیما بعده موجود ثابت الا انه لم یحدد فیه امر زائد علی ما كان من الحكم العام فى امثاله ولا ینقص مه لانه لما كان المعنی الموجب لشرعیة الحكم العقلی الخاص موجوداً ثم لم یشرع ولا نبه كان صریحا فی ان الزائد علی ما ثبت هنالك بدعة زائدة ومحالفة لقصد الشارع اذنهم من قصده الوقوف عند ما حدّ هنالك لا الزیارة علیه ولا النقصان منه.

(اور دوسری قسم) یہ ہے کہ شارع حکم خاص سے ساکت ہو۔ یا امروں میں سے کسی امر کو ترک کرے حالانکہ اس کے لئے اس کا موجب مقتضی قائم ہو۔ اور زمان وحی اور مابعد میں اس کا سبب موجود اور ثابت ہو۔ مگر یہ کہ حکم عام کو علی حالہ باقی رکھا ہو۔ نہ کوئی امر زائد کیا ہو اس میں نہ کم کیا ہو۔ اس لئے کہ حکم عقلی خاص کی شرعیت کے لئے موجب اور محرک کے موجود ہوتے ہوئے نہ مشروع فرمایا نہ اس کی طرف اشارہ وتنبیہ فرمائی۔ تو یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اب جو اس پر اپنی رائے سے کوئی امر زائد کیا جائے گا وہ بدعت زائدہ ہوگی۔ اور شارع کے مقصد کی مخالفت ہوگی۔ اس لئے کہ باوجود محرک اور سبب کے پائے جانے کے شارع کے سکوت سے یہی سمجھا جائے گا کہ شارع کا مقصود اسی حد تک اس حکم کو رکھتا ہے۔ بغیر کسی کمی اور زیادتی کے۔

- حضرت مولانا تھانویؒ "**وعظ السرور**" میں فرماتے ہیں

"اور دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے۔ جیسے مجالس میلاد مروجہ اور تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہا من البدعات، کہ ان کا سبب قدیم ہے مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب "فرح على الولادة البویہ" ہے۔ اور یہ سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کی۔ کیا نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ منشاء ان کا موجود نہ تھا۔ لیکن جب کہ باعث اور بناء اور مدار موجود تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجلس میلاد منعقد کی۔ اور نہ صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین نے ایسی شے کا حکم کیا ہے کہ وہ بدعت ہیں صورۃً بھی اور معنیً بھی۔ اور حدیث "مس احدث فی امرنا هذا ما لیس منه" میں داخل ہو کر واجب الرد ہیں"۔

نفائس الازہار ترجمہ مجالس الابرار صفحہ ۱۲۷ پر ہے کہ:

"جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اور باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو تو ایسا کام کرنا اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے۔ کیونکہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرور کائنات اس فعل کو خود ضرور کرتے یا ترغیب دیتے۔ اور جب آپ نے نہ خود کیا نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے"۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

"**اتبعوا اثارنا ولا تبتدعوا فقد كفيتم**" تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور نئی نئی بدعات ایجاد مت کرو۔ تم کفایت کیے گئے ہو۔ (یہی طریقہ تمہارے لئے کافی ہے)"

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

"**كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها**" ہر وہ عبادت جس کو صحابہ کرام نے نہیں کیا سو تم بھی اس کو مت کرو"۔

اسی لئے حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی پیروی کا حکم ہے۔ اسی طرح ترک فعل کی بھی پیروی ضروری ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فعل کو ترک فرمایا وہ فعل بدعت ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

فمن واظب على مالم يفعل الشارع صلى الله عليه وسلم فهو مبتدع والمتابعة كما تكون في الفعل يكون في الترك ايضاً.	جس فعل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس پر مواظبت کرنے والا مبتدع ہے۔ اتباع جس طرح فعل میں ہوتی ہے ترک میں بھی ہوتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مشکوۃ میں اول حدیث "انما الاعمال بالنیات" کے تحت فرماتے ہیں:

"آں کہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نہ کردہ باشد مبتدع بود۔ **كذا قال المحدثون** جو مواظبت کرے اس فعل پر جس کو شارع علیہ السلام نے نہیں کیا تو وہ مبتدع ہوگا۔ **كذا قال المحدثون**"۔

مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ تلفظ بالنیت کی بحث میں ہے:

والاتباع كما يكون في الفعل يكون في الترك فمن واظب على مالم يفعل الشارع فهو مبتدع.	اتباع جس طرح فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی ہوتی ہے۔ تو جس نے مواظبت کی اس فعل پر جس کو شارع نے نہیں کیا وہ بدعتی ہے۔

سید جمال الدین المحدث فرماتے ہیں:

"**تركه صلى الله عليه وسلم سنة كما ان فعله سنة**" یعنی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سنت ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک بھی سنت ہے۔ (لہٰذا جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کا کرنا خلاف سنت ہے اور بدعت ہے)

حضرت علیؓ کے نزدیک قبل صلوٰۃ عید نفل نماز بدعت ہے:

ان رجلا يوم العيد اراد ان يصلي قبل صلوة العيد فنهاه عليؓ فقال الرجل يا امير المؤمنين اني اعلم ان الله تعالىٰ لايعذب على الصلوة فقال عليؓ واني اعلم ان الله تعالىٰ لا يثيب على فعل لا يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم او يحث عليه فيكون صلوتك عبثا والعبث حرام فلعله	ایک آدمی نے عید کے دن ارادہ کیا کہ قبل صلوٰۃ عید نماز پڑھے۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے منع فرمایا۔ اس آدمی نے کہا یا امیر المؤمنین! بے شک مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز پر عذاب نہیں دیگا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل پر ثواب نہیں دے گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ یا اس کی ترغیب نہیں دی۔

تعالىٰ يعذبك به لمخالفتك لرسول الله صلى الله عليه وسلم. (شرح مجمع البحرین ونظم البیان صفحہ ۳۰۷)

پس تیری نماز عبث ہوگی اور عبث حرام ہے۔ تب تو شاید تجھے اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے تیری مخالفت کی وجہ سے عذاب دے۔

حضرت ابن عمرؓ نے دعا میں سینہ تک ہاتھ بلند کرنے کو بدعت فرمایا:

عن ابن عمرؓ يقول رفعكم ايديكم بدعة مازاد رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا يعني الصدر. (مسند احمد)

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ تمہارا دعا میں ہاتھ بلند کرنا بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ نہیں بلند فرمایا تھا۔ مراد سینہ تھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے دعا میں سجع کو بدعت فرمایا:

عن عكرمة قال ابن عباس وانظر السجع من الدعاء فاجتنبه فاني عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه لا يفعلون ذلك. (صحیح بخاری)

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دعا میں سجع یعنی قافیہ سے پرہیز کرو۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ شروع میں جمع مصحف کو بدعت سمجھتے تھے:

عن ابی بکر الصديق في جمع المصحف قال قلت لعمرؓ كيف نفعل شيئاً لم يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال عمرؓ هذا والله حير فلم يزل عمرؓ يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك ورأيت في ذلك الذي راى عمرؓ. (بخاری)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جمع مصحف کے بارے میں روایت ہے۔ فرمایا کہ میں نے عمر سے کہا کہ ہم ایسا کام کس طرح کر سکتے ہیں۔ جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو عمر نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ فعل خیر ہے۔ اور عمرؓ برابر مجھ سے مراجعت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کام کیلئے میرا شرح صدر فرمادیا اور جس کام کو عمرؓ نے مناسب سمجھا میں نے بھی مناسب سمجھا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابتداء میں اس کو ترک فعل سمجھتے تھے۔ اس لئے بدعت قرار دیتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو عدم فعل سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کو جائز سمجھتے تھے۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی عدم فعل ہونا واضح ہو گیا تب آپ نے بھی جائز سمجھ لیا۔

زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ بھی جمع مصحف کو ابتداء میں بدعت سمجھتے تھے.

عن زيد بن ثابت في جمع المصحف ايضاً مثل ذلك. (بخاری)

زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی جمع مصحف کے بارے میں اسی طرح کی روایت ہے۔

بعد طلوع فجر سنت کے علاوہ تنفل بدعت ہے:

وفي الهدايه. يكره ان يتنفل بعد طلوع الفجر باكثر من ركعتي الفجر لانه عليه السلام لم يزد عليها مع حرصه على الصلوة. (ہدایہ کتاب الصلوٰۃ)

مکروہ ہے بعد طلوع فجر کے فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ نفل پڑھنا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود حرص علی الصلوٰۃ کے ان دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا۔

عیدگاہ میں قبل نماز عید نفل پڑھنا بدعت ہے:

لایتنفل فی المصلی قبل العید لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوۃ۔ (ہدایہ، باب العید)

عیدگاہ میں قبل عید نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود حرص علی الصلوۃ کے ایسا نہیں کیا۔

عیدالفطر کے دن تکبیر بالجہر بدعت ہے:

طوالع الانوار حاشیہ در مختار میں ہے

رفع الصوت بالذکر بدعة یعنی یوم عیدالفطر فیقتصر ای علی مورد الشرع فانه مکروه عندالعامة تحریماً علی الظاهر لتعلیلهم بان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم یفعله.

یعنی عیدالفطر کے دن باآواز بلند تکبیر کہنا بدعت ہے۔ لہٰذا وہ مورد شرع پر منحصر رہے گا۔ کیونکہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ اور فقہاء نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔

بیس رکعت سے زیادہ تراویح بدعت ہے:

امالی اور کفایہ شعبی میں باب الصوم میں ہے

الامام اذا اتم التراویح بعشر تسلیمات وقام وشرع فی الحادی عشر علی ظن انها عاشر ثم علم انهُ زیادة فالواجب علیه وعلی القوم ان یفسدوا ثم یقضون وحدانا لان الصحابة اجتمعوا علی هذا المقدار فالزیادة علیه محدث وکل محدث بدعة۔ وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار

یعنی امام نے جب تراویح کو دس سلاموں کے ساتھ پورا کرلیا۔ اور گیارہویں سلام کو شروع کیا۔ یعنی اکیسویں رکعت شروع کردی، یہ سمجھ کر کہ یہ دسویں سلام والی تراویح ہے۔ پھر جانا کہ یہ دس سلام سے زائد ہے تو اس پر اور پوری جماعت پر واجب ہے کہ نماز کو توڑ دیں۔ (پھر چونکہ نفل نماز شروع کرنے سے واجب ہوجاتی) اسلئے سب لوگ اس کی قضا کریں۔ مگر تنہا تنہا قضا پڑھیں۔ اسلئے کہ حضرت صحابہ کا اس مقدار پر جماع ہے۔ لہذا اس مقدار سے زیادہ کرنا محدث ہے اور ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔ (اور تنہا تنہا اسلئے پڑھیں کہ نفل کا جماعت سے پڑھنا شروع نہیں ہے۔ لہذا باجماعت پڑھنا تداعی واہتمام میں داخل ہوکر بدعت ہوجائیگا۔

ختم قرآن کے وقت دعا اجتماعاً بلکہ مطلقاً بدعت ہے:

فتاویٰ کبیری، درمختار، فتاویٰ عجیب، فتاوی ابراہیم شاہی اور کنز العباد فی شرح اوراد میں ہے کہ:

یکره الدعاء عند ختم القرآن فی شهر رمضان وعند ختم القرآن بجماعة لان هذا لم ینقل عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ولا عن الصحابة.

ماہ رمضان میں ختم قرآن کے وقت دعا کرنا اور اسی طرح ختم قرآن کے وقت مل کر دعا کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ منقول نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے (لہٰذا بدعت ہے)

کسوف کے وقت خطبہ بدعت ہے:

ولیس فی الکسوف خطبة لانه لم ینقل.

صلوٰۃ کسوف میں خطبہ نہیں ہے کیونکہ خطبہ منقول نہیں ہے۔

صلوٰۃ الرغائب بدعت ہے:

کبیری صفحہ ۴۳۳ میں صلوٰۃ ارغائب کے بدعت ہونے کی دلیل بیان کی ہے کہ

ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدهم من الائمۃ المجتهدین لم ینقل عنهم	یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ان کے بعد کے مجتہدین عالی مقام سے منقول نہیں ہے۔

سورۂ کافرون مع الجمع پڑھنا بدعت ہے:

عالمگیری جلد ۴/ ۲۶۴ اور نصاب الاحتساب میں ہے:

قرأۃ الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروہ لانها بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃ والتابعین.	سورۂ کافرون کا آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔ اور صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے صلوٰۃ ضحیٰ کو بدعت فرمایا:

روی ان ابن عمرؓ قال فی صلوٰۃ الضحیٰ انها بدعۃ (احکام الاحکام)	یعنی ابن عمرؓ نے صلوٰۃ ضحیٰ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے

فاذا عبداللّٰہ بن عمر جالس الی حجرۃ عائشۃ والناس یصلون الضحیٰ فی المسجد فسألناہ عن صلوتهم فقال بدعۃ. (بخاری مسلم)	تو ناگہاں دیکھا کہ عبداللہ بن عمرؓ حجرۂ عائشہؓ کے پاس تشریف رکھتے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے حضرت ابن عمر سے ان لوگوں کی نماز کے بارے میں دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔

چاشت کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنفلاً ثابت ہے لیکن چونکہ آپ کے زمانہ میں یہ ہیئت اجتماعی خاص اہتمام سے مسجد میں نہیں پڑھی جاتی تھی۔ مطلق نفل کو خاص اہتمام واظہار سے سنت مسلوکہ کا درجہ دے کر پڑھنا امر زائد سے مقید کردینا ہے۔ اسی زائد سے مقید کردینے کو حضرت عبداللہ بن عمر نے بدعت فرمایا:

چنانچہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ.

مرادہ ان اظهارها فی المسجد والاجتماع لها هو بدعۃ لا ان اصل صلوٰۃ الضحیٰ بدعۃ.	حضرت ابن عمر کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کرکے اور اجتماع واہتمام کرکے پڑھنا بدعت ہے۔ نہ یہ کہ اصل صلوٰۃ ضحیٰ بدعت ہے۔

قال الشاطبی قال الطرطوشی:

فحمله عدنا علی وجهین انهم یصلونها جماعۃ واما افراداً علی هیئۃ النوافل فی اعقاب الفرائض.	علامہ شاطبی نے فرمایا کہ طرطوشی نے کہا کہ اس کا محمل ہمارے نزدیک دو ہیں۔ یا تو وہ صلوٰۃ ضحیٰ جماعت کے ساتھ ادا کررہے تھے۔ یا تنہا تنہا ہی نوافل ہی کی ہیئت پر پڑھ رہے تھے۔ لیکن فرض کے فوراً بعد پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ نے نماز عصر میں قنوت پڑھنے کو بدعت فرمایا:

وقال فی القنوت الذی کان یفعله الناس فی عصرہ انه بدعۃ. (احکام الاحکام)	اور ابن عمر نے اس قنوت کے بارے میں جو کہ لوگ عصر میں پڑھتے تھے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔

حضرت ابو مالک اشجعی صحابی نے دیگر فرائض میں بھی قنوت کو بدعت فرمایا:

عن ابی مالک الاشجعی قال قلت لابی یا ابت انک قد صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وعلی ههنا بالکوفة نحوا من خمس سنین کانوا یقنتون قال ای بنی محدث۔

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ابو مالک اشجعی سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے پیارے باپ! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین اور پانچ برس کے قریب علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے۔ تو میرے باپ نے کہا کہ اے پیارے بیٹے! یہ محدث اور بدعت ہے۔

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن المغفل نے نماز میں بسم اللہ بالجہر کو بدعت فرمایا:

عن ابن عبداللّٰہ بن المغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰة اقول بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قل ولم ارا احدا من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان ابغض الیه الحدث

ابن عبداللہ المغفل سے روایت ہے فرمایا کہ میں نماز میں تھا اور بآواز بلند بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتا تھا میرے والد محترم نے سنا تو مجھ سے فرمایا اے پیارے بیٹے یہ بدعت ہے۔ خبردار! بدعت سے بچو! اور فرمایا کہ میں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس

فی الاسلام یعنی منه وقد صلیت مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومع ابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احداً مهم یقولها فلا تقلها اذا انت صلیت فقل الحمدللّٰہ رب العلمین۔

کے نزدیک اسلام میں حدث (بدعت) سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض ہو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر اور عثمان کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور کسی کو میں نے نہیں دیکھا کہ وہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتا ہو۔ لہٰذا جب تو نماز پڑھے تو الحمدللہ رب العالمین پڑھا کر۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد میں بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی فرمایا اور ان کو مسجد سے نکلوا دیا:

عن ابن مسعود انه سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علی النبی جهراً فراح الیهم فقال ما عهدنا ذلک علی عهده صلی اللّٰہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجهم من المسجد۔

(طوالع الانوار حاشیہ درمختار، مجالس الابرار، فتاوی برازیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کے بارے میں سنا کہ وہ ایک مسجد میں اکٹھا ہوتے ہیں اور بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کو نہیں پایا۔ میں تو تم لوگوں کو مبتدع ہی سمجھتا ہوں۔ اور آپ برابر یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ ان لوگوں کو مسجد سے نکال ہی کر چھوڑا۔

کلمہ طیبہ نیز درود شریف بہت بڑی عبادت ہے۔ شریعت میں ان دونوں عبادتوں کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہے۔ لیکن اجتماعی صورت اور جہر سے ان کو مخصوص کر دینا ان عبادتوں کو بدعت بنا دیتا ہے۔ کیونکہ تخصیص مذکور شارع سے ثابت اور منقول نہیں ہے۔

احرج ابوعبدالرحمن السلمي في كتابه كان عمرو بن عتبة ومعضد في اناس من اصحابها اتخذوا مسجداً يسبحون فيه بين المغرب والعشاء كذا يهللون كذا ويحمدون كذا فاخبر بذلك ابن مسعود فقال الذى احبره اذا جلسوا فاذني فلما جلسوا اذنه فجاء عبدالله عليه برنسه حتى دخل عليهم وكشف البرنس عن راسه ثم قال انا ابن ام عبد لقد جئتم ببدعة ظلما او قد فضلتم اصحاب محمد علماً فقال معضد وكان رجلا متفوها والله ماجئنا ببدعة ظلما ولا فضلنا اصحاب محمد فقال عبدالله لئن اتبعتم القوم لقد سبقوكم سبقا بينا ولئن جرتم يمينا وشمالاً لقد ضللتم ضلالا بعيداً.

ابوعبدالرحمٰن السلمی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ عمرو بن عتبہ اور معضد مع اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک مسجد کو اڈا بنا کر مغرب وعشاء کے درمیان اپنی رائے سے مخصوص طور پر کچھ تعداد سبحان اللہ اور کچھ لاالٰہ الا اللہ اور کچھ الحمدللہ پڑھتے تھے اس کی خبر حضرت عبداللہ بن مسعود کو دی گئی۔ تو حضرت ابن مسعود نے خبر دینے والے سے فرمایا کہ جب وہ بیٹھیں تو مجھ کو خبر کرنا۔ چنانچہ جب وہ لوگ بیٹھے۔ تو آپ کو خبر دیا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود تشریف لائے اور اس وقت آپ کے اوپر نقاب دار ٹوپی تھی۔ آپ ان لوگوں کے پاس پہنچے۔ اور اپنے سر سے ٹوپی اتار دی۔ پھر فرمایا میں ابن ام عبد ہوں۔ یقیناً تم نے بہت ہی تاریک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا تم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے علم میں افضل ہو۔ اس پر معضد نے کہا۔ اور معضد ایک فضول گو آدمی تھے۔ کہ اللہ کی قسم! ہم نے سیاہ بدعت کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور نہ ہم اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اگر تم قوم کی اتباع کرو گے تو یقیناً بڑا رتبہ پاؤ گے اور اگر تم داہنے اور بائیں پھرے تو یقیناً بہت بڑی گمراہی میں پڑو گے۔

تبلیغ مروجہ کے موجودہ قیود وتخصیصات کے جو مقتضیات اور دواعی بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ سب قرون ثلاثہ میں موجود تھے۔ جس طرح امور مذکورہ بالا کے دواعی موجود تھے۔ لیکن قرون ثلاثہ میں ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ اسی لئے حضرات صحابہ وعلمائے کاملین نے ان پر بدعت کا حکم جاری فرمایا۔ کیونکہ ایسی صورت میں ان کی حیثیت ترک فعل کی ہے۔ عدم فعل کی نہیں۔ تو تبلیغ مروجہ کے قیود وتخصیصات باوجود دواعی اور مقتضیات کے قدیم ہونے کے کیوں نہ متروک سمجھے جائیں گے۔ اور کیوں ان پر بدعت کا حکم جاری نہ ہوگا۔ اور جو قید قرون ثلاثہ میں ثابت ہو لیکن وظیفہ تبلیغ سے خارج ہو مثلاً چلہ وغیرہ اگر اس کا وجود ثابت کیا جائے تو ضروری ہے کہ قرون ثلاثہ میں اس کا وظیفہ تبلیغ ہونا بھی ثابت کیا جائے ورنہ وہ بھی متروک ہی سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ مثلاً سیدنا ابن عمرؓ نے چھینک کے موقع پر الحمدللہ کے ساتھ السلام علی رسول اللہ کو وظیفہ

عطاس سے خارج ہونے کی وجہ سے منع فرمایا۔ جیسا کہ اوپر بایں الفاظ اس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ کہ۔

> ''اتنی بات اور معلوم ہوگئی کہ جس چیز کا جس قدر وظیفہ شارع علیہ السلام نے بتلادیا ہے اس پر اپنی رائے سے وہ اضافہ بھی جائز نہیں جو اگرچہ فی نفسہٖ مستحب اور عمل فاضل ہے مگر اس سے خارج ہے۔ جیسا کہ السلام علی رسول اللہ منجملہ اعمال فاضلہ و مستحبہ ہے۔ مگر مطلق ہے۔ اور وظیفۂ عطاس سے خارج ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کو منکر و بدعت سمجھا۔
>
> اہل بدعات جو یہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں عمل کی صریح ممانعت نہیں ہے اور اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ ان نصوص سے اس بات کا اچھی طرح جواب ہوگیا کہ جو چیز قرون ثلاثہ سے منقول نہ ہو اور اس کی حیثیت ترک فعل کی ہو تو اس کا احداث بدعت ہے۔

اجزاء کے مباح ہونے سے ہیئت مرکبہ مجموعہ کا جائز و مباح ہونا ضروری نہیں۔ اگر قرون ثلاثہ میں اس ہیئت ترکیبیہ مجموعہ کا وجود شرعی نہیں۔ تو اسکا احداث بدعت ہے

چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا جائز و مستحب ہے۔ اور السلام علی رسول اللہ کہنا مطلقاً جائز اور مستحب ہے۔ مگر چھینک کے موقع پر دونوں کا ملانا بدعت ہے۔

عن نافع ان رجلا عطس الی	حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک
جنب ابن عمرؓ فقال	آدمی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس
الحمدللہ والسلام علی	چھینک آئی تو اس نے کہا کہ الحمدللہ
رسول اللہ قال ابن عمرؓ وانا	والسلام علی رسول اللہ، تو ابن عمر نے فرمایا

اقول الحمدللہ والسلام	کہ میں بھی الحمدللہ اور السلام علی رسول
علی رسول اللہ ولیس ھکذا	اللہ کہتا ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علمنا رسول اللہ صلی اللہ	نے اس طرح ہم کو نہیں سکھایا۔ بلکہ ہم کو
علیہ وسلم علمنا ان نقول	سکھایا ہے کہ ہم اس موقع پر ہمیشہ صرف
الحمد للہ علی کل حال.	الحمدللہ کہیں۔

حالانکہ الحمدللہ کہنا اور السلام علی رسول اللہ منجملہ مستحبات اور اعمال فاضلہ میں سے ہے مگر چونکہ وظیفۂ عطاس سے خارج ہے۔ دونوں مستحب اجزاء کو ملایا تو وہ بدعت سمجھا گیا۔

نفل پڑھنا بھی جائز و مستحب۔ اور عید کی نماز بھی جائز۔ مگر دونوں کے ملانے کو حضرت علیؓ نے منع فرمایا۔ جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

صلوٰۃ ضحیٰ بھی مستحب اور عمل صالح کے لئے تداعی و اہتمام بھی جائز۔ مگر صلوٰۃ ضحیٰ نافلہ کے ساتھ تداعی و اہتمام ملانے کو بدعت قرار دیا گیا۔ ''ضرور نیست کہ بقائے ہمہ کیفیات اجزا بعینہا در مرکب، بلکہ جائز است کہ در مجموعہ چیزے پیدا شود کہ در واحد از اجزائے مجموعہ نہ بود'' **''قال التفتازانی فی شرح العقائد، ربما یکون مع الاجتماع مالا یکون مع الانفراد کقوۃ الحبل المؤلف من الشعرات''**

یعنی مرکب مجموعہ میں اجزاء کی تمام کیفیت و صفات کا بعینہا باقی رہنا ضروری نہیں۔ بلکہ جائز ہے کہ مجموعہ میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوجائے جو کہ مرکب اور مجموعہ کے جزء میں نہ ہو۔ علامہ تفتازانی شرح العقائد میں فرماتے ہیں کہ بسا اوقات اجتماع میں وہ بات پیدا ہوجاتی ہے جو انفراد کی حالت میں نہیں ہوتی جیسے کہ ایک بال اور بہت سے بالوں کو ملا کر بنائی ہوئی رسی۔

امام شاطبی الاعتصام جلد ۱/ ۳۴۵ پر فرماتے ہیں:

فاذا اجتمع فی النافلۃ ان تلتزم التزام السنن الرواتب اما دائما واما فی اوقات محدودۃ وعلی وجہ محدود، واقیمت فی الجماعۃ فی المساجد التی تقام فیہا الفرائض او المواضع اللتی تقام فیہا السنن الرواتب فذلک ابتداع، والدلیل علیہ انہ لم یات عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولا عن اصحابہ ولا عن التابعین لھم باحسان فعل ھذا المجموع ھکذا مجموعاً وان اتی مطلقاً من غیر تلک التقیدات فالتقیید فی المطلقات اللتی لم یثبت بدلیل الشرع تقیدھا رای فی التشریع.

جب نفل نماز کے ساتھ سنن رواتب کا سا التزام خواہ دائمی طور پر ہو یا اوقات محدودہ میں اور کوئی مخصوص ہیئت اور طریقہ، ان مساجد میں کہ جس میں فرائض قائم کی جاتی ہیں۔ جماعت کے ساتھ قیام یا سنن رواتب کے اقامت کی جگہوں میں ان نوافل کا قیام یہ متعدد امور مجتمع ہو جائیں تو یہ ابتداع ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ مجموعہ مجموعی حیثیت سے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ آپ کے اصحاب اور نہ تابعین سے۔ گو بغیر ان تقیدات کے مطلقاً ثابت ہے۔ پس مطلقات میں وہ تقیید جو بدلیل شرع ثابت نہ ہو۔ شریعت میں رائے زنی اور دست اندازی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ براہین قاطعہ صفحہ ۷۸ پر فرماتے ہیں.

"سنن کا مجموعہ بھی وہ ہی محمود ہوتا ہے کہ خالی کراہت و بدعت سے ہو اور جمع موافق شرع کے ہو۔ ورنہ جمع سنن سے کراہت بھی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو کہ قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا سنت تھا۔ اور نماز سنت تھی۔ مجموعہ مکروہ مشابہ باہل کتاب ہو گیا۔ اور رکوع مشروع، اور قرآن مشروع جمع دونوں کا مکروہ ہوا۔ وعلیٰ ہذا مگر مؤلف نے ایک قاعدہ سیکھ لیا ہے کہ جس کے مفردات اجزاء مباح ہوں گے مرکب بھی مباح رہے گا اور یہ خود ناتمام ہے"

مولف انوار ساطعہ نے کہا تھا کہ فاتحہ مرسومہ اور سیوم وغیرہ میں عبادت بدنی و مالی کا اجتماع ہے اور ہر دو جائز ہیں۔ دونوں جمع کرو تو کہتے ہیں ثابت نہیں۔ تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مفتی شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ گوشت حلال و برنج حلال اور زعفران حلال سے مرکب ہے۔ اور ان مباحات کا مجموعہ مباح تو اس کے جواب میں کوئی بیہودہ سر پھوڑنے کو تیار ہو جاوے کہ صاحب یہ سب جدا جدا ثابت لیکن ہم تو جانیں کہ اس کے مجموعہ کا ذکر قرآن یا حدیث میں کہیں دکھاؤ۔ یہ حرف کہاں لکھے ہیں۔ کہ بریانی کھانا درست ہے۔ پس جس طرح اس بے ہودہ کو سب عقلاء خفیف العقل اور قابل مضحکہ جانیں گے اسی درجہ میں ان صاحبوں کی بات ہے۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ براہین قاطعہ میں فرماتے ہیں:

"فی الواقع مولف معنی سے بے خبر ہے۔ اس کو بتلانا چاہئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ طعام کو روبرو رکھا جائے۔ اور اس کو رکھ کر قرآن پڑھا جائے اور مسلمان اپنی زبان سے ثواب پہنچائے۔ اور بدوں اس کے ایصال ثواب طعام کا نہ ہو۔

یہ ہیئت کہیں قرون ثلاثہ میں ثابت نہیں۔ بدعت ہے یہ معنی ہیں پھر مولف نے خود ہی اپنے ذہن سے معنی تجویز کئے کہ مرکب کرنا مالی وبدنی کا مراد ہے۔ سو یہ غلط ہے۔ بلکہ یہ ہیئت حاصلہ مراد ہے۔ نہ نفس ترکیب کہ ہیئت حاصلہ میں تشبہ ہنود کا بھی ہے۔ اور تقیید مطلق کی بھی۔ چنانچہ واضح ہووے گا۔

اور پھر مولف نے مثال بریانی کی لکھی ہے کہ سب اجزاء مباح ہیں تو مرکب بھی مباح ہوگا۔ اور یہ مثال خود مخدوش ہے۔ کیونکہ اگر سب اجزاء مباح سے ترکیب ہو اور پھر ہیئت حاصلہ بھی مباح ہو اس وقت اباحت ہوتی ہے۔ اور اگر ہیئت میں کراہت یا حرمت آجاوے گی تو مرکب کا حکم بدل جاوے گا۔ جیسا کہ بریانی ہے۔ کہ بعد ترکیب مباحات کی ہیئت بھی مباح حاصل ہوئی ہے۔ مگر اس ترکیب میں زعفران کا سُکر ظاہر ہو جاوے تو بہ سبب مسکر ہونے کے حرام ہو جاوے گی۔ حالانکہ سب اجزاء مباح تھے۔ تمر اور پانی کا نبیذ بنایا جاوے۔ بعد کف دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی۔ حرام ہو گیا علی ہذا فاتحہ میں طعام وقرآن کی ہیئت ترکیب میں جو تشبہ حاصل ہوا۔ اور تقیید مطلق آیا بدعت مکروہ ہو گیا۔ اگر مولف کو فہم نہ تھا تو کسی سے پوچھ لیتا۔ مگر اس کو تو خود رائی وخود پسندی نے ذلیل کرایا۔ خود خفیف العقل ہے۔ اور مضحکہ خیز بات کرتا ہے۔

اور منع ہونے اس ہیئت ترکیب فاتحہ کی نص کی جو طلب ہے تو سنو! "ایاکم ومحدثات الامور الحديث ومن تشبه بقوم فهو منهم" (الحدیث) اس سے چشم روشن کرو۔ شرح آگے آتی ہے۔ اور اپنے اس دعویٰ کو کہ ممانعت جمع بین العبادتین کی نص نہیں۔ محض کم فہمی سمجھو کہ کلام اس ہیئت ترکیبیہ میں ہے کہ اس میں کوئی امر غیر مشروع پیدا ہو جاوے نہ مطلق ترکیب میں۔ پہلے آدمی کلام کو سمجھے پھر بولے ورنہ خوار ہوتا ہے۔

اور صفحہ ۹۹ پر فرماتے ہیں:

پہلے لکھا گیا کہ ایصال ثواب کلمہ اور قرآن کو کوئی منع نہیں کرتا۔ مولف بے سود تطویل کرتا ہے۔ مفتیوں نے جواب میں ایصال ثواب کو مستحسن لکھا ہے۔ مگر مولف آنکھ نہیں رکھتا۔ مولف نے یہ قاعدہ ذہن نشین کر لیا ہے کہ جو حکم اجزاء کا ہوتا ہے وہ ہی مجموعہ مرکبہ وہیئت ترکیبیہ کا ہوتا ہے۔ اور اس کا پہلے بطلان ہو چکا ہے پس اب جو فضائل کلمہ کے اور ایصال ثواب کے لکھتا ہے کسی کو منع نہیں۔ لہٰذا اس میں کلام کرنا ہی حاجت نہیں۔ کلمہ کو کس نے بدعت کہا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ☆ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

تبلیغ مروجہ کے مجموعہ مرکبہ اور ہیئت ترکیبیہ کے سے وجود شرعی نہ ہونا بالکل ظاہر ہے قرونِ ثلاثہ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی چودہ سو سال تک اس ہیئت ترکیبیہ مجموعہ کا پتہ ونشان نہیں۔ اجتماع ہو، اس میں تشکیل جماعت ہو، چلہ دیا جائے، صرف چھ باتیں ہوں۔ ہر مقام پر وہاں کی مسجد میں قیام ہو، صرف ایک رات کے لئے قیام ہو، خاص طریقے سے وقت معینہ پر گشت ہو، مسجد سے نکل کر گشت سے پہلے اور خروج وسفر سے پہلے اجتماعی دیر دیر تک دعا ہو اور جہر کے ساتھ ایک آدمی دعا کرے اور سب لوگ زور زور سے آمین کہیں، پھر گشت میں لوگوں کو مسجد میں مجتمع ہونے کی کوشش ہو، اس اجتماع میں تقریر ہو، مقرر خواہ جاہل اور فاسق معلن ہی ہو، صرف فضائل بیان کرنے پر اکتفا ہو وغیرہ اور ہر جگہ اور مقام پر یہی مخصوص طریقہ اختیار کیا جائے، کہیں اس کے خلاف نہ ہو اور اگر کوئی ذرا بھی قول اور فعل میں ضرورت اور تقاضائے مقام وحال سمجھ کر اس کے خلاف کرے تو کہا جائے کہ یہ ہمارے اصول اور معمول کے خلاف ہے۔ خواہ وہ قول وفعل شریعت کے موافق ہو اور اسکو مطعون کیا جائے، تو یہ ہیئت مجموعی کذائی تو قرون ثلاثہ میں نہ تھی بلکہ قرون اولیٰ سے لیکر اب تک کا زائد از ہزار برس اس سے خالی ہے۔

اگر تخصیص منقول نہیں ہے لیکن ترک نہیں بلکہ عدم فعل ہے تو امور مباحہ سے تخصیص اس شرط سے جائز ہے کہ کوئی قبح ومفسدہ لازم نہ آئے

امام شاطبی الاعتصام/۳۶۰ فرماتے ہیں۔

ان ھذا اصلا لھذہ المسئلة	اس مسئلہ کے متعلق ایک شرعی اصول ہے
لعل اللّٰہ یمع بہ من انصف	شاید انصاف پسند کو اللہ تعالیٰ اس سے نفع
من نفسہ، وذلک ان	دے وہ یہ کہ کسی مسئلے میں حضرت شارع کا
سکوت الشارع عن الحکم	حکم سے سکوت فرمانا یا ترک فرمانا کسی وجہ
فی مسئلة ما او ترکہ لامر	سے دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک عدم ہے
ما علی ضربین.	دوسرا ترک ہے۔

ترک کا بیان اور حکم اوپر بیان ہو چکا ہے اور وہی ضرب ثانی تھا۔ جو بحوالہ شاطبی ذکر کیا گیا۔ اب یہاں ضرب اول یعنی سکوت شارع بحیثیت عدم بیان کیا جاتا ہے۔

چنانچہ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں۔

احدھا ان یسکت عنہ او	یعنی ایک تو یہ ہے کہ کسی مسئلے میں شارع حکم
یترکہ لانہ لاداعیة لہ	سے سکوت اس لئے کرے کہ اس حکم کا کوئی
تقتضیہ، ولا موجب یقرر	داعیہ نہیں تھا کہ اس حکم کو مقتضی ہوتا۔ کوئی
لاجلہ، ولا وقع سبب	موجب نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے حکم کا تقرر
تقریرہ کالنوازل الحادثة	ہوتا اور نہ اس حکم کی تقریر کا کوئی سبب واقع ہوا
بعد وفاة النبی صلی اللّٰہ	جیسے وہ نئے واقعات جو بعد وفات نبی صلی
علیہ وسلم فانھا لم تکن	اللہ علیہ وسلم حادث ہوئے۔ اور چونکہ وہ
موجودة ثم سکت عنھا	موجود ہی نہ تھے اس لئے سکوت کا سوال ہی
مع وجودھا وانما حدثت	نہیں پیدا ہوتا۔ لہٰذا اہل شریعت کو ان نئے
بعد ذلک فاحتاج اھل	واقعات کے بارے میں حکم شرعی معلوم
الشریعة الی النظر فیھا	کرنے کے لئے غور وفکر کرنے کی حاجت
واجرائھا علی ماتبین فی	ہوئی اور انہوں نے ان نئے واقعات کو ان
الکلیات التی کمل بھا	کلیات پر جاری کیا جو شریعت میں متبین اور
الدین کجمع المصحف	واضح ہو چکے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے دین
ثم تدوین الشرائع وما	مکمل ہوا ہے۔ مثال کے طور پر جیسے جمع
اشبہ ذلک.	مصحف پھر شرائع کی تدوین اور ان جیسے کام۔

اور حضرت مولانا تھانویؒ کا ارشاد بحوالہ دعوات عبدیت حصہ اول کے مجادلات معدلت صفحہ ۲۴۷ پر گذر چکا ہے۔

اصول شرعیہ نیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلم ہے کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ یعنی نصوص شرعیہ میں نہ اس کے کرنے کی ترغیب ہو۔ اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ایسا امر مباح ہوتا ہے اور ہر چند کہ مباح فی حد ذاتہ نہ طاعت ہے نہ معصیت، مگر عوارض خارجیہ کے اعتبار سے ممکن ہے کہ کبھی طاعت بن جائے اور کبھی معصیت ہو جائے۔ مثلاً چلنا کہ ایک فعل مباح ہے نہ اس پر ثواب نہ عقاب، مگر ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی مصلحت ومنفعت ہو جس سے یہ عبادت ہو جائے۔ مثلاً مسجد یا مجلس وعظ کی طرف چلنا۔ یا کسی مبتلائے محن کی امداد وعیادت یا تعزیت کے لئے چلنا۔ اور ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی مضرت ومفسدہ ہو جس سے یہ معصیت ہو جائے۔ مثلاً ناچ دیکھنے کو یا شراب خواری کے لئے چلنا۔ یہی وجہ ہے کہ کھانے، پینے، پہننے، رہنے سہنے

وغیرہ عادات میں مختلف اقسام وانواع کا استعمال کرنا مباح ہے۔ اگرچہ ثبوت فعل جناب شارع علیہ السلام سے نہ ہو۔ مثلاً چلنا مباح ہے تو جس طرح پیدل چلنا مباح ہے اسی طرح سواری پر چلنا بھی مباح ہے۔ اور وہ سواری اونٹ ہو یا گھوڑا، گدھا ہو یا خچر، بگھی ہو یا رتھ، ریل ہو یا جہاز کوئی ہو۔ اسی طرح ہر قسم کا لباس پہننا اور ہر قسم کے فرش اپنے گھر میں یا مسجد میں بچھانا مباح ہے۔ بشرطیکہ محذورات شرعی اور مضرت لازمی ومتعدی سے بچیں۔

مضرت ومفسدہ دو قسم کا ہے۔ (۱) **لازمی** (۲) **متعدی**

(۱) لازمی وہ جس سے خود فاعل کو ضرر پہنچے۔ اور اسی کو علما کہا جاتا ہے۔ یعنی خود فاعل کا عقیدہ اور علم فاسد ہو جائے۔

(۲) متعدی وہ جس سے دوسروں کو ضرر پہنچے اور اس کو عملاً کہا جاتا ہے۔ یعنی فاعل کے عمل سے دوسروں کا عقیدہ یا علم فاسد ہو جائے۔

جس طرح فعل مباح بعد لزوم ضرر لازمی کے واجب الترک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بوجہ ترتب ضرر متعدی کے ممنوع ہو جاتا ہے۔

مضرت لازمی ہو یا متعدی، وہ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک مباح کا معصیت بن جانا۔ دوسرا مباح کا بدعت ہو جانا۔

مضرت لازمی جو معصیت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ تکبر، اسراف اور خیلاء وغیرہ اس کا معارض ہو جائے۔

عن ابن عباسؓ قال کل ماشئت والبس ماشئت ما اخطاتک ثنتان سرف ومخیلة. (رواہ البخاری، مشکوٰۃ)

ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو۔ جب تک کہ دو چیزیں تمہارے اندر نہ ہو۔ اسراف اور کبر

وعن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا مالم یخالط اسراف ولا مخیلة. (رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ)

عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک کہ تم سے اسراف اور کبر نہ مل جائیں۔

یہ نظیر ہے اس مباح کی کہ فی نفسہ امر مباح تھا۔ لیکن جب اس میں مفسدہ اور ضرر پیدا ہو گیا تو ناجائز اور مکروہ وممنوع ہو گیا۔ مگر یہ مفسدہ وضرر لازمی ہے کہ اس کا فساد اور ضرر فاعل ہی تک محدود رہتا ہے۔ لہٰذا فاعل گنہگار ہوگا۔ واجب ہے کہ اس فعل مباح کو ترک کر دے۔

اسی طرح مفسدہ وضرر متعدی کی صورت میں بھی فعل مباح کا ترک کرنا ضروری ہوگا۔ اور اس فعل کا کرنا ممنوع ومعصیت ہوگا۔ مثلاً کوئی ایسا مریض کہ جس کا مرض محسوس نہیں۔ اور طبیب حاذق نے اس کو افطار صوم کی اجازت دیدی تو گو اس کو کھانا پینا فی نفسہ علی الاعلان جائز ہے۔ مگر جس مقام پر یہ احتمال ہو کہ دوسرے لوگ یہ حالت دیکھ کر روزہ کی بے وقعتی کر کے اپنا روزہ تباہ کر دیں گے۔ تو اس مقام پر یہ امر جائز بھی ناجائز بن جائے گا۔ بلکہ اس کا اخفا ضروری ہوگا۔ اور یہ امر بہت ظاہر ہے۔

امام شاطبی الاعتصام جلد۲/ ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

فکل عمل اصله ثابت شرعاً الا ان فی اظهار العمل به والمداومة علی مایخاف ان یعتقد انه سنة فترکه مطلوب.

ہر وہ عمل جس کی اصل شرعاً ثابت ہو۔ مگر یہ کہ اس عمل کے اظہار اور مداومت سے خوف ہو کہ اس کو سنت سمجھ لیا جائے گا۔ تو اس کا ترک مطلوب ہے۔

پس یہ امور گو فی حد ذاتہٖ مباح ہیں مگر ان عوارض خارجیہ ضرر۔ وفساد لازمی ومتعدی کی وجہ سے ممنوع ومعصیت ہوگئے۔ کیونکہ ضرر وفساد لازمی ہو یا متعدی منہی عنہ ہیں۔ اور جائز کے ساتھ ناجائز کے مل جانے سے جائز امر بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ "اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام" یعنی جب حلال اور حرام مل جائیں تو مجموعہ حرام ہی ہوتا ہے۔ مشہور مسئلہ ہے۔

اور مضرت جو بدعت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ فعل کو علماً یا عملاً اپنے درجہ پر نہ رکھا۔ چنانچہ اگر مباح کو درجۂ اباحت پر نہ رکھا۔ بلکہ اس کو مستحب یا سنت یا واجب اعتقاد کیا یعنی عبادت مقصودہ سمجھا۔ اور اس کو کار ثواب سمجھا اور ترک کو موجب عقاب تو پھر یہ امر مباح بدعت ہو جائے گا۔ اور یہ ضرر وفساد لازمی ہے۔ کہ تغییر شرع اور تعدی حدود اللہ ہے۔ اور اگر خود فاعل نے تو اس کو مباح ہی سمجھا۔ فعل کو اپنے مرتبہ ہی پر رکھا۔ لیکن اس مباح کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ عوام اس کو درجۂ اباحت سے بڑھا کر سنت یا مستحب واجب سمجھنے لگے تو بھی بدعت ہو جائے گا۔ اور یہ ضرر وفساد متعدی ہے۔

عالمگیری بیان سجدات میں ہے

ما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ لان الجھال یعتقد ونھا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یوﺅدی الیہ مکروہ (کذافی الزاہدی)	یہ جو نماز کے بعد (سجدہ) کیا جاتا ہے مکروہ ہے۔ اس لئے کہ جاہل لوگ اس کو سنت یا واجب اعتقاد کرنے لگیں گے اور جو مباح اس کی طرف موﺅدی ہو مکروہ ہے۔ ایسا ہی زاہدی میں ہے۔

تاتارخانیہ اور عالمگیری میں ہے:

یکرہ للانسان ان یختص لنفسہ مکانا فی المسجد یصلی فیہ.	آدمی کیلئے مسجد میں کسی خاص جگہ کو نماز پڑھنے کیلئے مخصوص کر لینا مکروہ ہے (کیونکہ اس میں تقیید وتخصیص مطلق ہے جو کہ تغییر دین ہے)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب براہین صفحہ ۲۳ پر فرماتے ہیں:

"التزام کہ جس کو بدعت کہتے ہیں وہ ہے کہ مباح یا مستحب کو واجب یا سنت موکدہ اعتقاد کرے۔ یا مثل موکدات کے اس پر عمل درآمد کرے۔

صفحہ ۱۸۲ پر فرماتے ہیں:

"کسی جائز مطلق کے ساتھ اگر ایسے امور منضم ہو جائیں کہ وہ ممنوع ہوں تو مجموعہ ممنوع ہو جاتا ہے۔ اور جو ایسے امور منضم ہوں کہ مباح ہیں یا مستحب ہیں تو اگر درجۂ اباحت واستحباب پر رہیں تو درست ہیں۔ اور جو اپنے درجہ سے بڑھ جاویں تو بدعت ہو جاتے ہیں۔

ارشاد نبوی "**من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منہ فھو رد**" "یعنی جو ہمارے امر (دین) میں نئی بات ایجاد کرے تو وہ مردود ہے" کے تحت ملا علی قاری نے فرمایا کہ

"**فیہ اشارۃ الی ان احداث ما لاینازع الکتاب والسنۃ لیس بمذموم**" اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایسے امر کا احداث مذموم نہیں جو کتاب وسنت کا منازع نہ ہو۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

یعنی مالیس منہ سے مراد وہ چیز ہے جو مخالف ومغیر دین ہو۔

تو اس کے بارے میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ براہین قاطعہ صفحہ/۱۰۴ پر فرماتے ہیں

"مالیس منہ میں لفظ "ما" فرمایا ہے کہ لفظ عموم کا ہے پس محدث خواہ خود ذات شے ہو۔ خواہ وصف وقید شے کا ہو۔ خواہ حداث بلا واسطہ ہو خواہ بواسطہ، سب مردود ہوگا اور یہ قاعدہ بھی محفوظ رہے کہ مرکب مجوز اور ما یجوز سے ناجائز ہوتا ہے۔ پس غیر منازع کتاب وسنت کا وہی ہوتا ہے کہ جس کی دلیل جواز کی کتاب وسنت میں موجود ہو۔ علی ہذا مخالف ومغیر دین سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی وصف پیدا ہو جائے کہ جس سے تغییر حکم شرعی کی لازم آ جائے وہ بھی مالیس منہ میں داخل ہے۔ کوئی مباح کو سنت جانے یا سنت جیسا معاملہ کرے یا کسی مطلق کو مقید کرے۔ یا مقید کو مطلق کرے یا کسی غیر دین اسلام کے ساتھ تشبیہ لازم آوے کہ یہ سب "مالیس منہ" میں داخل ہے"۔

پھر اس کے آگے فرماتے ہیں:

"مجموعہ مقید کا بسبب قید کے غیر مشروع اور بدعت ہو جاتا ہے اصل کی وجہ سے غیر مشروع نہیں ہوتا۔ بلکہ قید کے سبب بدعت ہو جاتا ہے"۔

صفحہ ۵۶ پر فرماتے ہیں

"خود امر منصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس تاکد کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسا صلوٰۃ ضحیٰ کہ تداعی واہتمام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت فرمایا"۔

صفحہ ۶۲ پر فرمایا کہ

"حکم شارع کو اپنے محل ومورد پر قصر کرے۔ کسی وجہ سے تعدی نہ کرے۔ اگر کرے گا تو تغییر حکم شرع کا ہو جائے گا۔ اور تغییر حکم شرعی ہی کو بدعت کہتے ہیں"

ایسے امور مباح عادیہ غیر منقولہ تخصیص جو کسی مامور بہ کے موقوف علیہ ہوں کہ بغیر انکے مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا تو وہ تخصیص بدعت نہیں

حضرت مولانا تھانویؒ وعظ "السرور" میں فرماتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئیں (اگر وہ ایسی ہیں کہ) ان کا سبب داعی بھی جدید ہے۔ اور وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کی ہیں کہ بغیر ان کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا۔ جیسے کتب دینیہ کی تصنیف اور تدوین، مدرسوں اور خانقاہوں کی بنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی (گو ان کی اصل موجود تھی) اور سبب داعی ان کا جدید ہے اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ زمانہ خیریت نشانہ میں دین کی حفاظت کے لئے وسائط محدثہ میں سے کسی شے کی ضرورت نہ تھی۔ تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر نسبت سلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوت سے سب مشرف تھے۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھا کہ جو کچھ سنتے تھے۔ وہ سب نقش کالحجر ہو جاتا تھا۔ فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں۔ ورع وتدین بھی غالب تھا۔ بعد اس زمانہ کے دوسرا زمانہ آیا۔ غفلتیں بڑھ گئیں۔ قویٰ کمزور ہو گئے ادھر اہل اہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا۔ تدین مغلوب ہونے لگا۔ پس علمائے امت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا۔ پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین کی بجمیع اجزائہ تدوین کی جاوے۔ چنانچہ کتب دینیہ "حدیث واصول حدیث، فقہ، عقائد میں تصنیف

ہوئیں۔ اور ان کی تدریس کے لئے مدارس تعمیر کئے گئے۔ اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب تقویت وابقاء کے لئے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں۔ اس لئے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی۔ پس یہ چیزیں وہ ہوئی کہ سبب ان کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا۔ اور موقوف علیہ حفاظت دین مامور بہ کی ہیں۔ پس یہ اعمال گو صورۃً بدعت ہیں۔ لیکن واقع میں بدعت نہیں۔ بلکہ حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب واجبٌ واجب ہیں۔

شاطبی الاعتصام جلد ۱/ ۱۹۷ پر فرماتے ہیں:

فامثله (القيد) الواجب منها من قبيل ما لايتم الواجب الا به فلا يشترط ان يكون معمولا به في السلف ولا ان يكون له اصل في الشريعة على الخصوص لانه من باب المصالح المرسلة لاالبدع.

ان قیود واجبہ میں سے وہ قید بھی ہے۔ جو مالا یتم الواجب الا بہ کے قبیل سے ہے۔ اس قید کا سلف میں معمول بہ ہونا شرط نہیں۔ اور نہ یہ شرط ہے کہ خاص طور پر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہو۔ اس لئے کہ وہ مصالح مرسلہ کے باب سے ہے بدعت نہیں ہے۔

اور الاعتصام جلد ۲/ ۱۳۴ پر فرماتے ہیں:

واما كونها في الضروري من قبيل الوسائل ومالا يتم والواجب الا به، ان نص على اشتراطه فهو شرط

یعنی وسائل کا ضروری اور مالا یتم الواجب الا بہ کے قبیل سے ہونے کی صورتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس وسیلہ اور ذریعہ کے شرط ہونے پر نص وارد ہوئی ہے تب تو وہ

شرعي فلا مدخل له في هذا الباب لان نص الشارع فيه قد كفانا مؤنة النظر فيه وان لم ينص على اشتراطه فهو اما عقلي او عادي فلا يلزم ان يكون شرعيا كما انه لا يلزم ان يكون على كيفية معلومة فانا لو فرضنا حفظ القرآن والعلم بغير كتب مطرد الصح ذلك، وكذلك سائر المصالح الضرورية يصح لنا حفظها، كما انا لو فرضنا حصول مصلحة الامامة الكبرىٰ بغير امام على تقدير عدم النص بها لصح ذلك وكذلك سائر المصالح الضرورية.

شرط شرعی ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ اس لئے کہ شارع کی نص نے ہم کو اس میں کسی قسم کے غور وفکر کرنے سے سبکدوش کردیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے شرط اور ضروری ہونے پر نص شرعی وارد نہیں ہوئی تو وہ شرط عقلی ہوگی یا عادی۔ تو اس کا شرعی ہونا لازم نہیں۔ جیسا کہ اس شرط کا کسی متعین اور مخصوص ہیئت اور کیفیت پر ہونا لازم نہیں چنانچہ فرض کیجئے اگر بغیر کتب متداولہ کے قرآن اور علم کا حفظ دوسری کتب اور ذریعہ سے ہوجائے تو صحیح ہوگا۔ غرضیکہ کسی بھی ضروری انتظامی ذریعہ سے ہوجائے تو صحیح ہوگا۔ جیسے کہ منصوص نہ ہونے کی تقدیر پر امامت کبریٰ یعنی خلافت کی مصلحت کا حصول بغیر امام کے کسی اور ضروری ذریعہ سے ہو تو جائز ہوگا۔ یہی حکم تمام مصالح ضروریہ عقلیہ اور عادیہ کا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اگر قیود غیر منقول ہوں۔ اور حصول مقصود ان قیودات پر موقوف ہو تو وہ قیود بدعت نہیں۔

علمائے محققین نے بعض امور کے بعض قیود کو امر انتظامی قرار دے کر جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ امر انتظامی کو بدعت للدین بھی کہتے ہیں۔ اور بدعت للدین جائز

ہے۔ بدعت فی الدین ناجائز۔

لہٰذا تبلیغ مروجہ کے بعض قیود کو بدعت للدین اور امر انتظامی کہہ کر ان کو لوگ جائز باور کرانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ امر انتظامی نہیں ہیں۔ امر انتظامی کی تفصیل اور حقیقت آگے مدارس کی بحث میں آرہی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ تاکہ خلط نہ رہے۔ اور مناقشہ ومباحثہ کی گنجائش نہ رہے۔

اگر تخصیص منقول ہے تو وہ مندوب ہوگی یا سنت مقصودہ ہوگی پس اگر علماً یا عملاً مندوب ومستحب کو سنت مقصودہ یا واجب کا اور سنت مقصودہ کو وجوب کا درجہ دیدیا تو عمل مشروع بدعت ہے۔

امام شاطبی الاعتصام جلد ا/ ٣٣٦ پر فرماتے ہیں:

ووجه دخول الابتداع ههنا ان كل ما واظب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من النوافل واظهره فى الجماعات فهو سنة، فالعمل بالنافلة التي ليست بسنة على طريق العمل بالسنة اخراج للنافلة عن مكانها المخصوص بها شرعاً ثم يلزم من ذلك اعتقاد العوام فيها ومن لا علم عنده انها سنة وهذا فساد عظيم لان اعتقاد

اور یہاں پر ابتداع کے داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ عبادت نافلہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو اور اس کو جماعتوں میں ظاہر فرمایا ہو وہ سنت ہے۔ پس وہ نفلی عمل جو سنت نہ ہو۔ اس کو عمل بالسنۃ کے طریقے پر کرنا درحقیقت اس نفلی عمل کو اس مرتبہ سے خارج کرنا ہے جو کہ شرعاً اس کے ساتھ مخصوص تھا۔ پھر اس سے لازم آتا ہے کہ عوام اور جہلاء اس کو سنت اعتقاد کرنے لگیں اور یہ فساد عظیم

ما ليس بسنة والعمل بها على حد العمل بالسنة نحو من تبديل الشريعة كما لو اعتقد لى الفرض انه ليس بفرض او يما ليس بفرض انه فرض ثم عمل على وفق اعتقاده فانه اسدٌ فهب العمل فى الاصل صحيحاً فاخراجه عن بابه اعتقاداً وعملا من باب افساد الاحكام الشرعية ومن هنا ظهر عذر السلف الصالح فى تركهم سنناً صداً لئلا يعتقد الجاهل انها من الفرائض.

ہے۔ اس لئے کہ جو سنت نہ ہو اس کو سنت اعتقاد کرنا شریعت کو تبدیل وتغییر کردینا ہے۔ جیسا کہ غیر فرض کو فرض اعتقاد کرلیا۔ یا فرض کو غیر فرض اعتقاد کرلیا۔ پھر اپنے اعتقاد کے موافق عمل کرلیا تو یہ فاسد ہے۔ پس عمل اگرچہ فی الاصل صحیح ہو۔ لیکن اس عمل کو اپنے باب سے اعتقاداً یا عملاً نکال دینا احکام شرعیہ کے فاسد کردینے کے قبیل سے ہے۔ یہیں سے سلف صالحین کے قصداً سنتوں کے ترک کردینے کا عذر ظاہر ہوگیا کہ جاہل یہ اعتقاد نہ کرنے لگیں کہ یہ عمل فرائض وواجبات میں سے ہے۔

کسی نعمت جدیدہ کی خبر سن کر سجدۂ شکر کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے پھر بھی ہمارے امام ہمام حضرت ابوحنیفہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں چنانچہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اس کی وجہ بقول ”علامہ شامی“ صرف یہی ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ عوام اس کو سنت مقصودہ نہ سمجھ جاویں۔

ال فى الدر المختار سجدة كر مستحبة به يفتى كهنا تكره بعد الصلوٰة لان هلة يعتقدونها سنة وكل

درمختار میں کہا ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے اور مفتی بہ ہے۔ لیکن مکروہ ہے بعد صلوٰۃ کے اس لئے کہ جہلاء اس کو سنت سمجھتے ہیں۔ اور ہر مباح جو یہاں تک پہنچادے تو وہ مکروہ

مباح یوذی الیه فهو مکروه قال الشامی الظاهر انها التحریمة لانه یدخل فی الدیں ما لیس منه.

ہے۔ شامی نے کہا ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مالیس منہ میں داخل ہے۔ (اور جو مالیس منہ میں داخل ہو وہ بدعت ہوتا ہے)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں

فقد تعیر الاحکام لاختلاف الزمان فی کثیر من المسائل علی حسب المصالح

یعنی بہت سے مسائل میں مصلحتوں کے مطابق بوجہ اختلاف زمانہ احکام متغیر ہوتے رہتے ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے

قال ابو عبداللّٰه فما زالت سنة حتی کان حدیثا فترک.

یعنی اہل بیت کیلئے اول روز کھانا پکانا برابر سنت رہا یہاں تک کہ جب رسم اور بات ہوگئی تو چھوڑ دیا گیا۔

☆☆☆

وفی الصحیحین عن عبداللّٰه بن مسعودؓ لا یجعل احدکم للشیطان شینا من صلوته یری ان حقا علیه ان لا ینصرف الا عن یمینه لقد رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کثیرا ینصرف

صحیحین میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا۔ تم میں کا کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کے لئے کوئی حصہ نہ مقرر کرے۔ وہ یہ کہ یہ سمجھے کہ صرف داہنی طرف ہی نماز کے بعد پھرنا حق ہے بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ دیکھا کہ بائیں جانب پھرتے تھے۔ صاحب مجمع البحار

عن یساره (متفق علیہ) **قال صاحب المجمع واستبط منه ان المندوب ینقلب مکروها اذا خیف ان یرفع عن رتبته قال الطیبی شارح المشکوة فی شرح هذا الحدیث فیه ان من اصر علی مندوب وجعل عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه لشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة ومنکر.**

نے صفحہ ۲۳۳ پر فرمایا کہ فقہا نے اس حدیث سے استنبط فرمایا ہے کہ بیشک امر مندوب مکروہ ہو جاتا ہے جب کہ اس کے رتبہ سے بڑھ جانے کا خوف ہو۔ شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بھی مستبط کرتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص نے امر مندوب پر اصرار کیا اور اس کو مثل واجب قرار دے لیا اس طرح پر کہ رخصت پر عمل نہ کیا تو اس سے شیطان نے بہکانے کا حصہ لے لی۔ پس کیا حال ہے اس شخص کا جو کسی بدعت یا منکر پر اصرار کرے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی اپنے رسالہ ”روح الاخوان عن محدثات آخر جمعہ فی رمضان“ میں فرماتے ہیں.

قد تقرر فی مقره ان کل مباح ادی الیٰ التزام غیر مشروع والی فساد عقائد الجهلة وجب ترکه علی الکملة فالواجب علی العلماء ان لا یلتزموا علی قرأة مثل هذا الخطبة لکونه

اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ جو مباح ضروری سمجھ لیا جاتا ہے اور اس سے عوام کے عقائد فاسد ہونے لگتے ہیں تو اس کا ترک کر دینا علماء پر واجب ہو جاتا ہے۔ پس علماء پر واجب ہے کہ اس جیسے خطبہ کی قرأت کا التزام نہ کریں کیونکہ اس سے

موديا الى اعتقاد السية وقد وقع ذلک من العوام حيث اهتموا بمثل هذه الخطبة غاية الاهتمام وظنوها من السنن الماثورة حتى ان من يتركها ينسبونه الى سوء العقيدة ومن ثم منع الفقهاء عن التزام قرأة سورة الدهر وتنزيل السجدة فى صلوة فجر الجمعة مع كونه ثابتا فى الاخبار المشهورة وعن سجدة منفردة بعد صلوٰة الوتر وامثال ذلک مما يفضى الى ظن العوام انه من السنة وان مخالفته بدعة نظائره كثيرة فى كتب القوم شهيرة وقد بلغ التزام خطبة الوداع والاهتمام فى اعصارنا وديارنا الى حد افسد ظنون الجهلة. فعلى اهل العلم اللذين هم كالملح فى الطعام اذا فسد فسد الطعام ان يتركوا الالتزام.

لوگ اس کو سنت سمجھنے لگیں گے۔ بلکہ یہ عوام کی جانب سے واقع بھی ہوگیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے خطبوں کا وہ بغایت اہتمام کرتے ہیں۔ اور اس کو سنت ماثورہ سمجھنے لگے ہیں۔ یہاں تک کہ جو اس کو ترک کرتا ہے اس کو سوء عقیدہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے جمعہ کی نماز فجر میں سورہ دہر اور تنزیل سجدہ پڑھنے کا التزام سے منع فرمایا حالانکہ اخبار مشہور میں ثابت ہے۔ ایسے ہی بعد صلوٰۃ وتر کے سجدۂ منفردہ سے منع فرمایا۔ اسی طرح اور اشیاء جو کہ عوام کے سنت گمان کرنے کی طرف مفضی ہوں اور عوام اس کی مخالفت کو بدعت سمجھتے ہوں۔ اور کتب قوم میں اس کے نظائر کثیر و شہیر ہیں۔ اور خطبۂ وداع کا التزام واہتمام اس حد تک پہنچ چکا ہے۔ ہمارے زمانہ اور دیار میں کہ جہلا کا گمان فاسد ہوگیا ہے۔ پس اہل علم پر جو کہ کھانے میں مثل نمک کے ہیں اور جب نمک فاسد ہوتا ہے تو کھانا بھی فاسد ہوجاتا ہے لازم ہے کہ التزام کو ترک کردیں۔

اور اس سے قبل ارشاد فرمایا کہ:

والانصاف ان قرأة خطبة الوداع اذا كانت مشتملة على معان صحيحة والفاظ لطيفة لم يدل دليل على منعها وليس فيها ابتداع وضلالة فى نفسها لكن الاولیٰ هو الاتباع بطريقة النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه فان الخير كله فى الاتباع به لاسيما اذا وجد التزام ما لا يلزم وظن ما ليس من الشرع شرعًا وما ليس بسنة سنة.

اور انصاف یہ ہے کہ خطبہ وداع کا پڑھنا جب کہ وہ معانی صحیحہ اور الفاظ لطیفہ پر مشتمل ہو۔ تو کوئی دلیل اس کے منع پر دلالت نہیں کرتی۔ اور نہ اس میں فی نفسہا ابتداع اور ضلالت ہے۔ لیکن پھر بھی اولیٰ طریق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریق صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتباع ہی ہے۔ کیونکہ جس قدر بھلائی اور خوبی ہے وہ اتباع رسول ہی میں ہے۔ خصوصاً جب کہ لوگ غیر ضروری کو ضروری اور غیر مشروع کو مشروع اور غیر مسنون کو مسنون سمجھنے لگیں۔

نماز وتر کے بارے میں صاحب الدرالمختار نے فرمایا کہ **"والسنة السور الثلاث"** اس کے ذیل میں صاحب الردالمختار شامی بحوالہ بحرالرائق فرماتے ہیں

(والسنة السور الثلاث) اى الاعلىٰ والكافرون والاخلاص لكن فى النهاية ان التعيين على الدوام يفضى الى اعتقاد بعض الناس انه واجب وهو لايجوز.

یعنی سنت تینوں سورتوں یعنی سورۂ اعلیٰ اور سورۂ کافرون اور اخلاص کا پڑھنا ہے۔ لیکن نہایہ میں ہے کہ دائمی طور پر ان متعینہ سورتوں کا پڑھنا بعض لوگوں کے اس اعتقاد تک مفضی ہوجائے گا کہ یہ واجب ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔

سنت کی ادائیگی سے بدعت اور فساد لازم آئے تو اس سنت کو ترک کر دیا جائے گا۔ اور اگر واجب کی ادائیگی سے بدعت اور فساد لازم تو اس میں اشتباہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک واجب کو ترک نہ کیا جائے گا۔ بدعت کی اصلاح کی جائے گی اور بعض علماء کہتے ہیں۔ واجب کو بھی ترک کر دیا جائے گا۔

شاطبی الاعتصام جلد۲/۳۲ میں فرماتے ہیں

كل عمل اصله ثابت شرعاً الا ان في اظهار العمل به والمداومة عليه ما يخاف ان يعتقد انه سنة فتركه مطلوب يخاف ان يعتقد انه سنة فتركه مطلوب.	ہر وہ عمل کہ جس کی اصل شرعاً ثابت ہو۔ مگر یہ کہ اس عمل کے اظہار اور اس پر مداومت سے یہ خوف ہو کہ اس کو لوگ سنت مقصودہ سمجھنے لگیں گے تو اس عمل کا ترک مطلوب ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ”براہین قاطعہ صفحہ ۱۲۷“ پر فرماتے ہیں۔

”فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی سنت کے ادا سے بدعت لازم آئے تو سنت بھی ترک کر دیوے۔ شامی نے بحر الرائق سے نقل کیا ہے ”**لانه اذا تردد بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحا على فعل البدعة**“ یعنی ایک امر میں ایک وجہ سے سنت ہونے کا احتمال ہو اور ایک وجہ سے بدعت کا تو اس سنت کا ترک کرنا راجح ہے بدعت کرنے سے۔

شاطبی ”الاعتصام جلد۱/۷۹“ میں فرماتے ہیں۔

”**عن عبدالله بن مسعود القصد في السنة خير من الاجتهاد في البدعة**“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سنت میں میانہ روی بدعت میں کوشش اور مبالغہ کرنے سے بہتر ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

”**وقد روى معناه مرفوعا الى النبي صلى الله عليه وسلم عمل قليل في السنة خير من عمل كثير في البدعة**“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت میں عمل قلیل بدعت میں عمل کثیر سے بہتر ہے۔

”براہین قاطعہ صفحہ ۱۲۷“ پر بحوالہ ”**الطريقة المحمدية**“ فرمایا

”**ثم اعلم ان فعل البدعة اشد ضررا من ترك السنة بدليل ان الفقهاء قالوا اذا تردد في شئ بين كونه سنة وبدعة فتركه لازم وما ترك الواجب هل هو اشد من فعل البدعة وعلى العكس ففيه اشتباه حيث صرحوا فيما تردد بين كونه بدعة وواجباً انه يفعله وفي الخلاصة مسئلة تدل على خلافه**“۔ الخ

”پھر یہ بات جانو کہ بدعت کرنے میں زیادہ ضرر ہے بہ نسبت سنت ترک کرنے کے اس دلیل سے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس امر میں دو وجہ پائی جائیں ایک سنت ہونے کی اور ایک بدعت ہونے کی تو اس امر کا ترک واجب ہے۔ اور جس امر میں واجب اور بدعت ہونے کا احتمال ہو تو اس کے ترک میں اشتباہ ہے۔ کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اس کو ترک نہ کرے اور خلاصہ میں ایک مسئلہ اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے۔

پس غور کرو کہ فقہاء تو اتفاقاً وجزماً بدعت کے اندیشہ سے سنت مؤکدہ ترک کراتے ہیں اور واجب میں بھی بعض ترک واجب کو مرجح بتلاتے ہیں اور مؤلف کی یہ جرأت کہ امر مندوب کے واسطے علماء پر تہمت ایجاد بدعت کی لگاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے نہیں شرماتا۔ اور پھر دیکھو کہ فقہا تو احیاناً وقوع بدعت میں یہ حکم ترک سنت کا دیتے ہیں۔ اور مولف مندوب کے احیاء کے واسطے

بدعت کو طریقہ بنانا اور اجراء دوام کو کرنا جائز کہہ رہا ہے۔ نہایت جہل مرکب ہے۔ اور غفلت قواعد شرعیہ اور احکام وضعیہ سے ہے معاذ اللہ۔

حضرت مولانا تھانوی "اصلاح الرسوم" میں فرماتے ہیں

"اگر فعل خود شرعاً ضروری ہے تو اس فعل کو ترک نہ کریں گے۔ اس میں جو مفاسد پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کی اصلاح کر دی جائے گی"۔

عوام کو فساد عقیدہ سے بچانے کا خاص اور معین طریقہ یہی ہے کہ جس مباح اور مندوب کو وہ عملاً یا اعتقاداً ضروری سمجھنے لگیں اس کو قطعاً ترک کر دیا جائے اس کراہت کو اصطلاح شرع میں کراہت لغیرہ کہتے ہیں۔ جو بارتفاع علت مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور یہ حفظ عقیدۂ عوام قول بلا عمل سے کبھی نہیں ہوا کرتا اصلاح عوام کا یہی حکیمانہ طریق امت کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے سکھلایا ہے۔

حطیم کو بیت اللہ میں شامل کرنا مندوب و مستحب تھا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ضرر عقیدہ عوام ظاہر کر کے اس کو ترک فرما دیا

چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے

عن عائشۃؓ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لولا ان قومک حدیثوا عھد بجاھلیۃ او قال بکفر لا نفقت کنز الکعبۃ فی سبیل اللّٰہ ولجعلت بابھا بالارض ولا دخلت فیھا الحجر. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اے عائشہ! اگر تیری قوم کے کفر و جہالت کا زمانہ ابھی تازہ نہ گذرا ہوتا۔ یعنی (وہ نو مسلم نہ ہوتے) تو میں کعبہ کے خزانے کو اللہ کے راستے میں ضرور خرچ کر دیتا۔ اور اس کا دروازہ زمین سے ملا دیتا اور اس میں ضرور حطیم کو داخل کر دیتا۔

انفاق کنز فی سبیل اللہ الصاق باب الکعبہ بالارض، ادخال حطیم فی البیت امور مستحبہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً ترک فرما دیا۔ محض قول سے اصلاح نہیں فرمائی۔

حکیم امت محمدیہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بجائے اس کے کہ عقیدہ عوام کی اصلاح قول سے فرماتے۔ شجرۂ رضوان کو جڑ سے کٹوا کر پھینک دیا حالانکہ اس کا باقی رکھنا اس وجہ سے کہ وہ مشاہد متبرکہ میں سے تھا۔ مندوب و مستحب تھا۔ بہر کیف مندوب و مستحب ہی کیوں نہ ہو۔ فساد عقیدہ عوام کی وجہ سے مکروہ لغیرہ یقیناً ماننا پڑے گا۔ اور مکروہ لغیرہ کا حکم احادیث شریفہ، آثار صحابہ اور اقوال مجتہدین اور فقہائے کرام سے معلوم ہو چکا ہے۔

امر مشروع و جائز ایک مکروہ کے انضمام سے مکروہ و ناجائز ہو جاتا ہے

اہل علم جانتے ہیں کہ نتیجہ ہمیشہ اخس کے تابع ہوتا ہے۔ جائز و ناجائز کا مجموعہ ناجائز، صحیح اور غلط کا مجموعہ غلط، پاک اور نجس کا مجموعہ نجس، حلال اور حرام کا مجموعہ حرام ہوتا ہے۔ ایک قطرہ پیشاب ایک گھڑے پانی کو ناپاک کر دیتا ہے۔

اگر بر کنہٗ پر کنند از گلاب ☆ سگے در وے افتد کند منجلاب

اخرج عبدالرزاق فی مصنفہ عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ موقوفاً ما اجتمع الحلال والحرام الا غلب الحرام.

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ نہیں مجتمع ہوئے حلال و حرام مگر حرام غالب ہو گیا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب براہین قاطعہ صفحہ ۱۷۸ پر فرماتے ہیں۔

"مولد ذکر خیر ہی کا نام ہے۔ مگر اس کے ساتھ اگر کوئی امر مکروہ منضم ہو جائے گا تو

مجموعہ لاریب مکروہ ہو جائے گا۔ کہ مجموعہ حلال وحرام کا حرام ہوتا ہے۔ صدہا مثالیں موجود ہیں۔ اور قاعدہ کلیہ فقہاء کا "واذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام" مشہور ہے۔ پس ان امور لاحقہ (مکروہہ) سے بیشک حرمت وکراہت آوے گی۔ بدیہی کا انکار بداہت ہے۔ صلوٰۃ قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے، ارض مغصوبہ میں، آگ اور تصویر کے روبرو مکروہ ہوگی۔ ذرا آنکھ کھول کر تو دیکھئے۔

حاصل یہ کہ جو قید تغییر شرع کا کر دیوے گی بدعت وکراہت ہو جاوے گی ورنہ نہیں۔ اور سنت ہونا قید کا مانع بدعت ہونے کا نہیں ہوتا"۔

نماز عمدہ عبادات ہے۔ مگر ایک مکروہ کے انضمام سے ساری نماز مکروہ ہو جاتی ہے مثلاً ارض مغصوبہ میں پڑھے یا طلوع وغروب واستواء میں پڑھے۔ حالانکہ ارکان نماز بتمامہا اس میں موجود ہیں۔ صلوٰۃ ضحیٰ مستحب ہے مگر تداعی واہتمام کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو بدعت فرمایا۔

دعوت ولیمہ سنت ہے۔ حدیث میں نسبت آیا ہے۔

"من لم یجب فقد عصا ابا القاسم" جس نے دعوت ولیمہ قبول نہ کیا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ مگر درمختار میں ہے کہ:

"تترک حضورها لبدعة فیها" دعوت ولیمہ میں حاضر ہونا بوجہ اس میں بدعت کے ترک کر دیا جائے گا۔ "براہین قاطعہ صفحہ ۱۴۷" پر ہے کہ:

"یہ قاعدہ بھی محفوظ رہے کہ مرکب مجوز اور لا مجوز سے ناجائز ہو جاتا ہے"۔

صفحہ ۱۸۲ پر ہے:

"کسی جائز مطلق کے ساتھ اگر ایسے امور منضم ہو جاویں کہ وہ ممنوع ہوں تو مجموعہ ممنوع ہوگا"۔

کسی مطلوب شرعی کو تدیناً ترک کر دینا بدعت ہے:

جس طرح بدعت فعلی ہوتی ہے اسی طرح ایک بدعت ترکی بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ کسی مطلوب شرعی کو یا کسی بھی جائز عمل کو مصلحت دینی سمجھ کر ترک دیا جائے۔ جیسا کہ تبلیغ مروجہ میں "نہی عن المنکر" کو ترک کر دیا گیا ہے۔

امام شاطبی "الاعتصام جلد ۱/۴۲" پر فرماتے ہیں:

ان البدعة من حیث قیل فیها	بدعت کے بارے میں جب کہ یہ کہا گیا
انها طریقة فی الدین مخترعة	ہے کہ وہ دین میں گڑھے ہوئے طریقے کا
الخ یدخل فی عموم لفظها	نام ہے تو اس کے عموم لفظ میں بدعت
البدعة الترکیة کما یدخل فیه	ترکیہ بھی داخل ہے جیسا کہ اس میں بدعت
البدعة غیر الترکیة فقد یقع	غیر ترکیہ داخل ہے۔ پس بدعت صرف
الابتداع بنفس الترک تحریما	ترک کر دینا ہی ہوگا۔ خواہ متروک کو حرام
للمتروک او غیر تحریم فان	سمجھ کر ترک کیا ہو خواہ حرام نہ سمجھا ہو۔ اس
الفعل مثلاً قد یکون حلالا	لئے کہ مثلاً فعل کبھی شرعاً حلال ہوتا ہے مگر
بالشرع فیحرمه الانسان علی	انسان اس کو اپنے نفس پر حرام کر لیتا ہے۔ یا
نفسه او یقصد ترکه قصداً۔	قصداً اس کو ترک کر دیتا ہے۔

آگے صفحہ ۴۳ پر فرماتے ہیں کہ:

وان کان الترک تدینا فهو	اور اگر ترک تدیناً ہے تو یہ ابتداع فی
الابتداع فی الدین اذ قد	الدین ہے اس لئے کہ فعل کو ہم نے جائز
فرضنا الفعل جائز شرعاً فصار	فرض کیا ہے لہذا بالقصد ترک کرنا شارع

الترک المقصود معارضة للشارع فی شرع التحلیل فاذا کل من منع نفسه (مثلاً) من تناول ما احل اللّٰه من غیر عذر شرعی فهو خارج عن سنة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والعامل بغیر السنة تدینا هو المبتدع بعینه.

کا معارض ہوگا۔ کیونکہ یہ تحلیل شارع کے مقابلے میں تحریم ہے ایسی صورت میں جو شخص بھی بغیر عذر شرعی ما اَحَلَّ اللّٰہ کے تناول سے اپنے نفس کو روکے گا۔ وہ سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہوگا۔ اور غیر سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تدیناً عمل کرنے والا بعینہٖ مبتدع ہوگا۔

حاصل یہ کہ تارک مطلوبات دو قسم ہیں۔ ایک یہ کہ امر شرعی کو غیر تدین کے طور پر ترک کر دے۔ مثلاً بوجہ کسل یا اور کسی نفسانی داعیہ کی وجہ سے۔ تو یہ قسم مخالفت امر کی طرف راجع ہوگی۔ اگر متروک واجب ہے تو ترک معصیت ہے۔ اور اگر مندوب ہے تو معصیت نہیں بشرطیکہ ترک جزئیاً ہو۔ اور اگر کلی طور پر ہو۔ تو یہ بھی معصیت ہے کما تبین فی الاصول

اور دوسرا یہ کہ تدیناً ترک کرے۔ تو یہ قسم از قبیل بدعت ہے۔ کیونکہ اس نے ماشرع اللّٰہ کے ضد کو دین بنایا ہے۔

پس حد بدعت کا یہ جز کہ "طریقۃ مخترعۃ تضاہی الشریعۃ" بدعت ترکیہ کو بھی شامل ہے جیسا کہ غیر ترکیہ کو شامل ہے۔ اس لئے کہ طریقہ شرعیہ بھی ترک اور غیر ترک دونوں کو شامل ہے۔ خواہ ہم کہیں کہ ترک فعل ہے۔ یا ہم کہیں کہ ترک نفی فعل ہے۔ کما ذکر فی اصول الفقہ۔

پس بدعت اعتقادی بھی ہوتی ہے۔ قولی بھی ہوتی ہے۔ فعلی بھی ہوتی ہے۔ اور ترکی بھی ہوتی ہے۔

کل چار قسمیں ہوئیں۔

بہرکیف "کل ما یتعلق به الخطاب الشرعی یتعلق به الابتداع" یعنی ہر وہ چیز کہ خطاب شرعی اس سے متعلق ہو اس کا تعلق بدعت سے ہوگا۔

"هذا ما افاده الشاطبی فی الاعتصام"

مداہنت و ترک نہی عن المنکر

تبلیغی جماعت میں صرف معروفت وہ بھی بعض خاص اور محدود معروفات کا ذکر ہوتا ہے۔ اور نہی عن المنکر کو یکسر قصداً ترک کر دیا گیا ہے۔ بس چند اعمال کے فضائل کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تبلیغ عام ہے امر بالمعروف کو بھی نہی عن المنکر کو بھی۔ قرآن حدیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بکثرت ذکر اور تاکید اور فضیلت مذکور ہے۔ اور جہاں جہاں امر بالمعروف کا ذکر ہے نہی عن المنکر کا بھی اس کے ساتھ بیان ہے بہت ہی کم ایسا ہے کہ امر بالمعروف ہو اور نہی عن المنکر کا ذکر نہ ہو۔ لیکن ایسا بہت ہے کہ نہی عن المنکر کا حکم ہے مگر اس کے ساتھ امر بالمعروف کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہی عن المنکر کی اہمیت شارع کی نظر میں بہت زیادہ ہے۔ اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے۔ چنانچہ یہ قاعدہ عند العقلاء مسلم ہے کہ "دفع المضرة مقدم علی جلب المنفعة" کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت سے۔

جماعت تبلیغی عوام کے سامنے مبلغ اسلام کی حیثیت سے آتی ہے۔ عوام کی نگاہ میں وہ ایک مقدس، مستند اور ذمہ دار جماعت سمجھی جاتی ہے۔ اس کا ہر قول و فعل اور حرکت و سکون عوام کے نزدیک معتبر سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر موقع بیان پر سکوت کیا

جائیگا تو عوام اسی کو دین سمجھ لیں گے۔ اور اگر جماعت میں کوئی عام یا علماء ہوں گے تو ضرر اور فساد اور بڑھ جائے گا۔ اور یہ فساد عظیم ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ فی زماننا ہذا معاصی، منکرات اور مکروہات کا بہت زیادہ ظہور وشیوع ہے۔ اور لوگوں کے درمیان اعمال وافعال منکرہ ومکروہہ ایسے طریقے پر جاری ہیں کہ کسی جانب سے ان پر انکار نہیں ہو رہا ہے۔ نہ خاص کی جانب سے نہ عام کی جانب سے۔ اور وہ منکرات عملی بھی ہیں اعتقادی بھی۔

امام شاطبی الاعتصام جلد۲/۱۰۰ پر فرماتے ہیں.

يعمل بها الخواص من الناس عموماً وخاصة العلماء خصوصاً وتظهر من جهتهم وهذه مفسده في الاسلام ينشأ عنها عادة من جهة العوام استسهالها واستجازتها لان العالم المنتصب مفتياً للناس بعمله كما هو مفتٍ لقوله فاذا نظر الناس اليه وهو يعمل بامر هو مخالفة حصل في اعتقاد هم جوازه ويقولون لو كان ممنوعاً اومكروهاً لامتنع منه العالم.

اگر مکروہات کا خواص ارتکاب کریں عموماً اور خصوصاً علماء اور ان کی طرف سے عمل کا ظہور ہو تو اسلام میں یہ ایک مفسدہ ہے۔ اس سے عوام میں اپنے کو مجاز اور عمل کو معمول اور سہل سمجھنے کا رواج ہوگا۔ اس لئے کہ منصب علماء اختیار کرنے والا جس طرح اپنے قول سے فتویٰ دینے والا ہوتا ہے اسی طرح اپنے عمل سے بھی مفتی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ عمل کرے گا۔ اپنے قول کے مخالف۔ تو عوام اس کے جواز کے معتقد ہوجائیں گے اور کہیں گے کہ اگر یہ امر ممنوع یا مکروہ ہوتا تو عالم ضرور اس سے باز رہتا۔

پھر اس سے ذرا آگے فرماتے ہیں

فقد صار عمل العالم عند العامي حجة كما كانه قوله حجة على الاطلاق والعموم في الفتيا. فاجتمع على العامي العمل مع اعتقاد الجواز بشبهة دليل وهذا عين البدعة

عامی کے نزدیک عالم کا عمل حجت ہوتا ہے جیسا کہ فتویٰ کے باب میں عالم کا قول علی الاطلاق حجت ہوتا ہے۔ پس عامی کے غلط عمل کے ساتھ ساتھ اسکے جواز کا بھی اعتقاد مل گیا۔ اور عالم کا عمل اسکے جواز کیلئے مشابہ دلیل کے ہوگیا۔ لہٰذا یہ عین بدعت ہے۔

پھر جلد۲/۱۰۱ پر فرماتے ہیں

والثاني من المفسدة الحالية ان يعمل بها العوام وتشيع فيهم وتظهر فلا ينكرها الخواص ولا يرفعون لها رؤسهم قادرون على الانكار فلم يفعلوا فالعامي من شانه اذا راى امراً يجهل حكمه يعمل العامل به فلا ينكر عليه اعتقد انه جائز وانه حسن او ان مشروع بخلاف مذا

اور مفسدہ حالیہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ عوام منکرات کا ارتکاب کریں اور یہ عمل ان میں خوب شائع اور ظاہر ہو اور خواص نہ اس پر انکار کریں اور نہ اس کیلئے سر اٹھائیں باوجودیکہ انکار پر قادر ہوں پھر بھی انکار نہ کریں۔ تو عامی کا تو حال یہی ہوتا ہے کہ جب کسی ایسے امر کو دیکھتا ہے جس کے حکم سے جاہل ہوتا ہے اور لوگ اس امر پر عمل کرتے ہوتے ہیں اور اس پر انکار نہیں کیا جاتا تو عامی اس کے جواز کا معتقد ہوجاتا ہے اور اس کو حسن سمجھتا ہے یا اس کو مشروع سمجھتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر

انكر عليه فانه يعتقد انه عيب او انه غير مشروع او انه ليس من فعل المسلمين.

اس پر انکار کیا جاتا ہے تو (خواہ اس پر عمل کرے) مگر جانتا ہے کہ عیب ہے یا یہ کہ یہ غیر مشروع ہے۔ یا یہ کہ یہ مسلمان کا فعل نہیں ہو سکتا۔

آگے فرماتے ہیں۔

فاذا عدم الانكار ممن شانه الانكار مع ظهور العمل وانتشاره وعدم خوف المنكر ووجود القدرة عليه فلم يفعل دل عندالعوام على انه فعل جائز لاحرج فيه فنشأ فيه هذا الاعتقاد الفاسد بتاويل يقنع بمثله من كان من العوام فصارت المخالفة بدعة.

یعنی جس کی شان انکار کی ہو۔ باوجود عمل منکر کے ظہور اور انتشار کے اس کی طرف سے انکار نہ پایا جائے اور انکار کرنے والے کا خوف بھی نہ ہو اور باوجود قدرت کے انکار نہ کرے تو عوام کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل بن جاتی ہے۔ کہ یہ فعل جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ اعتقاد فاسد ایسی تاویل سے پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کی تاویل عوام کے لئے مقنع ہوتی ہے۔ پس یہ عمل بدعت ہو جاتا ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

وقد ثبت في الاصول ان العالم في الناس قائم مقام النبي صلى الله عليه وسلم والعلماء ورثة الانبياء فكما ان النبي صلى الله عليه وسلم

يدل على الاحكام بقوله وفعله واقراره كذلك وارثه يدل على الاحكام بقوله وفعله واقراره واعتبر ذلك ببعض ما احدث في المساجد من الامور المنهي عنها فلم يكرها العلماء او عملوا بها فصارت بعد سنناً ومشروعات.

اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ عالم لوگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور (بارشاد رسول) علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ تو جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول، فعل اور تقریر (سکوت) سے احکام کی طرف دلالت اور رہنمائی فرماتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے وارث بھی اپنے قول وفعل اور تقریر سے رہنمائی اور دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ مساجد میں بعض محدث امور منہی عنہا ہیں کہ جن پر علماء نے انکار نہیں کیا یا خود عمل کرتے رہے۔ اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اب تک وہ امور بطور مشروع اور سنن کے جاری ہیں۔

شاطبی نے اس کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔ اور بطور فیصلہ کے جلد۲/۱۰۱ پر فرماتے ہیں

واصل جميع ذلك سكوت الخواص عن البيان والعمل به على الغفلة ومن هنا تستشنع زلة العالم فقد قالوا ثلاث لهدم الدين زلة العالم وجدال منافق بالقرآن وائمة ضالون.

اور ان سب باتوں کی اصل خواص کا موقع بیان پر سکوت ہے اور غفلت کی وجہ سے عمل ہے۔ یہیں سے علماء کی زلت کی تشنیع کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تین چیزیں دین کو ڈھا دیتی ہیں عالم کی زلت اور منافق کا جدال بالقرآن اور ائمہ ضالون۔

غرض باوجود قدرت کے جب منکر پر ٹوکا نہ جائے گا۔ اور اس کی برائی نہ کی جائے گی تو اس سے مفاسد پیدا ہوں گے۔ اور عوام کی اصلاح نہ ہوگی۔

تبلیغی جماعت کا یہی حال ہے کہ یہ لوگ صرف بعض مخصوص اعمال کے بیان

فضائل کا التزام کرتے ہیں۔ اور اسی کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔ نہی عن المنکر کو قصداً بالکل ترک کر دیا ہے۔ اور اس ترک کی بہت اہتمام سے پابندی کرتے ہیں۔

جن افعال مشرکانہ و جاہلانہ اور رسومات بدعیہ کو بزرگان سلف نے سر دھڑ کی بازی لگا کر جان و مال کی قربانی دے کر مٹایا تھا۔ بھائی بھائی، عزیز واقارب، خاندان کے اختلاف کی پرواہ نہ کی۔ ہر طرح کے طعن و تشنیع برداشت کیے۔ لوگ اس کی ترقی اور ترویج کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ مگر اس جماعت کو اس سے کچھ مطلب نہیں۔

شرک بدعت اور کبائر معاصی میں لوگوں کی مشغولیت اور انہماک دیکھتے ہیں مگر نہ اشارۃً اس کی تردید کرتے ہیں نہ کنایۃً۔ اور نہ نکیر کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں۔ بلکہ ان کے ناجائز کاموں میں شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً دیہات میں جمعہ پڑھ لیتے ہیں۔ مولود و قیام و سلام میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی مقام کی ضرورت کے پیش نظر جماعت میں دوسرے احکام بیان کرے یا بدعت وغیرہ کی تردید کرے اور کسی منکر کی نکیر کرے تو ان لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے اور اپنے اصول کے خلاف سمجھ کر اس کو روک دیتے ہیں۔ مجال نہیں کہ کوئی آدمی ان کے گشت یا اجتماع میں کسی غلط کام مثلاً تعزیہ داری، رسومات بدعیہ، سود خواری، جوا بازی وغیرہ پر نکیر کر دے۔ یا کتاب تبلیغی نصاب کے علاوہ کوئی کتاب مثلاً اصلاح الرسوم وغیرہ سنا دے۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم وعمت فیوضہم تو کتاب ''اعتراضات وجوابات'' کے صفحہ ۴۶ پر فرماتے ہیں:

> ''عالم کا وعظ کہنا حق ہے مگر تبلیغی اسفار میں اور تبلیغی اجتماعات میں وہ بھی اس کے پابند ہیں کہ تبلیغ کے چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیزیں نہ چھیڑیں۔

اس التزام کا نتیجہ یہ ہے کہ قصداً ترک نہی عن المنکر کی بناء پر حسب تصریح سابق بدعت ترکیہ اور سکوت مبلغین کی بناء پر مکروہات کو دین سمجھ کر عوام کے عمل کا بدعت ہونے مداہنت، تقیہ، کتمان حق سب ہی کی نوبت آ جاتی ہے۔

ملا علی قاری ''مرقات شرح مشکوٰۃ'' جلد ۴/۵ پر مداہنت کی تعریف فرماتے ہیں

المداهنة ان يرىٰ منكرا غير مشروع ويقدر على دفعه ولم يدفعه حفظا لجانب مرتكبه او جانب غيره لخوف او طمع او لاستحيآ منه او لقلة مبالاة في الدين	یعنی مداہنت یہ ہے کہ کوئی منکر غیر مشروع دیکھے اور اس کی دفع پر قادر ہو اور اس کو دفع نہ کرے خود مرتکب یا غیر کے لحاظ سے کسی خوف یا طمع یا حیا یا دین کے معاملہ میں ل پرواہی کی وجہ سے۔

اور مدارات کی تعریف فرماتے ہیں

والمداراة موافقة بترك حظ نفسه وحق ما يتعلق بماله وعرضه فيسكت عنه دفعاً للشر ووقوع الضرر وحاصل المعنى تحمل الاذى من الحلق رضا بما قصا له الحق	مدارات یہ ہے کہ اپنے فائدے اور مال و آبرو سے متعلق حق کو ترک کر کے موافقت کر لے اور چپ رہ جائے دفع شر اور ضرر کیلئے اس معنی کا حاصل مخلوق کی طرف سے ایذا برداشت کرنا اور راضی بقضائے حق رہنا ہے۔
ومجمله ان المداهنة انما تكون في الباطل مع الاعداد والمداراة في امر حق مع الاحياء.	حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ مداہنت امر باطل مخالف اور عدو کے مقابے میں چپ رہنا ہے اور مدارات جائز کام میں دوستوں اور موافقوں کے مقابلے میں چپ رہنا ہے۔

طحطاوی علی المراقی جلد ۱/ ۲۴۶ پر ہے:

المداهنة هی ترک الدین باصلاح الدنیا ”یعنی اصلاح و فائدہ دنیوی کیلئے ترک دین، **والمداراة هی بذل الدنیا لاصلاح الدین والدنیا اوهما معاً** ”یعنی دنیا کا خرچ اصلاح دین کیلئے یا اصلاح دنیا کیلئے۔ یا دونوں کیلئے“

حق تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○	سو کہنا نہ مانیے جھٹلانے والوں کا۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح آپ ڈھیلے ہوں (مداہنت کریں)
وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○	تو وہ بھی ڈھیلے ہوں (مداہنت کریں)

”یعنی راہ پر آنے والے اور نہ آنے والے اللہ کے علم محیط میں طے شدہ ہیں لہٰذا دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں کچھ رو رعایت کی ضرورت نہیں جس کو راہ پر آنا ہوگا۔ آ رہے گا۔ اور جو محروم ازلی ہے وہ کسی لحاظ و مروت سے ماننے والا نہیں۔ کفار مکہ حضرت سے کہتے تھے کہ آپ بت پرستی کی نسبت اپنا سخت رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں ہم بھی آپ کے خدا کی تعظیم کریں گے۔ اور آپ کے طور و طریق مسلک و مشرب سے معترض نہ ہوں گے۔ ممکن تھا کہ ایک مصلح اعظم کے دل میں جو خلق عظیم پر پیدا کیا گیا ہے نیک نیتی سے یہ خیال آ جائے کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے کام بنتا ہے تو برائے چندے نرم روش اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ آپ ان مکذبین کا کہنا نہ مانیے ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کرنا ہے ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا مقصود نہیں آپ کی بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ آپ تو ہر طرف سے قطع نظر کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔ کسی کو منوانے اور راہ پر لانے کے آپ ذمہ دار نہیں۔

(تنبیہ) مداہنت اور مدارات میں بہت باریک فرق ہے اول مذکر مذموم اور آخر الذکر محمود فلا تغفل“۔ انتہی (حاشیہ ترجمہ شیخ الہند)

مداہنت اور مدارات میں تمیز کرنا سب کا کام ہے بھی نہیں۔ علمائے مبصرین، عارفان شرع متین، موقع شناس اور باذوق واجتہاد مبلغین ہی کے لئے عمل اور امتیاز آسان ہے۔ کم علم و فہم و بے بصیرت علماء اور عوام و جہلا کے لئے ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

”حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ“ براہین قاطعہ ”صفحہ ۱۷۷ پر فرماتے ہیں: اب خاطر داری حضار فساق کی ناحق سننے کے ہے وہ مستقل ایک امر معصیت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا آبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ.**

پس مولف اور اس کے سب اقران جب مولود کرتے ہیں تو سب فسقہ و جہلاء مبتدعہ کو طلب کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مدارات و مداہنت فی الدین اس کا نام اکرام ضیف رکھا ہے۔ بھلا اگر اکرام ضیف ایمان ہے تو وِدّ و محبت مخالفین و فاسقین کی کیا ہے۔ ذرا مولف آنکھ کھولے ہوشیار ہووے۔ **وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ.**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لا یاکل طعامک الاتقی** (الحدیث) جس میں صاحب احیاء العلوم لکھتے ہیں کہ متقی کی ضیافت کرے اور فاسقوں کو کھانا نہ کھلائے۔ کہ اہانت ان کے فسق کی ہوتی ہے پس فساق مبتدعین کی ضیافت ہی کب درست ہے۔ کہ اکرام کرنے کی حدیث پڑھی جاتی ہے۔ حدیث میں اکرام متقی ہے نہ فاسق کا۔ علی ہذا اجابت کا حال ہے کہ جس ضیافت میں کوئی امر خلاف شرع ہو اس ضیافت کی اجابت ہرگز جائز نہیں۔ پس یہ

حدیث اور پر تکلف ضیافت کی بحث محض کم فہمی مولف کی ہے۔ پس اب غور کرنا چاہئے کہ نہ شرع سے یہ ضیافت مباح ہے نہ اکرام ضیاف روا ہے۔ پھر اس کو سنت کہنا مولف کے فہم نے روا کیا ہے کوئی اہل علم ہرگز جائز نہیں کہہ سکتا۔ پس وہ تذکرہ رواں آ سا بھی مکروہ بن گیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ.

کلام اللہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بکثرت ذکر ہے جس سے ان دونوں امور کی تاکید وفضیلت اور اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن کہیں کہیں نہی عن المنکر کا تنہا ذکر ہے جس سے نہی عن المنکر کی زیادہ اہمیت مترشح ہوتی ہے۔ چند نصوص کا ذکر مناسب ہے۔

ارشاد خداوندی ہے

لَوْ لَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ○	کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بہت برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

"(حاشیہ ترجمہ شیخ الہندؒ) جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے تو اسکے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات وشہوات میں منہمک ہو کر خدائے تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور اس کے قوانین اور احکام کو بھلا بیٹھے۔ اور جو مشائخ اور علما کہلاتے تھے۔ انہوں نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا۔ کیونکہ حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے۔ مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ اور اسی سکوت ومداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔ اسی لئے امت

محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو قرآن وحدیث کی بیشمار نصوص میں بہت ہی سخت تاکید وتہدید کی گئی کہ کسی وقت اور کسی شخص کے مقابلے میں فرض امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ادا کرنے سے تغافل نہ برتیں۔

بیان القرآن میں ہے:

"روح میں ہے کہ جو فعل محض قصد سے صادر ہو وہ عمل ہے اور جو مزاولت اور اعتیاد سے صادر ہو وہ صنع ہے۔ تو صنع میں زیادتی ہے عمل سے۔ پس اس میں تنبیہ ہے کہ جو شیخ اور مقتداء باوجود امید اثر کے منع نہ کرے وہ زیادہ بدحال ہے اصل مرتکب سے۔ کیونکہ مرتکب کے لئے داعی شہوت عارضی ہے۔ اور اس شیخ کے لئے حب دنیا ہے جو ملکہ ہوگئی ہے۔ اور حب دنیا شہوت سے اقبح ہے"۔

تفسیر مدارک میں ہے

ھذا ذم العلماء وعن ابن عباسؓ ھی اشد آیۃ فی القرآن حیث انزل تارک النھی عن المنکر منزلۃ مرتکب المنکر بالوعید.	یعنی اس آیت پاک میں علماء کی مذمت ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ یہ آیت قرآن میں سب سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس میں نہی عن المنکر کے تارک کو مرتکب منکر قرار دے کر وعید کا مستحق کہا گیا ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ○	یعنی ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل کے داؤدؑ اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کی زبان پر اس لئے کہ وہ نافرمان تھے۔ اور حد سے گذر گئے تھے۔ آپس میں نہ منع کرتے تھے۔ برے

كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانوا يفعلونο

کام (منکر) سے یہ کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

''(حاشیہ) یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیاں وتمرد میں حد سے گذر گئے۔ کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرم سے باز آتا تھا اور نہ غیر مجرم مجرم کو روکتا تھا۔ بلکہ سب شیر وشکر ہو کر ایک دوسرے کے ہم پیالہ وہم نوالہ بنے ہوئے تھے منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترش روئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا۔ تب خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان پر ان پر لعنت فرمائی۔ لعنت بھی ایسے جلیل القدر انبیاء کے توسط سے کی گئی جو غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔ الخ جب بدی کسی قوم میں پھیلے۔ اور کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہ ہو تو عذاب عام کا اندیشہ ہے''

مدارک میں ہے

وفيه دليل على ان ترك النهي عن المنكر من العظائم فياحسرتاه على المسلمين في اعراضهم عنه

یعنی اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ ترک نہی عن المنکر بہت اہم اور بڑی چیز ہے۔ پس بہت زیادہ حسرت اور افسوس مسلمانوں پر ہے جو کہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ اور بچتے ہیں۔

سورہ ہود رکوع (۱۰) میں ارشاد ربانی ہے

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ.

سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جنہیں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچا لیا۔

''(حاشیہ شیخ الہند) گذشتہ قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ عام طور پر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے۔ اور بڑے با اثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر باقی تھا۔ انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے کچھ آواز بلند کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہے۔ باقی سب قوم تباہ ہوگئی۔

حدیث صحیح میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر بیٹھیں تو قریب ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسا عذاب عام بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العیاذ باللہ) انتہی''۔

بیان القرآن میں ہے کہ

''خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ نافرمانی تو ان میں عام طور پر رہی اور منع کرنے والا کوئی نہیں ہوا۔ اس لئے سب ایک ہی عذاب میں مبتلا ہوئے۔ ورنہ کفر کا عذاب عام ہوتا اور فساد کا خاص۔ اب بوجہ منع نہ کرنے کے غیر مفسد بھی مفسد ہونے میں شریک قرار دیئے گئے۔ اس لئے جو عذاب مجموعہ کفر وفساد پر نازل ہوا وہ بھی عام رہا۔ انتہی۔

یہ چند نصوص قرآنیہ تھیں جن میں نہی عن المنکر کی اہمیت ظاہر کی گئی۔ اب اس باب میں چند احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں۔

عن جابر مرفوعاً اوحى الله الى ملك من الملائكة ان اقلب مدينة كذا وكذا على اهلها قال ان فيها عبدك فلان لم يعصيك طرفة

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو بذریعہ وحی کا حکم دیا کہ فلاں شہر کو اس کے باشندوں پر الٹ دو (کہ سب دب کر مر جائیں) فرشتہ نے عرض کیا کہ اس میں آپ کا فلاں بندہ رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے کی مقدار بھی آپ

عین قال اقلبها علیه فان وجهه لم یتمعر فی ساعة قط

(دررالفرائد ترجمہ جمع الفوائد)

کی معصیت نہیں کی۔ (اس کو الٹنے کی بابت کیا حکم ہے) فرمایا اس پر بھی الٹ دو (اگرچہ وہ مرتکب نہیں ہوا مگر دوسروں کو مبتلائے معصیت دیکھ کر) اس کا چہرہ کبھی متغیر نہیں ہوا۔ (یعنی اللہ کی خاطر اس کو کبھی غصہ نہیں آیا)

مولانا عاشق الٰہی صاحب فرماتے ہیں'

(فائدہ) ''ایمان کا اثر ہے اللہ تعالیٰ کی محبت، کہ ارشاد ہے "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ" اور محبت کی خاصیت یہ ہے کہ محبوب کو ناراض کرنے والے افعال پر رنج وغصہ آئے۔ اور رنج وغصہ مجبور کرتا ہے کہ اس کے مٹانے کی نرم وگرم جو بھی تدبیر کر سکے عمل میں لائے۔ پس جو شخص عابد وزاہد ہے۔ مگر معصیت دیکھ کر کبھی اس کی تیوری پر بل نہیں آتا۔ یہ علامت ہے کہ وہ معصیت سے خوش ہے اور اس کی عبادت بتقاضائے محبت نہیں بلکہ بتقاضائے عادت ہے۔ لہٰذا سزائے معصیت سے بچا نہ سکی''۔

عن ابی سعید ن الخدریؓ عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رایٰ منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اصعف الایمان۔ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص دیکھے (جانے) تم میں سے کسی منکر یعنی خلاف شرع کو تو چاہیئے کہ اس کو متغیر کر دے یعنی زائل کر دے (یعنی منع کرے فعل کے ذریعہ بایں طور کہ آلات کو توڑ دے اور خمر کو بہادے اور شے مغصوب کو اس کے مالک تک پہنچادے) تو اپنی زبان سے متغیر کرے (بایں

طور کہ قول سے ازالہ کرے اور اللہ تعالیٰ نے جو وعیدیں نازل فرمائی ہیں اس کی تلاوت کرے۔ وعظ، تخویف اور نصیحت سے کام لے) بس اگر تغیر باللسان کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو (کسی ضرر کا خوف ہو) تو اپنے قلب سے متغیر کرے (بایں طور کہ اس سے راضی نہ ہو اور اپنے باطن میں انکار کرے) اور یہ (یعنی انکار بالقلب اور ناگواری) سب سے کمزور ایمان ہے (یعنی اس کا ثمرہ بہت ہی قلیل بلکہ اقل ہے)۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف ملا علی قاریؒ)

قال علی القاری وقد قال بعض علماء نا الامر الاول للاُمراء والثانی للعلماء والثالث لعامة المؤمنین۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء نے فرمایا کہ اول تغییر بالید کا حکم امراء کیلئے اور دوسرا یعنی باللسان علماء اور بالقلب عام مومنین کیلئے ہے۔

وعن ابی بکر ن الصدیق رضی اللّٰہ عنه قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول ان الناس اذا رأو منکر افلم یغیروہ یوشک ان یعمھم اللّٰہ بعقابه

اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ جب دیکھیں کسی منکر کو اور نہ متغیر کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب میں سب کو سمیٹ لے۔

(فائدہ) ''پس باوجود قدرت اگر کسی نے خلاف شرع امر سے نہ روکا تو خود تارک فرض ہوا۔ اور ہدایت پر نہ رہا۔ لہٰذا عذاب عام میں شمولیت اپنی مداہنت کے سبب ہوئی۔ نہ کہ دوسروں کی معصیت کے سبب مطلب صاف ہے ہر

زمانہ میں جتنی قدرت ہو اس کو کام میں لانا فرض ہے۔ اور آخر میں کم از کم دل سے برا سمجھنا جس کا اثر لازمی یہ ہے کہ بد دین سے رنج و کشیدگی و بے تعلقی ہو۔

اور ہم پیالہ وہم نوالہ بنا رہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من رجل یکون فی قومٍ یُعمل فیھم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیر واعلیہ ولا یغیرون الا اصابھم اللّٰہ منہ بعقاب قبل ان یموتوا. (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی قوم میں رہ کر معصیتوں کا مرتکب ہوتا ہو۔ اور قوم کے لوگ قدرت رکھتے ہوں کہ اس کو معصیت نہ کرنے دیں مگر وہ نہ روکیں تو اللہ ضرور ان پر عذاب لائے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ مریں۔

(فائدہ) ”یعنی باوجود قدرت کے بددین کو بددینی سے نہ روکنے کی سزا دنیا میں بھی ضرور ملے گی۔ (درر الفرائد)

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللّٰہ تعالیٰ لا یعذب العامۃ بعمل الخاصۃ حتی یرو والمنکر بین ظھر فیھم وھم قادرون علی ان ینکروہ فلا ینکروا فاذا فعلوا ذلک عذب اللّٰہ العامۃ والخاصۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خاص یعنی تھوڑے لوگوں کے غلط عمل کا عذاب عام یعنی زیادہ لوگوں کو نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ جب اکثر لوگ اپنے درمیان میں ظاہر اور کھلے طور پر منکرات پر عمل دیکھیں اور باوجود انکار پر قدرت کے انکار ونکیر نہ کریں تو جب نہی عن المنکر سے سکوت کریں گے تو اللہ تعالیٰ عامہ اور خاصہ سب کو عذاب کی گرفت میں لے لیں گے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھاھم علماء ھم فلم ینتھوا فجالسوھم وواکلوھم وشاربوھم فضرب اللّٰہ قلوب بعضھم ببعض ولعنھم علی لسان داؤد وعیسی ابن مریمؑ ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون O فجلس رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان متکئا فقال، لا والذی نفسی بیدہ حتی تاطر وھم علی الحق اطراً. (الترغیب والترھیب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بنو اسرائیل معاصی میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا مگر وہ باز نہ رہے پھر وہ علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے اور ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن گئے تو اللہ نے ان کے قلوب کو ایک دوسرے سے مار دیا۔ (اور ملا جلا کر سب کو یکساں بنا دیا) اور بزبان داؤد وعیسیٰ بن مریم ان پر لعنت فرمائی اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھا کرتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھکر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ نہیں، قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (اے امت محمد!) تم معذور نہیں سمجھے جاؤ گے اور نہ عذاب سے نجات پاؤ گے)۔ جب تک کہ تم ظالموں اور فاسقوں کا ہاتھ پکڑ کر ظلم اور فسق سے الگ نہ کرو گے اور باطل سے حق کی طرف موڑو گے نہیں (یعنی کوشش نہیں کرو گے)

(فائدہ) ”قلوب کے ٹکرانے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ باہم نااتفاقی پیدا کردے گا۔ کیونکہ بددینوں سے خلا ملا اور مداہنت کی تھی۔ اس خاطر کہ باہم میل جول رہے۔ مگر نتیجہ پیدا ہوا برعکس۔

کیونکہ خلاف شرع چلنے کی سزا یہی ہے کہ جن مصلحت کی خاطر کی جاتی ہے وہ ہمیشہ الٹی پڑا کرتی ہے۔ (دررالفرائد)

دعا بالجہر والاجتماع

مروجہ تبلیغی جماعت میں دعا کا بہت زیدہ اہتمام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دعا ہر امر میں جائز اور عمدہ اور فی نفسہٖ بہترین عبادت ہے۔ **كما جاء في الحديث الدعاء مخ العبادة. او كما قال۔**

لیکن جماعت تبلیغی میں جو صورت اور ہیئت اختیار کی جاتی ہے۔ اور جو اہتمام کیا جاتا ہے کہ تبلیغ کے موقع پر، اجتماعات میں اور تبلیغی اسفار میں مسجد سے نکل کر باہر ریل اور موٹر پر سوار ہوتے وقت اور ریل سے اتر کر پلیٹ فارم پر وغیرہ۔ جس ہیئت سے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر جہر کے ساتھ ایک آدمی دعا کرتا ہے۔ اور سب لوگ بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔ اور دیر دیر تک ایسا کیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے آیا یہ شرعاً ثابت ہے یا نہیں۔ خیر القرون میں اور زمانہ مابعد میں اب تک اس کا وجود نہیں ملتا۔ لہٰذا اس ہیئت اجتماعی کے ساتھ بالاہتمام اور بالجہر دعا مستقل ایک بدعت ہے۔

ایک شخص نے امام ربانی حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا کہ رمضان شریف کی نماز تراویح میں مسجد کے اندر بعد ادائے چار رکعت وتسبیح معمولی اور دعا کے اگر تمام مصلی متفق ہو کر بہ نیت رونق وکیفیت وشوکت اسلامی ذکر "**لا الٰه الا اللّٰه**" باواز بلند کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

توحضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

''اس طرح ذکر کرنا بعد جلسہ تراویح کے صحابہ وتابعین سے منقول نہیں۔ لہٰذا یہ ہیئت بدعت ہے "**كما قال في الواقعات قرأة الفاتحة بعد المكتوبة لاجل المهمات وغيرها مكروهة لانها بدعة لم يقل عن الصحابة والتابعين**" انتهى

اور بحرالرائق میں روایت ہے:

"**عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه انه سمع قوماً اجتمعوا في المسجد يهللون ويصلون على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم جهراً فراح اليهم فقال ما عهدنا ذلك في عهده صلى اللّٰه عليه وسلم وما اراكم الا مبتدعين**" الخ. ان دونوں مسئلوں سے دریافت ہوا کہ اگرچہ ذکر مطلقاً جائز ہے۔ مگر جس موقع پر کوئی طرز خاص قرون ثلاثہ میں پایا گیا ہے اس کو دوسری طرح بدلنا بدعت ہے۔ پس ہر چند کہ کلمہ طیبہ جہراً جائز ہے۔ اپنے موقعہ جواز پر، مگر جلسہ تراویح میں اس طرح ثبوت نہیں۔ تو اس طرح ثبوت کرنا بدعت ہوگا۔ مع ہذا عوام اس کو سنت سمجھ جائیں گے اور جس مباح کو عوام سنت جانیں وہ بدعت ہو جاتا ہے۔ "**قال في العالمگیریه مايفعل عقيب الصلوة مكروه لان الجهال يعتقدونه سنة او واجبة**" (اور یہ قاعدہ لکھا ہے) **وكل مباح يودي اليه فهو مكروه كذا في الزاهدي** انتهى۔

بہر حال ذکر اس طرح کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ نفس ذکر کلمہ طیبہ کا جہر سے درست ہے مگر اس موقع پر قرون خیر میں اس ہیئت سے ثابت نہیں ہوا بلکہ یہ محل اخفاء کا ہے۔ لہٰذا بدعت ہوا۔ اور نیز اس میں فساد عقیدۂ عوام کا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ ۱۷۰)

علامہ نسفی اپنی تفسیر مدارک میں "**ادعوا ربكم**" (الآیۃ) کے تحت فرماتے ہیں۔

(ادعوا ربکم تضرعا وخفیه) ای تذللاً وتعلقا قال علیه السلام الکم لا تدعون اصم ولا غائباً انما تدعون سمیعا قریباً انه معکم اینما کنتم عن الحسن بین الدعوة السر والعلانیة سبعون ضعفا (انه لا یحب المعتدین) المجاوزین ما امروا به فی کل شئ من الدعاء وغیره وعن ابن جریج الرافعین اصواتهم بالدعاء وعنه الصیاح فی الدعا مکروه وبدعة وقیل هو اسهاب فی الدعاء وعن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سیکون قوماً یعتدون فی الدعاء وحسب المرء ان یقول اللّٰهم انی اسئلک الجنة وماقرب الیها من قول

دعا کرو اپنے رب سے تضرع کے ساتھ اور چھپ کر یعنی تذلل اور تملق کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو تم سننے والے اور قریب ہی کو پکار رہے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ حسن سے روایت ہے۔ کہ آہستہ اور علانیہ دُعاء میں ستر گنے کا فرق ہے (اور بیشک اللہ تعالی معتدین کو پسند نہیں کرتے) یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو، ہر مامور بہ میں، خواہ دعا ہو یا غیر دعا ہو۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ معتدین وہ ہیں جو اپنی آوازوں کو دعا میں بلند کرنے والے ہیں۔ اور انہیں سے مروی ہے کہ بہت بلند آواز سے دعا کرنا مکروہ اور بدعت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حد سے تجاوز کرنا دعا میں اسہاب اور تطویل کرنا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایک قوم دعا میں حد سے تجاوز کرے گی۔ اور آدمی کے لئے

وعمل واعوذبک من النار وماقرب الیها من قول وعمل ثم قرأ انه لا یحب المعتدین

بس اتنا کافی ہے کہ کہے "اللّٰهم انی اسئلک" الخ پھر آپ نے "انه لا یحب المعتدین" کی تلاوت فرمائی۔

اور اس کے حاشیہ میں صاحب الاکلیل فرماتے ہیں کہ.

وکثیرا ماتری الناس یعتمدون الصیاح فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع ولا یدرون انهم اجمعوا بین بدعتین رفع الصوت فی الدعاء وفی المسجد وربما حصلت للعوام حینئذ رقة لا تحصل مع الخفض وهی شبیهة بالرقة الحاصلة للنساء والاطفال خارجة عن السنة وسمت الوارد فی الآثار

اور لوگوں کو تم بہت دیکھو گے کہ دعا میں آواز کو بلند کرنے کا قصد کرتے ہیں۔ خصوصا جوامع میں۔ اور نہیں جانتے کہ وہ دو بدعتوں کو جمع کرتے ہیں۔ دعا میں رفع صوت اور مسجد میں۔ اور بسا اوقات عوام کو ایسی حالت میں رقت حاصل ہوتی ہے۔ جو کہ آہستہ دعا کرنے کی صورت میں نہیں حاصل ہوتی۔ اور وہ رقت عورتوں اور بچوں کے رقت اور رونے دھونے کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہ سنت اور سلف کے آثار میں وارد شدہ راستہ کے خلاف اور اس سے خارج ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ "اس جوار میں یہ معمول ہے کہ بعد خطبہ عید کے منبر سے اتر کر مصلّٰی پر بیٹھ کر بعوض بعد صلوٰۃ عید دعا مانگتے ہیں۔ یہ فعل شرعا کیسا ہے، بینوا توجروا۔

حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

الجواب:

کہیں ثابت نہیں۔ اگر چہ دعا ہر وقت جائز ہے مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے۔ البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے۔ اور دبر الصلوٰۃ اوقات اجابت دعا بھی ہے۔ بہر حال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغییر سنت ہے اور قابل احتراز ہے "**وھذا کلمه ظاهر**" واللہ اعلم (فتاویٰ امدادیہ جلد اول صفحہ ۲۳)

سوال ہماری مسجد محلہ میں ہمیشہ پنجوقتہ تو نہیں خاص جمعہ کے روز یہ دستور قرار پاچکا ہے۔ کہ پیش امام بعد ادائے سنن و نوافل ختم نماز پر ٹھہرا رہتا ہے اور جب سب نمازی فارغ ہو جاتے ہیں۔ سب مل کر دعا کرتے ہیں۔ اگر اس کے خلاف ہو جائے تو اس پر اعتراض بھی ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں حکم شرع لطیف کیا ہے۔

جواب تخصیص عام اور تقیید مطلق ایک حکم ہے۔ اور ہر حکم کے لئے دلیل شرط ہے۔ اور اس تخصیص و تقیید مذکور فی السوال کی کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا اس کی مشروعیت کا اعتقاد اور اس سے بڑھ کر لزوم کا اعتقاد یا عمل (بدون اعتقاد) اختراع اور احداث فی الدین ہے۔ ایک بار دعا کرنا جو کہ منقول بھی ہے مگر بلا تاکد، خود اس کے تاکد کا اعتقاد احداث ہے۔ لیکن چونکہ مشاہد ہے کہ اس کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو قرینہ ہے عدم اعتقاد تاکد کا اس لئے اس پر دوام کی اجازت دیجاتی ہے بخلاف عمل مذکور فی السوال کے۔ "**کما ذکرنا فافترقا**" واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ جلد ۵، ۶۰۷)

فتاویٰ رحیمیہ جلد اول صفحہ ۱۶۵ پر ہے۔

"شیخ منصور ابن ادریس رقمطراز ہیں" **والدعاء سرا افضل منه جهرا**

لقوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية لانه اقرب الى الاخلاص ويكره رفع الصوت فى الصلوٰة وغيرها" اس لئے نماز میں اور اس کے باہر جہراً دعا پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر مصلّیوں کی نماز میں اس سے خلل پڑتا ہو تو کسی کے نزدیک دعا جہراً جائز نہیں۔ اماموں کو چاہئے کہ مکروہ اور ناجائز کا ارتکاب کر کے گنہ گار نہ بنیں۔ سنت طریقہ کے خلاف رواج قائم رکھنا گناہ کا کام ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب صفحہ ۱۰۵

تفسیر کبیر میں ہے "**قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم دعوة فى السر تعدل سبعين دعوة فى العلانية**"

الگ الگ سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد سب کا اکٹھا ہونا اور اکٹھے ہو کر دعا، نکتا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل اور فرمان سے ثابت ہے نہ صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی کے قول اور عمل سے ثابت ہے۔ صفحہ ۲۱۶ اس امر کو دینی سمجھنا اور سنت کی طرح تھامے رکھنا دین میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کے مرادف ہے جو بالکل ناجائز اور گناہ ہے۔ صفحہ (۲۱۹)

الغرض! کوئی بھی انفرادی اور اجتماعی کام جس طرح سید الانبیاء محبوب رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اسی طرح کرنا اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اور جس قدر مشابہت بڑھتی رہے گی اس کام کی فضیلت بڑھتی رہے گی اور اس میں کمال پیدا ہوتا رہے گا۔ اور جتنا وہ مشابہت اور ہو بہو ہونے سے ہٹتا رہے گا۔ ناقص ہوتا جائے گا اور بالکل ہٹا ہوا ہوگا تو بدعت و ضلالت ہو جائے گا۔ صفحہ ۲۰۲

علامہ شاطبی نے الاعتصام میں دعا بالجہر والاجتماع کے مسئلے پر مفصل اور مکمل اور مدلل اور طویل بحث کی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے مقدمے میں علامہ رشید

رضا مصری فرماتے ہیں

ومن اعمض هذه المسائل ما كان سنة او مستحباً فی بعيسه وبدعة لو صف او هيئة عرضت له كالتزام المصلين المكث بعد الصلوٰة للادكار وادعية مائورة يردونها بالاجتماع والاشتراک حتی صارت شعاراً من شعائر الدين ينكر الناس علی تاركيها دون فاعليها وقد اطال المصنفؒ فی اثبات كونها بدعة واورد جميع الشبهة التی وعمت بها وكر عليها بالنقص فهدمها كلها.

اوران مسائل میں بہت زیادہ غامض مسئلہ وہ ہے جو کہ فی نفسہ سنت یا مستحب ہو مگر کسی وصف یا ہیئت عارضہ کی وجہ سے بدعت ہو گیا ہو، جیسے مصلین کا بعد نماز کے اذکار اور ادعیہ ماثورہ کے لئے ٹھہرنے کو لازم پکڑ لینا اور اس کو اجتماع اور اشتراک کے ساتھ ادا کرنا۔ یہاں تک کہ وہ دین کے طریقوں میں سے کوئی طریقہ بن جائے کہ لوگ اس کے تارک پر انکار کرنے لگیں اور اس کے کرنے والے پر کوئی انکار نہ کریں اور مصنف نے اس کے بدعت ثابت ہونے پر بہت طویل کلام کیا ہے۔ اور جن شبہات سے سہارا لیا جاتا ہے ان تمام شبہات کو وارد کر کے ان پر زوردار طریقے سے نقض وارد کیا ہے۔ چنانچہ تمام شبہات کو ہدم کر کے رکھ دیا ہے۔

چنانچہ بطور مثال علامہ شاطبی کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

وقد جاء عن السلف ايضا النهی عن الاجتماع علی الذكر والدعاء بالهيئة اللتی يحتمع عليها هؤلاء المبتدعون. (ج۱/۲۶۹)

اور یقیناً سلف سے بھی نہی آئی ہے ذکر پر اجتماع سے اور اس دعا سے جو اس ہیئت کی جاتی ہے جیسی کہ یہ مبتدعین اس پر اجتماع کرتے ہیں۔

اور اس سے چند سطر قبل فرماتے ہیں:

فانه لو كان حقا لكان السلف الصالح اولیٰ بادراكه وفهمه والعمل به والاقايس فی الكتاب والسنة الاحتماع لـلذكر علی صوتٍ واحد حهراً عالياً وقد قال تعالیٰ ادعوا ربكم تصرعا وخفية انه لا يحب المعتدين والمتدون فی التفسير هم الرافعون اصواتهم للدعاء

اس لئے کہ اگر یہ حق ہوتا تو سلف صالح اس کے ادراک اور فہم اور عمل میں اولی ہوتے ورنہ تو پس کہاں ہے کتاب اور سنت میں ایک آواز ہو کر بلند آواز سے ذکر پر اجتماع کرنا بہ تحقیق کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پکارو اپنے رب کو تضرع کے ساتھ اور آہستہ بیشک اللہ تعالیٰ معتدین یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں اور معتدین کے معنی تفسیر میں دعا میں اپنی آوازوں کو بلند کرنے والے کے ہیں۔

علامہ شاطبی نے چند شبہات مجوزین و معللین کے ذکر فرما کر ان کا رد فرمایا ہے:

شبہ اول: دعا بہیئت کذائیہ کی غرض اظہار وجہ تشریع ہے۔ اور دعاء بآثار صلوات مطلوب بھی ہے۔

جواب (۱)

ماقاله يقتضی ان يكون سنة

جو کہا ہے یہ مقتضی اس بات کو ہے کہ بہ سبب

بسبب الدوام والاظهار في الجماعات والمساجد وليس بسنة اتفاقاً ما ومه فانقلب اذا وجه التشريع.

دوام اور بہ سبب مجمع میں اور مسجدوں میں اظہار کے سنت ہو۔ حالانکہ اس کے سنت نہ ہونے پر ہمارا اور اس معلل کا اتفاق ہے۔ ایسی صورت میں وجہ تشریع منقلب ہوگئی (یعنی غیر سنت سنت بن گئی)

جواب (۲)

وایضا فان اظهار التشريع كان في زمان النبي صلى الله عليه وسلم اولىٰ فكانت تلك الكيفية المتكلم فيها اولى للاظهار ولما لم يفعله عليه الصلوة والسلام دل على الترك مع وجود المقتضى فلا يمكن بعد زمانه في تلك الكيفية الا الترك.

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شریعت کی صحیح صورت کا ظاہر کرنا بدرجۂ اولیٰ ضروری تھا پس متکلم فیہ ہیئت کذائی کا اظہار اس زمانہ میں زیادہ بہتر تھا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ باوجود مقتضی کے تو یہ دلیل ترک کی ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد سوائے ترک کے اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔

شبہ ثانی امام دعا پر مجمع کو اسلئے اکٹھا کرلیتا ہے تاکہ "اقرب الی الاجابة" ہوجائے

جواب (۱)

وهذه العلة كانت في زمانه

یہ علت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

لانه لايكون احدا سرع اجابة لدعائه منه اذ كان مجاب الدعوات بلا اشكال بخلاف غيره وان اعظم قدره في الدين فلا يبلغ رتبته فهو كان احق ان يزيدهم الدعاء لهم خمس مرات في اليوم والليلة زيادة الى دعائهم لانفسهم.

میں موجود تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اجابت میں اسرع نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ بلا اشکال مجاب الدعوات تھے۔ بخلاف غیر کے خواہ وہ دین میں کتنا ہی عظیم القدر ہو۔ آپ کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا آپ زیادہ احق تھے۔ اس بات کے کہ دن اور رات میں پانچ مرتبہ ان کے لئے دعا کریں۔ جو کہ ان کے اپنے لئے دعا کرنے سے زیادہ ہوتی ہے۔

جواب (۲)

ايضا فان قصد الاجتماع على الدعاء لايكون بعد زمانه ابلغ في البركة من اجتماع يكون فيه سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم واصحابه فكانوا بالتبيه لهذا المقبة اولىٰ.

نیز اس لئے کہ اجتماع علی الدعاء کا مقصد حضور کے زمانے کے بعد اس اجتماع سے برکت میں ابلغ نہیں ہوسکتا۔ جس اجتماع میں خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ موجود ہوں۔ لہٰذا اس فضیلت اور شرف حاصل کرنے کے لئے وہ حضرات اولیٰ تھے۔

شبہ ثالث: مقصد دعا کی تعلیم ہوتا کہ امام کی دعا سے وہ مضمون سیکھ لیا جاوے جو اپنے لئے دعا کریں۔ تاکہ ایسی دعا نہ کریں جو شرعاً اور عقلاً جائز نہ ہو۔

جواب

هذا التعليل لايهص فان النبى صلى الله عليه وسلم كان المعلم الاول ومنه تلقينا الفاظ الادعية ومعايها وقد كان من العرب من يجهل قدر الربوبية وهى الفاظ يفتقر اصحابها الى التعليم وكانوا انوب عهد بجاهلية تعامل الاصنام ومعاملة الرب الواحد سبحانه ولاتنزهه كما يليق بجلاله فلم يشرع لهم بهيئة الاجتماع فى آثار الصلوة دائما ليعلمهم او يعيهم على التعلم اذا صلوا معه بل علم فى مجالس التعليم ودعا لنفسه اثر الصلوٰة حين بداله دلك ولم يلتفت اذ ذاك الى النظر للجماعة وهو كان اولىٰ الخلق بدلك۔

یہ تعلیل درست نہیں۔ اسلئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معلم اول تھے۔ آپ ہی سے ہم نے ادعیہ کے الفاظ ومعانی اخذ کئے ہیں اور عرب کے لوگوں میں ایسے بھی تھے جو قدر ربوبیت سے جاہل تھے۔ وہ جو الفاظ اپنی جہلت سے استعمال کرتے تھے تو یہ استعمال کرنیوالے تعیم کے محتاج تھے۔ وہ عہد جاہلیت کے قریب تھے۔ یہ زمانہ جاہلیت جو معاملہ اپنے رب واحد سبحانہ سے کرنا چاہیئے وہ معاملہ اصنام کیساتھ کرتے تھے اور جو تنزیہہ اسکی جلال کے لائق ہے نہیں کرتے تھے مگر یہ ہیئت اجتماعی ان کیلئے دائمی طور پر مشروع نہیں کی گئی تاکہ انکو سکھایا جائے یا جب وہ لوگ آپکے ساتھ نماز پڑھیں تو نماز کے بعد انکو اسطرح سکھایا جائے۔ بلکہ آپ نے ان کو مجالس تعلیم میں سکھایا اور نماز کے بعد صرف اپنے لئے حاجت کے مطابق دعا فرمائی اور جماعت کی طرف اس کیلئے قطعاً التفات نہ فرمایا حالانکہ آپ تمام مخلوق میں اس کیلئے سب سے اولیٰ تھے۔

شبہ رابع اجتماع علی الدعا میں تعاون علی البر والتقوی ہے جو کہ مامور بہ ہے

جواب

هذا الاجتماع ضعيف فان النبى صلى الله عليه وسلم هو الذى انزل عليه (وتعاونوا على البر والتقوىٰ) وكدلك فعل، ولو كان الاجتماع للدعاء اثر الصلوٰة جهراً للحاضرين من باب البر والتقوىٰ لكان اول سابق اليه لكنه لم يفعله اصلا ولا احد بعده حتى حدث ماحدث فدل على انه ليس على ذلك الوجه بر ولاتقوىٰ.

یہ اجتماع کمزور ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مقدس پر یہ آیت (تعاونوا علی البر والتقوٰی) نازل ہوئی۔ اور آپ نے اس پر عمل بھی فرمایا اگر دعا بالجہر والاجتماع اثر الصلوۃ حاضرین کے لئے باب بر وتقویٰ سے ہوتا تو آپ سب سے پہلے اس کی طرف سبقت فرماتے لیکن آپ نے بالکل ایسا نہیں کیا۔ نہ آپ کے بعد کسی نے کیا۔ یہاں تک کہ اب اس کی ایجاد ہوئی تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ اس ہیئت پر ہونا نہ بر ہے نہ تقویٰ۔

شبہ خامس عامۃ الناس کو لسان عربی کا علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ غلطی کریں گے اور غلطی سبب ہوگی عدم اجابت کی۔

جواب

ان احداً من العلماء لايشترط فى الدعاء ان لايلحن كما يشترط الاخلاص وصدق

کسی عالم نے دعا میں یہ شرط نہیں بیان کی کہ الفاظ دعا میں غلطی نہ کی جائے۔ جیسا کہ دعا میں اخلاص صدق توجہ اور یقین وغیرہ شروط کی شرط

توجه، وعرم المسئلة وغير ذلك من الشروط وتعلم اللسان العربي لاصلاح الفاظ في الدعاء وان كان الامام اعرف به هو كسائر ما يحتاج اليه الانسان من امر دينه فان كان الدعاء مستحباً فالقرأة واجبة والفقة في الصلوة كذلك فان كان تعليم الدعاء اثر الصلوة مطلوباً فتعليم فقه الصلوة اكد فكان من حقه ان يجعل ذلك من وظائف آثار الصلوة.

بیان کی ہے۔ اور لسانِ عربی کا سیکھنا دعاء میں اصلاح الفاظ کے لئے۔ اگرچہ امام اس کا زیادہ عالم ہوتا ہے۔ انہیں تمام مسائل کی طرح ہے جس کا انسان اپنے دینی کاموں میں محتاج ہوتا ہے تو اگر دعا مستحب ہے تو قرأت واجب ہے۔ اور نماز کے مسائل کا سیکھنا بھی واجب ہے۔ پس اگر تعلیم دعا بعد الصلوۃ مطلوب ہے تو مسائل نماز وغیرہ زیادہ مطلوب ہے۔ لہٰذا اس کا حق یہ ہے کہ ان امور کو سیکھنے وسکھانے کے لئے جہر واجتماع کو نماز کے بعد بطور وظیفہ مقرر کیا جائے۔ (اور التحیات اور دعائے قنوت وغیرہ کو بلند آواز سے پڑھا جایا کرے)

اس کے بعد علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

جو فوائد دعا بالجہر والاجتماع کے ذکر کئے گئے ہیں۔ سلف صالح ان فضائل اور فوائد کی طرف سبقت کرنے میں احق اور اولیٰ تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اترى الناس اليوم كانوا ارغب في الخير ممن مضى" "کیا تم سمجھتے ہو کہ اس زمانہ کے لوگ زمانۂ ماضی کے لوگوں سے زیادہ خیر میں رغبت کرنے والے ہیں" یہ اسی اصل مذکور کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ کسی امر کے ایجاد واحداث کا مقتضی اور داعی یعنی رغبت فی الخیر سلف صالح میں بوجہ اتم

موجود تھا۔ باوجود اس کے ان حضرات نے اس کو نہیں کیا۔ پس یہ اس عمل کے ترک کی دلیل ہے۔ لہٰذا یہ فعل نہ کیا جائے۔

نماز کے بعد دعا مشروع اور اس کا وظیفہ ہے۔ مگر مواضع منصوصہ وغیر منصوصہ مثلاً بعد ادائے نوافل جمعہ اور بعد نماز عیدین کم اور کیف کسی لحاظ سے کسی وصف کو دعا پر زیادہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ تکبیر تشریق بالجہر فی الطریق عید الاضحیٰ کے موقع پر مشروع ہے۔ مگر اس پر قیاس کر کے عید الفطر کے موقع پر جہرٌ تکبیر کی اجازت نہیں دی گئی۔

اذان نماز کے لئے مشروع ہے۔ مگر عیدین کے لئے باوجود مشروط بالجماعت ہونے کے اذان کی اجازت نہیں دی گئی۔ تو دوسرے موقع پر جہاں کہ یہ امور اس موقع کے وظائف بھی نہ ہوں کرنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔

پس بموجب ارشاد مذکورۃ الصدر امام ربانی حضرت مولانا گنگوہیؒ بر بنائے عزمیت اور وظیفہ تبلیغ دعا بالجہر والاجتماع کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔

اسی کی روشنی میں اس رسم ودستور پر جو فی زمانناواعظین میں چل پڑی ہے کہ دیر دیر تک دعا بالجہر بعد وعظ کے کرتے ہیں حضرات علمائے کرام غور فرمائیں۔

بہت مفصل کلام فرمانے کے بعد آخر میں علامہ شاطبی فرماتے ہیں.

"البتہ اگر ہم فرض کریں کہ دعا بہیئۃ الاجتماع بعض اوقات میں کسی حادثہ مثلاً قحط یا خوف وغیرہ کی وجہ سے ائمہ مساجد کی جانب سے واقع ہو رہا ہے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ شرط مذکور پر واقع ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا وقوع اس طرح نہیں ہوا کہ جس سے مشروعیت انضمام کا خوف کیا جائے اور نہ خوف اس کے ایسا سنت اور رسم بن جانے کا ہے۔ کہ جس کو جماعتوں میں جاری کیا گیا ہو۔ اور مساجد اور مجامع میں

اس کے لئے تداعی اور اہتمام ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے استسقاء بہ ہیئت اجتماعی فرمائی ہے۔ جب کہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اور کبھی آپ نے کسی اور موقع پر بھی دعا بہیئۃ اجتماع فرمائی ہے۔ مگر وہ بوقت کسی خاص واقعہ اور حادثہ کے اور وہ بھی بعض احایین میں مثل دگر مستحبات کے۔ نہ کہ اس کے لئے کسی مخصوص وقت اور حالت اور کسی کیفیت و ہیئت کا انتظار تھا۔

آخر میں علامہ شاطبی فرماتے ہیں

فتاملوا یا اولی الالباب!	پس اے اولوا الالباب! تامل کرو، علماء
ماذکرہ العلماء من هذه	نے جو ذکر کیا ہے ان اصنام کا جو دعا میں
الاصنام المنضمة الی	منضم کر دیئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ
الدعاء حتی کرهوا الدعاء	مکروہ سمجھا ہے دعا کو جب اس میں ان
اذا انضم الیه مالم یکن علیه	امور کو منضم کر دیا گیا ہو جس پر امت کے
سلف الامة فقس بعقلک	سلف نہ تھے تو اپنی عقل سے سوچو کہ یہ
ماذا کانوا یقولون فی دعائنا	علماء ہماری اس زمانہ کی دعا کے بارے
الیوم باثار الصلوة بل فی	میں کیا کہتے جو آثار صلوۃ میں بلکہ بہت
کثیر من المواطن	سے موقعوں میں جاری ہیں۔

بصیرت کے لئے یہ چند تصریحات حکمائے امت علمائے ربانیین پیش کی گئیں۔ ورنہ جو شخص رسالہ ہذا کا بہ نظر غائر مطالعہ کرے گا۔ اور اس میں مذکورہ قوانین الٰہیہ اور اصول شرعیہ کو پیش نظر رکھے گا۔ وہ اس دعا بہ ہیئت کذائیہ اور تبلیغ مروجہ کی حیثیت کو واضح طور پر سمجھ لے گا۔

دعا ایک امر مشروع ہے اس پر وصف جہر اور اجتماع اور طوالت زائدہ کا انضمام کر دیا گیا ہے۔ اس کے لئے تداعی اور اہتمام اور التزام بھی ہے۔ باقاعدہ اس کے لئے پروگرام بنائے جاتے ہیں۔ اعلان و اشتہار ہوتا ہے کہ دعا ہوگی۔ فلاں حضرت دعا کرائیں گے۔ جیسا کہ دیوبند کے جشن صد سالہ میں پروگرام بنا کر بذریعہ اشتہار اعلان کیا گیا کہ ۷۰/ منٹ یعنی ایک گھنٹہ دس منٹ دعا ہوگی۔ اور حضرت جی دعا کرائیں گے۔ گو بقول ارباب جلسہ بوقت قلت وقت پروگرام پر پورے طور پر عمل نہ ہو سکا جس پر جماعت تبلیغی کے بہت سے کارکنوں کی طرف سے شکایت سنی گئی۔

پھر اہتمام کے ساتھ دیر دیر تک جہر کے ساتھ کوئی نہ کوئی حضرت یا امیر جماعت دعا کراتے ہیں۔ مجمع کثیر بلند آواز سے آمین کہتا ہے رقت طاری ہوتی ہے۔ لوگ بلند آواز سے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ پھر اس کا چرچہ کیا جاتا ہے۔ جہاں جہاں لوگ پہنچتے ہیں اس کی خوبی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً

کتاب ”کیا تبلیغ ضروری ہے“ کی جلد ۳/۱۳۳ پر مرکز کے معمولات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ”ناشتہ کے بعد پھر تعلیم وتقریر کی مجلس شروع ہوگی۔ جس میں اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور اس پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی آخر میں طویل دعا ہوئی۔ مجلس کے درمیان میں امیر بیٹھ کر دعا کر رہا تھا۔ حاضرین رو رو کر آمین کہہ رہے تھے۔ دعا میں انسانی کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو اس طرح نمایاں کیا جا رہا تھا اور انسان کی فطرت میں دبے ہوئے جذبات کو اس طرح ابھارا جا رہا تھا کہ دل دہلے پڑ رہے تھے۔ دعا کے بعد جماعتوں کی روانگی کا پروگرام تھا …… یہ پروگرام جو میں نے لکھا کسی ایک دن کا قصہ نہیں بلکہ یہی یہاں کا روزانہ کا معمول ہے“

یا مثلاً ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو

''جب دعا کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دعا کی نہ اس کے بعد دعا کریں گے۔ سب کچھ اسی دعا میں مانگ لیتا ہے۔ اور سب کچھ اسی دعا میں کہہ دیتا ہے۔ دعا کی کیفیت، ان کے مضامین، اس کی آمد اور جوش وخروش، ان کی رقت انگیزی اور اس کی تاثیر بے مثال جب دعا کرتے حاضرین کا عجب حال ہوتا۔ خاص طور پر جب اُردو میں الفاظ ادا کرتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا، دور دور سے رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں۔ اپنے گناہوں کی توبہ، مغفرت، آخرت کی سرخ روئی، دین کی عظمت، تمام انسانوں کے لئے ہدایت طلبی یہ سب باتیں اللہ سے طلب کی گئیں۔ دعا یوں مانگی گئی جس طرح دعا مانگنے کا حق ہوتا ہے۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو نہ روئی ہو، کوئی زبان نہ تھی جو ہلی نہ ہو، کوئی دل نہ تھا جو پھٹ پڑنے پر نہ آیا ہو (اس کے بعد پھر الفاظ دعا جو ٹیپ ریکارڈ میں ضبط تھے نقل کئے گئے، جس سے صاحب الاکلیل کے قول مذکورۃ الصدور کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ:

وكثيرا ماترى الناس يعتمدون الصياح فى الدعاء وربما حصلت للعوام حينئذ رقة لا تحصل مع الخفض وهى شبيهة بالرقة الحاصلة للنساء والاطفال خارجة عن السنة وسمت الوارد فى الآثار.

لوگوں کو تم بہت دیکھو گے کہ وہ دعا میں آواز بلند کرنے کا قصد کرتے ہیں اور اس وقت عوام کو بسا اوقات ایسی رقت ہوتی ہے کہ آہستہ دعا مانگنے کی صورت میں حاصل نہ ہوتی اور یہ رقت عورتوں اور بچوں کی رقت کے مشابہ ہوتی ہے جو کہ طریقہ سلف اور سنت سے خارج ہے۔

پس اس انضمام واہتمام والتزام کی وجہ سے یہ امر مشروع مجموعہ یجوز ولا یجوز ہوکر مستقل طور پر حکم میں لا یجوز اور غیر مشروع اور بدعت ہوگیا۔ اور پھر تبلیغ میں بوجہ اس امر غیر مشروع کے انضمام واہتمام والتزام کے کہ کوئی تبلیغی سفر، کوئی تبلیغی تقریر، کوئی اجتماع اس سے خالی نہیں رہتا۔ تبلیغ کو بھی مجموعۂ یجوز ولا یجوز بنا دیتا ہے۔

پھر اگر دعا بہ ہیئت کذائیہ مشروع بھی ہوتی تو بوجہ وظیفہ تبلیغ نہ ہونے کے اور بوجہ ہیئت ترکیبیہ کے موجود بوجود شرعی نہ ہونے کے بدعت کے حکم میں داخل ہوتا۔

علامہ شاطبیؒ نے فرمایا جلد ۲/۲۴

اذا دخل فيه امر زائد صار الدعاء فيه بتلك الزيادة مخالفاً للسنة لاعلىٰ حكم الاصالة بل بسبب ما ينضم اليه من الامور المخرجة عن الاصل.

جب دعا میں امر زائد داخل ہو جائے گا تو اس حالت میں اس زیادت کی وجہ سے دعا مخالف سنت ہو جائے گی۔ حکم اصالت پر نہیں بلکہ بسبب اس چیز کے جو کہ اس کی طرف ایسے امور منضم کر دیئے جاتے کے جو کہ اسکو اصل سے نکال دینے والے ہیں۔

اور صفحہ ۲۴ پر فرمایا

اما القسم الاول وهو ان تفرد البدعة عن العمل المشروع فالكلام فيه ظاهر مما تقدم الا انه ان كان وضعه على جهة التعبد فبدعة حقيقة والا فهو

قسم اول یہ ہے کہ عمل بدعی عمل مشروع سے الگ منفرداً مستقلاً کیا جائے۔ تو کلام اس میں گذشتہ بیانات سے ظاہر ہے۔ البتہ ایک بات یہ ہے کہ اگر اس کی وضع جہت تعبد پر ہو تو بدعت حقیقیہ ہے اور اگر جہت

فعل من جملة الافعال العادية لامدخل له فيما نحن فيه، فالعبادة سالمة و العمل العادی خارج من كل وجه الا انه يشترط فيه ايضاً ان لايكون بحيث يفهم منه الانضمام الى (العمل المشروع) عملاً او قصداً فانه اذ ذاک يصير بدعة

تعبد پر نہ ہو تو وہ من جملہ افعال عادیہ ہے ہماری گفتگو سے وہ خارج ہے ایسی صورت میں عمل مشروع (کراہت سے) سالم ہوگی اور عمل عادی ہر طرح خارج ہوگا۔ ہاں البتہ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ ایسی طرح نہ ہو کہ اس عمل کا عمل مشروع کے ساتھ انضمام سمجھا جائے نہ قصداً نہ عملاً، اس لئے کہ پھر تو وہ بدعت ہو جائے گا۔

آگے فرماتے ہیں:

ايضا اذا فرضنا انه فعل فعلا قصدا التقرب مما لم يشرع اصلاً ثم قام بعده الى الصلوٰة المشروعة (مثلاً) ولم يقصد فعله لاجل الصلوٰة ولا كان مظنة لان يفهم منه انضمامه اليها فلا يقدح فى الصلوٰة وانما يرجع الذم فيه الى العمل به على الانفراد ومثله لو اراد القيام الى العبادة ففعل عبادة مشروعة من غير قصد

نیز اگر ہم ایسی صورت فرض کریں کہ کسی نے بقصد تقرب ایسا فعل کیا جو بالکل غیر مشروع تھا۔ اس کے بعد مثلاً صلوٰۃ مشروعہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ مگر نماز کے لئے اس فعل غیر مشروعہ کا قصد نہیں کیا۔ اور نہ مظنہ تھا نماز میں اس فعل کے انضمام کا۔ تو نماز میں تو کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔ بلکہ ذم علی الانفراد اس فعل غیر مشروعہ ہی کی طرف راجع ہوگا۔ اور جیسے اگر ارادہ کیا کسی عبادت غیر مشروعہ کے ادا کرنے کا تو اس کے ساتھ اس سے پہلے ایک دوسری عبادت مشروعہ کو ادا کیا۔ مگر

الانضمام ولا جعله عرضة لقصد انضمامه فتلک العبادتان على اصالتهما كقول الرجل عند الذبح او العتق اللّٰهم منک ولک على غير التزام ولا قصد الانضمام كقرأة القرآن فى الطواف لا بقصد الطواف ولا على الالتزام فكل عبادة هنا مفرد عن صاحبتها فلا حرج فيها.

نہ تو اس کا ارادہ ایک عبادت کو دوسری عبادت میں انضمام کا تھا نہ ایسے طریقہ سے کیا کہ انضمام کا گمان کیا جائے تو دونوں عبادتیں اپنی اپنی اصل پر ہیں۔ جیسے ذبح یا عتق کے وقت اللّٰھم منک ولک کہے مگر نہ التزام ہو۔ نہ قصد انضمام ہو۔ ایسے ہی طواف میں قرأت قرآن نہ بقصد طوف ہو نہ علی الالتزام ہو تو دونوں عبادتیں مستقل اور منفرد ہیں۔ الگ الگ سمجھی جائیں گی اور اس میں کچھ حرج نہیں۔

صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں:

واما القسم الثانى وهو ان يصير العمل العادى او غيره كالوصف للعمل المشروع الا ان الدليل على ان العمل المشروع لم يتصف فى الشرع بذلک الوصف فظاهر الامر (فيه) انقلاب العمل المشروع غير مشروع ويبين ذلک من الادلة عموم قوله عليه الصلوٰة والسلام "كل عمل ليس عليه امرنا فهو ردّ" وهذا العمل عند اتصافه بالوصف المذكور عمل ليس عليه امره عليه الصلوٰة والسلام

قسم ثانی یہ ہے کہ عمل عادی یا غیر عادی مثل وصف عمل مشروع کے ہو جائے۔ سوائے اس کے کہ دلیل دلالت کر رہی ہے اس بات پر کہ شرع میں عمل مشروع اس وصف کے ساتھ متصف نہیں ہے۔ تو اس میں ظاہر امر عمل مشروع کا غیر مشروع ہو جاتا ہے۔ اور اس پر دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا عموم ہے اور وہ کل عمل الحدیث ہے یعنی ہر وہ عمل کہ جس پر ہمارا امر نہ ہو مردود ہے اور یہ عمل وصف مذکور سے متصف کی بناء پر ایسا عمل ہو جاتا ہے کہ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امر نہیں ہے۔

تفویض منصب تبلیغ و امارت نااہل و فُسّاق

امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی غرناطی اپنی کتاب ''الاعتصام'' کے صفحہ ۲۷ پر فرماتے ہیں

ان الشرع جاء بالوعد باشياء تكون في آخر الزمان هي خارجة عن سنته

بیشک شرع شریف نے چند ایسی چیزوں سے ڈرایا ہے جو آخر زمانے میں واقع اور ظاہر ہوں گی جو کہ حضورؐ کی سنت سے خارج ہونگی۔

☆☆☆

ففي الصحيح عن عبدالله رضي الله عه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انكم سترون بعدي اثرة واموراً تنكرونها قالوا فما تامرنا يارسول الله قال ادوا اليهم حقهم وسلوا حقكم.

چنانچہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب میرے بعد تم غلط امور دیکھو گے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ تو آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں کا حق ادا کرو اور لوگوں سے اپنا حق مانگو۔

☆☆☆

وفي الصحيح ايضا اذا اسند الامر الى غير اهله فانتظروا الساعة.

نیز صحیح میں روایت ہے کہ جب امور نااہل لوگوں کے ہاتھ میں دیا جانے لگے تو تم قیامت کا انتظار کرو۔

وعن ابي هريرة رضي الله عه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يتقارب الزمان ويقبض العلم ويلقى الشح وفي رواية احمد ويظهر الجهل وتظهر الفتن ويكثر الهرج قال يارسول الله ايما هو؟ قال القتل القتل.

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسم نے فرمایا۔ زمانہ قریب ہونے لگے۔ (یعنی بہت جلدی گذرنے لگے گا کہ برکت ہی اٹھ جائے گی) اور علم ختم کر دیا جائے گا۔ بخل ڈالدیا جائیگا (اور امام احمد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جہالت ظاہر ہونے لگے گی) اور فتنے ظاہر ہونے لگیں گے اور ہرج کی کثرت ہوگی۔ راوی نے پوچھا یارسول اللہ ہرج کیا ہے۔ فرمایا قتل! قتل۔

☆☆☆

وفي الترمذي عن ابي موسىٰ قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ان من ورائكم اياماً ينزل فيها الجهل ويرفع فيها العلم ويكثر فيها الهرج والهرج القتل.

اور ترمذی میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ عیہ وسلم نے کہ تمہارے پیچھے وہ زمانہ آنے والا ہے کہ جس میں جہالت نازل ہوگی۔ علم اٹھ لیا جائے گا اور ہرج کی کثرت ہوگی۔ اور ہرج قتل ہے۔

☆☆☆

وعن عبدالله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تخرج في آخر الزمان احداث الاسنان

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں کمسن اور بیوقوف لوگ نکلیں گے قرآن

سفهاء الاحلام يقرؤن القرآن لايجاوز تراقيهم يقولون من قول خير البرية يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية.

پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے تجاوز نہ کرے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سی باتیں کریں گے۔ وہ دین سے ایسا نکل جائیں گے کہ تیر کمان سے۔

☆☆☆

وعن انس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم ويكثر الجهل ويفشو الزنا ويشرب الخمر وتكثر النساء ويقل الرجال حتى يكون للخمسين امرأة قيم واحد

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائیگا۔ جہالت کی کثرت ہوگی۔ زنا پھیل جائیگا عورتوں کی زیادتی ہوگی مرد کم ہوجائینگے یہاں تک کہ پچاس پچاس عورتوں کو سنبھالنے والا ایک ایک مرد ہوگا۔

☆☆☆

ومن غريب حديث علي رضي اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اذا فعلت امتي خمس عشرة خصلة حل بها البلاء قيل وما هي يارسول اللّٰه قال اذا صار المغنم دولا،

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہوجائیں گی تو بلا نازل ہوگی۔ پوچھا گیا کہ وہ پندرہ خصلتیں کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو اپنی ذاتی دولت بنائی جانے لگے اور امانت کو مال غنیمت سمجھا جانے لگے۔

والامانة مغنما، والزكاة مغرما، واطاع الرجل زوجته، وعق امه، وبر صديقه وجفا اباه، وارتفعت الاصوات في المساجد، وكان زعيم القوم ارذلهم واكرم الرجل مخافة شره، وشربت الخمور ولبس الحرير واتخذت القيان والمعازف ولعن آخر الامة اولها، فليرتقبوا عند ذلك ريحاً حمراء وزلزلة وخسفا او مسخا وقذفا وفي الباب عن ابي هريرة رضي اللّٰه عنه قريب من هذا وفيه ساد القبيلة فاسقهم وكان زعيم القوم ارذلهم (الحديث)

اور زکوۃ کو ٹیکس اور تاوان سمجھا جانے لگے اور آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور دوست کیساتھ سلوک اور باپ کیساتھ سختی کرنے لگے اور مسجد میں شور وشغب اور آوازیں بلند ہونے لگیں اور قوم کا سردار چودھری اور امیر کم درجے کا آدمی ہونے لگے اور آدمی کی عزت اسکے شرارت کے اندیشہ سے کی جانے لگے اور گانیوالیوں اور باجوں کو اختیار کیا جانے لگے اور پچھلی امت امت کے پہلے لوگوں پر لعن وطعن کرنے لگے۔ (یعنی ائمہ وفقہاء اور خلفاء راشدین ودیگر صحابہ پر تنقید واعتراض کرنے لگیں) تو اس وقت انتظار کرو سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنسنے کا اور صورتوں کے مسخ ہوجانیکا اور اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی بھی روایت ہے اسی کے قریب قریب اور اس روایت میں ہے کہ قبیلہ کا سردار فاسق شخص بنایا جانے لگے اور قوم کی افسری اور امیری ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آنے لگے جو ان میں ارذل اور کم درجے کا ہو۔

اسی قسم کی اور بھی روایات درج کرنے کے بعد حضرت علامہ شاطبی فرماتے ہیں

فهذه الاحاديث وامثالها مما اخبر به النبي صلى الله عليه وسلم انه يكون في هذه الامة بعده انما هو في الحقيقة تبديل الاعمال التي كانوا احق بالعمل بها فلما عوضوا منها غيرها وفشا فيها كانه من المعمول به تشريعاً وانما جعل الشارع اتقدم في الاحاديث المذكورة من فساد الزمان واشراط الساعة لظهورها وفحشها بالنسبة الى متقدم لزمان فان الخير كان اظهر والشر كان اخفى واقل بخلاف آخر الزمان فان الامر فيه على العكس والشر فيه اظهر والخير اخفى.

پس یہ احادیث اور ان جیسی دوسری حدیثیں کہ جن حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس امت میں میرے بعد فلاں فلاں امور واقع ہونگے۔ تو بات یہی ہے کہ در حقیقت عمل کو جس صورت پر عمل کرنے کا حق تھا اس سے بدل دیتا ہے۔ تو جب عمل کو اصلی صورت سے بدل کر اس کی جگہ دوسری صورت پر عمل کیا اور وہی دوسری صورت رواج پذیر ہوگئی تو گویا وہ دوسرا عمل اعمال شرعیہ کی طرح معمول بہ ہوگیا اور شارع علیہ السلام نے احادیث مذکورہ میں ان امور کو فساد زمان اور علامات قیامت میں قرار دیا ہے کیونکہ پہلے زمانہ کی بہ نسبت قریب قیامت ظاہر اور فحش طور پر ہونے لگے ہیں۔ اس لئے کہ زمانہ متقدم میں خیر زیادہ ظاہر تھا۔ اور شر مغلوب اور مخفی تھا۔ بخلاف آخر زمانہ کے کہ اس زمانہ میں معاملہ برعکس ہوگیا کہ شر زیادہ ظاہر اور خیر زیادہ پوشیدہ اور مغلوب ہوگیا۔

بالجملہ ان نصوص سے جاہل، نااہل، فاسق اور ارذل قوم کو کوئی دینی کام یا دینی جماعت کی امارت سپرد کرنے کا فساد اور غلط ہونا اور علامات قیامت ہونا ظاہر اور ثابت ہوا۔ حضرت مولانا تھانوی وعظ، الہدیٰ والمغفرۃ میں فرماتے ہیں:

غیر عالم کبھی وعظ نہ کہے، اس میں چند مفاسد ہیں

> ”ایک تو یہ کہ اس میں حدیث کی مخالفت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے کہ ہر کام کو اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے اور آپ فرماتے ہیں ”اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظرا لساعة“ کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کی علامات سے ہے۔ اور یہ امر مصرح اور ثابت ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں۔ یہ منصب صرف علمائے کاملین کا ہے۔ اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے“

امام شاطبی نے ان نصوص سے تفریع کرتے ہوئے الاعتصام ۲/۸۱ پر فرمایا کہ،

وكذلك تقديم الجهال على العلماء وتولية المناصب الشريفة من لا يصلح لها بطريق التوريث هو من قبيل ما تقدم فان جعل الجاهل في موضع العالم حتى يصير مفتيا للدين ومعمولا بقوله في الاموال والدماء والابضاع

اور یہی حکم رکھتا ہے علماء کی جگہ پر جہال کو رکھنا اسی طرح بطریق توریث مناصب شریفہ کا متولی بنانا ایسے شخص کو جو اس کی اہلیت اور صلاحیت نہ رکھتا ہو اس لئے کہ جاہل کو عالم کی جگہ پر رکھنا یہاں تک کہ وہ مفتی دین بن جائے اور اموال ودماء وغیرہ میں اس کی باتوں پر عمل کیا جانے لگے تو یہ دین میں حرام ونا جائز ہے اور اس کو رواج

وغيرها محرم في الدين وكون ذلك يتحدد ديدنا حتى يصير الابن مستحقاً لرتبة الاب، وان لم يبلغ رتبة الاب في ذلك المنصب بطريق الوراثة اور غير ذلك بحيث يشيع هذا العمل ويطرد ويرده الناس كالشرع الذى لايخالف بدعة بلا اشكال وهو الذى بينه النبى صلى الله عليه وسلم بقوله حتى اذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤساً جهالا فسئالوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا (الحدیث)

ودستور بنالینا یہاں تک کہ بطریق وراثت یا کسی اور طریقہ سے بیٹا باپ کے رتبہ کا مستحق ہوجائے خواہ باپ کے مرتبہ کو اس منصب میں نہ پہنچا ہو اس طرح پر کہ یہ عمل شائع اور عام ہوجائے اور لوگ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہوں جیسا کہ شرع کے معاملہ میں کیا جاتا ہے۔ کہ اس کے خلاف نہیں کیا جاتا تو یہ بدعت ہے بلا کسی اشکال کے اور یہی وہ بات ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی عالم نہ ہوگا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے۔ پس ان سے دین کی باتیں پوچھی جائیں گی پس وہ فتوی دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

"وانما ضلوا واضلوا الا بهم افتوا بالرأى اذ ليس عندهم علم"

اور یہ جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے تو اس لئے کہ چونکہ ان کے پاس علم نہ ہوگا جاہل ہوں گے اس لئے رائے ہی سے فتوی دیں گے۔

پھر صفحہ ۸۳ پر فرماتے ہیں:

ان الناس لابدلهم من قائد يقودهم في الدين والا وقع الهرج وفسد النظام فيضطرون الى الخروج الى من انتصب لهم منصب الهداية وهو الذى يسمونه عالما، فلا بد ان يحملهم على رايه في الدين لان الفرض انه جاهل فيضلهم عن الصراط المستقيم كما انه ضال عنه. وهذا عين الابتداع. لانه التشريع بغير اصل من كتاب وسنة.

لوگوں کے لئے دین میں قائد اور رہنما ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ہرج واقع اور نظام فاسد ہوجائے گا لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ ہدایت کے منصب پر جو ہوتے ہیں۔ ان کی طرف رجوع ہوں۔ اور ایسے ہی لوگوں کو وہ عالم کہتے ہیں۔ لازمی امر ہے کہ ان کو اپنی رائے سے دین کے مسائل بتانے پر آمادہ کریں گے کیونکہ ہیں تو وہ جاہل ہی۔ لہٰذا جو مسئلہ بتائیں گے وہ رائے سے ہی بتائیں گے۔ پس وہ لوگوں کو صراط مستقیم سے گمراہ کردیں گے جیسا کہ وہ خود بھی گمراہ ہیں۔ یہ عین ابتداع ہے۔ اس لئے کہ اس (غیر شرعی امر کو) شرعی بنادینا ہے جس کی اصل نہ کتاب میں ہے نہ سنت میں۔

یہ گفتگو تو جہلاء کے بارے میں تھی۔ جو علماء کے منصب کو غصب کرلیتے ہیں۔ جو کام عالموں کا ہے وہ یہ جاہل اختیار کرتے ہیں۔ اب سنئے! نوعمر اور کمسن لوگوں کو کام سپرد کرنے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں

الاعتصام صفحہ ۹۵ پر فرمایا کہ:

واما تقديم الاحداث على غيرهم فمن قبيل ما تقدم في كثرة الجهال وقلة العلم كان

رہا نوعمر اور کمسن لوگوں کا سن اور معمر لوگوں کی جگہ لینا تو وہ بھی اسی قبیل سے ہے جو کثرۃ جہل اور قلت علم کے بارے میں بیان کیا

ذلک التقدیم فی رتب العلم او غیره لان الحدث ابداً وفی غالب الامر غرلم یتحنک ولم یرتض فی صناعتیه ریاضة تبلغ مبالغ الشیوخ الراسخین الاقدام فی تلک الصنعة ولذلک قالوا فی المثل وابن اللبون اذا مالُدّ فی قرن لم یستطع صولة البزل القناعیس هذا ان حملنا الحدیث علی حداثة السن وهو نص فی حدیث ابن مسعود رضی اللّٰه عنه فان حملناه علی حدثان العهد بالصناعة ویحتمله قوله "کان زعیم القوم ارذلهم" وقوله ساد القبیلة فاسقهم وقوله اذا اسند الامر الی غیر اهله فانتظروا الساعة فالمعنی

جا چکا ہے جو کہ تقدیم کی جاتی ہے علم وغیرہ کے رتبہ میں (یعنی جیسا وہ ناجائز اور بدعت ہے یہ بھی ہے) اس لئے کمسن ہمیشہ یا اکثر اوقات نادان اور ناتجربہ کار ہوتا ہے اپنے کام میں مشاق نہیں ہوتا۔ راسخین اقدام شیوخ کی ریاضت اور تجربہ تک اس کی پہنچ نہیں ہوتی۔ اسی لئے ایک مثل مشہور ہے کہ بکری کا وہ بچہ جس کی سینگ ابھی اس کے سر میں لپٹی ہو۔ بڑی ڈیل ڈول والے پہاڑی بکرے کی صولت ودبدبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ اس صوت میں ہے جب کہ ہم اس کمسن اور کمسنی کو حداثت سن اور کمسنی پر محمول کریں تو حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں مصرح ہی ہے۔ اور اگر اسکو نادانی، ناتجربہ کاری اور جہل پر محمول کریں اور قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کان زعیم الخ اور ساد القبیلة الخ اور اذا اسند الخ اس کا محتمل بھی ہے تب تو سب کا معنی ایک ہی ہے۔ کیونکہ نیا نیا کام کرنے والا پرانے کام کرنے والوں کے برابر نہیں ہوسکتا اسی لئے

فیها واحد فان الحدیث العهد بالشیئ لایبلغ مبالغ القدیم العهد فیه ولذلک یحکی عن الشیخ ابی مدین انه سئل عن الاحداث للذین نهی الشیوخ الصوفیه عنهم فقال الحدث الذی لم یستکمل الامر بعد وان کان ابن ثمانین سنة فاذاً تقدیم الاحداث علی غیرهم من باب تقدیم الجهال علی غیرهم ولذلک قال سفهاء الاحلام وقال یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرهم.

شیخ ابو مدین کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ ان سے دینی کمسنوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ جن سے استفادہ کو مشائخ صوفیہ نے منع فرمایا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ کمسن وہ ہے کہ جس کے امر کی ابھی تلقین نہ ہوئی ہو۔ خواہ وہ اسی برس ہی کا کیوں نہ ہو۔ تو اب اس کے معنی وہی ہوں گے جو تقدیم الجہال علی العصماء کے معنی ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "سفہاء الاحلام" (یعنی کم عقل اور بیوقوف) فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا یعنی سمجھیں گے نہیں۔

(تنبیہ) جاہل کے معنی مطلقاً امی کے نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر امی کسی کامل کی صحبت میں ایک معتد بہ مدت گذار کر مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ شیخ کامل اس کے اندر پوری اور کامل صلاحیت اور فہم وتدین محسوس کرکے کام کی اجازت دے دے تو پھر اس کا شمار جہال میں نہ ہوگا۔

بہرحال جہال، احداث الاسنان، سفہاء الاحلام، فساق، اراذل، یہ سب نااہل ہیں۔ اور نااہل کو امارت اور کام سپرد کرنا ناجائز ہے۔ اور بوجہ علی وجہ التشریع ہونے کے حسب تصریح وتشریح امام شاطبی بدعت ہے۔

الاعتصام صفحہ ۳۴ پر فرمایا:

كل عبادة نهي عنها فليست بعبادة اذ لو كانت عبادة لم ينه عنها فالعامل بها عامل بغير مشروع فاذا اعتقد فيها التعبد مع هذا النهي كان مبتدعا بها.

جس عبادت سے نہی کی جائیگی وہ عبادت نہ ہوگی اس لئے کہ اگر وہ عبادت ہوتی تو اس سے نہی کیوں کی جاتی۔ پس اس پر عمل کرنے والا غیر مشروع کا عمل کرنے والا ہوگا۔ پس اگر باوجود اس نہی کے اس فعل میں عبادت کا اعتقاد کیا تو مبتدع ہوگا۔

رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو باوجود حداثت سن اور مفضولیت امیر بنانا تو اس پر اب کے جہال اور حدثان العہد کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ صحابی رسول تھے۔ اور حضرات صحابہ باوجود امی اور کمسن ہونے کے اعلم اور فہیم تھے۔ اس لئے اہل تھے۔ حضرت اسامہ کے اہل ہونے کے متعلق تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نص موجود ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرؓ ان رسول اللّٰه صلي اللّٰه عليه وسلم بعث بعثا وامر عليهم اسامة بن زيد فطعن بعض الناس في امارته فقال رسول اللّٰه صلي اللّٰه عليه وسلم ان كنتم تطعنون في امارته فقد كنتم تطعنون في

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر تیار کیا۔ اور اس پر اسامہ بن زید کو امیر مقرر کیا۔ تو ان کی امارت پر بعض لوگوں نے طعن کیا۔ اس کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسامہ کی امارت پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طعن کر چکے ہو اور اللہ کی قسم

امارة ابيه من قبل وايم اللّٰه ان كان لخليقاً للامارة وان كان لمن احب الناس الي وان هذا لمن احب الناس الي بعده متفق عليه وفي رواية لمسلم نحوه وفي آخره اوصيكم به فانه من صالحيكم (مشکوۃ شریف)

وہ امارت کا اہل تھا۔ اور لوگوں میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب اور بیشک یہ اسامہ لوگوں میں اس کے بعد سب سے زیاہ محبوب ہے (یہاں تک تو بخاری ومسلم دونوں متفق ہیں) اور مسلم کی روایت میں آخر میں یہ بھی ہے کہ میں اسامہ کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ وہ تمہارے صالحین اور لائق لوگوں میں سے ہے۔

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں فرماتے ہیں کہ:

”حضرت اسامہ بن زید پر طعن کرنے والے یا تو منافق تھے یا اجلاف عرب والمعنی متکلم (بعض الناس) ”**ای المنافقون او اجلاف العرب**“ اور وجہ طعن بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

”**فی امارته ای ولایته لکونه مولی**“ یعنی ان کی امارت یعنی ولایت پر طعن بوجہ ان کے غلام زادہ ہونے کی وجہ سے کرتے تھے۔

پھر بحوالہ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں:

قال التوربشتي انما طعن من طعن في امارتهما لانهما كانا من الموالي وكانت العرب لا ترى تامير الموالي وتستنكف عن اتباعهم كل الاستنكاف

تورپشتی نے فرمایا کہ جس نے ان دونوں کی امارت پر طعن کیا تو اس نے اس لئے طعن کیا کہ یہ دونوں موالی میں سے تھے۔ اور عرب موالی کو امیر بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور ان کی اتباع سے پورا استنکاف کرتے

فلما جاء الله بالاسلام ورفع قدر من لم يكن له عندهم قدر بالسابقة والهجرة والعلم والتقى وعرف حقهم المحفوظون من اهل الدين فاما المرتهنون بالعادة والممتحنون بحب الرياسة من الاعراب ورؤساء القبائل فلم يزل يختلج في صدورهم شئ من ذلک لا سيما اهل النفاق فانهم كانوا يسارعون الى الطعن وشدة النكير عليه وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد بعث زيد بن حارثة رضى الله عنه امير اعلى عدة سرايا واعظمها جيش موته وسار تحت رايته في تلک العزوة خيار الصحابه مهم جعفر بن ابى طالب رضى الله عنه وكان حنيفاً بذاک لسوابقه وفضله وقربه من رسول الله

تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اسلام بھیجا۔ اور عرب کے نزدیک جن کی کچھ قدرومنزلت نہ تھی۔ تو فضائل وسوابق ہجرت، علم اور تقویٰ کی صفات کی وجہ سے ان کی قدرومنزلت کو بلند فرمادیا۔ اہل دین میں سے جو محفوظ لوگ تھے انہوں نے ان کے حق کو پہچانا۔ لیکن جو لوگ عادت جاہلیت کے خوگر تھے۔ اور اعراب ورؤسائے قبائل میں سے جو لوگ حب ریاست کے فتنہ میں مبتلا تھے۔ ان کے سینوں میں یہ خیالات وجذبات موجود رہ گئے خصوصاً اہل نفاق میں۔ اس لئے کہ یہ لوگ اس پر طعن اور نکیر میں بہت جلدی کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل حضرت زید بن حارثہ کو کئی ایک سرایا پر امیر مقرر فرما چکے تھے۔ جن میں سے سب سے اعظم جیش غزوہ موتہ تھا۔ اور اس غزوہ میں زید کے جھنڈے کے نیچے خیار صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی۔ جن میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور زید بن حارثہ اس کے بالکل اہل تھے بوجہ

صلى الله عليه وسلم ثم كان يبعث اسامة وقد امره في مرضه على جيش فيهم جماعة من مشيخة الصحابة وفضلائهم وكانه راى في ذلک سوى ماتوسم فيه من النجابة ان يمهد الامر ويوطئه لمن يلي الامر بعده لئلا ينزع احد يدا من طاعة وليعلم كل مهم ان العادات الجاهلية قد عميت مسالكها وخفيت معالمها.

اپنے سوابق اور فضائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے۔ پھر ان کے بیٹے حضرت اسامہ کو بھیجنا شروع فرمایا۔ چنانچہ اپنے مرض الوفات میں اس جیش کا امیر مقرر فرمایا جس میں مشائخ اور فضلائے صحابہ تھے۔ گویا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کی نجابت وشرافت کے علاوہ یہ بھی مناسب اور ضروری سمجھا کہ تمہیداً وتوطئۃً ایسے لوگوں کو امیر بنایا تا کہ ان کے بعد اگر ایسے باصلاحیت موالی کو امیر بنایا جائے تو کوئی اس کی طاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔ اور ہر شخص خوب جان لے کہ عادات جاہلیت کے راستے مسدود اور اس کے نشانات مٹ چکے ہیں۔

اور ”فانه من صالحيكم“ کی شرح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

اى ممن غلب عليه الصلاح فيما بينكم والا فكل الصحابه صالحون والخطاب لجماعة من الحاضرين او المبعوثين معه

یعنی اسامہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ تمہارے درمیان ان پر صلاح غالب ہے ورنہ تمام صحابہ صالح تھے یہ خطاب یا تو ان لوگوں سے ہے جو بوقت خطاب حاضر تھے۔ یا ان لوگوں سے ہے جو حضرت اسامہ کے ساتھ بھیجے جا رہے تھے۔

حضرت اسامہ کی عمر علی اختلاف القولین بیس برس یا اٹھارہ برس کی تھی۔ یہ بھی بعض روایات میں آیا ہے کہ بعض لوگوں نے ان پر طعن کیا کہ کم عمر لڑکے کو اتنی بڑی

فوج اور ایسے بڑے بڑے مہاجرین اور انصار امیر مقرر فرمایا۔ اور حسب نقل علامہ زرقانی طعن کرنے والوں میں حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ طعن غلامی ہی تھی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ عیہ وسلم نے حضرت اسامہ پر طعن کو ان کے باپ حضرت زید پر طعن کے مثل فرمایا۔ اور حضرت زید پر طعن کمسنی کا ہو نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا غلامی ہی پر طعن متعین ہے۔

صاحب اصح السیر فرماتے ہیں:

> "صحیحین کی روایت ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے اسامہ کے متعلق اس طرح کہا ہے۔ اگر تم نے اس کے امیر ہونے پر طعن کیا ہے تو اس سے پہلے اس کے باپ کے امیر مقرر ہونے پر طعن کر چکے ہو۔ حالانکہ خدا کی قسم! وہ اس کا مستحق تھا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی اس کا اہل ہے"۔

حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> "صحیحین میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ جواب میں مروی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر اعتراض طعن کمسنی کی وجہ سے ہو مگر اصل وجہ طعن کی یہی تھی کہ یہ غلام تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسامہ پر آج طعن کر رہے ہو، مگر اس سے پہلے زید بن حارثہ کے امیر ہونے پر طعن کر چکے ہو۔ یعنی یہ اگر کم عمر ہیں تو زید تو کم عمر نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی یہی وجہ تھی کہ اس طعن سے معلوم ہوا کہ اب تک انساب پر فخر کا خیال باقی ہے۔ حالانکہ اصل چیز دیکھنے کی اہلیت ہے جو زید میں بھی تھی۔ اور اسامہ میں بھی ہے۔ واللہ اعلم

اس سے معلوم ہوا کہ امارت یا کسی امر کو سپرد کرنے کے سلسلہ میں گو افضلیت

ضروری نہ ہو مفضول ہی ہو لیکن بہت ہی ضروری باتیں اور بھی قابل لحاظ ہوتی ہیں مثلاً اہلیت یا کسی فاسد عقیدہ و خیال اور عمل کی اصلاح وغیرہ۔

الافاضات الیومیہ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا قول کہ حجاج بن یوسف کے داماد سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم نے امیر لشکر ہو کر ہندوستان پر چڑھائی کی۔ تو اس کی وجہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ

> "یہ سب برکت ایمان اور فہم صحیح کی تھی زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا۔ اس وقت فہم عام تھا۔ اب جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بُعد ہوتا جا رہا ہے۔ اسی قدر اس میں کمی ہو رہی ہے"۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ مفضول تھے مگر نااہل نہیں تھے۔ اور مفضول ہونا اور ہے۔ نااہل ہونا اور ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس میں صرف اعلمیت اور افضلیت کافی نہیں ہے۔ اور چیزوں کی ضرورت ہے۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ صرف محنتی و جفاکش ہونا بھی کافی نہیں۔ علم و فہم کے درجہ ضروریہ کا حصول بھی ضروری ہے۔ جاہل کندۂ ناتراش ہوگا تو اس کا فساد ظاہر ہے خصوصاً جب کہ جماعت بھی جاہل اور جماعت کا امیر بھی جاہل تو کریڈا اور نیم چڑھا کا مصداق ہوگا۔

یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ جماعت ایک دینی جماعت ہے۔ ایک اہم دینی کام کے منصب کی حامل ہے۔ اس کا اور اس کے امیر کے فرائض منصبی میں صرف ٹکٹ خریدنا اور بک کرانا ہی نہیں ہے بلکہ تصرفات شرعیہ و دینیہ بھی ہیں۔ حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلویؒ نے کام کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ:

> ’’اور ایک سمجھ دار شخص کو اپنا امیر بنالیں تا کہ وہ سب کی نگرانی کرے۔ اور سب کو تعلیم وتعلم اور تبلیغ وتذکیر اور یادالٰہی میں مصروف رکھے اور سب کی راحت رسانی اور خدمت گذاری اپنا فریضہ منصبی سمجھے‘‘۔ (اصلاح انقلاب وغیرہ)

امیوں کی نماز جماعت میں قاری یا عالم کے نہ ہونے کی صورت میں امی امام کے پیچھے اس لئے ہو جاتی ہے کہ نماز بھی ضروری اور جماعت بھی ضروری ہے۔ جماعت کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر اُمی امام ایسا نااہل ہے کہ خطرہ اس سے کسی مفسد صلوٰۃ فعل کے واقع ہونے کا ہو تو ہرگز اس کا امام بنانا جائز نہیں۔ اور جہاں باقاعدہ کسی امیر کی ماتحتی میں جماعت بنا کر تبلیغی کام کرنے کے مکلف نہیں ہیں خصوصاً ایسی حالت میں مفاسد لازمی یا متعدی کے وقوع کا بظن غالب خطرہ ہو‘‘ رہا حضرت مولانا تھانوی کا اپنے ملفوظات میں ارشاد فرمانا کہ مشائخ بعض اوقات نااہل کو بھی اجازت دیدیتے ہیں مشائخ نے کسی ایسے شخص کو اجازت دیدی جس میں اہیت نہ تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کے فضل کی برکت سے اس کو اہل کر دیا۔

تو مولانا کی مراد اس نااہلیت سے افضلیت کے مقابلے میں مفضول اور مفضولیت اکملیت کے مقابلے میں کاملیت ہے۔ یعنی افضل کے مقابلے میں مفضول اور اکمل کے مقابلے میں کامل کو مجازاً نااہل فرمارہے ہیں۔ ورنہ تو مولانا تھانوی جیسے متبحر اور محقق محتاط اور دوررس اور دقیقہ شناس امت کے نبض شناس حکیم عالم جو نہایت شدومد سے نااہلوں اور جاہلوں کو اہم دینی کام سپرد کرنے پر نکیر فرمارہے ہیں۔ اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم ’’اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ‘‘ اس کی دلیل میں پیش فرمارہے ہیں۔ اس کو کب جائز کہہ سکتے تھے۔ اس کی تائید میں

خود متکلم کا بیان ابلغ ہوگا۔ ’’جو اشرف السوانح حصہ دوم کے صفحہ ۴۴۴ پر بعنوان انسداد سوءِ ظن وغلو در حسن ظن‘‘ مذکور ہے۔ فرماتے ہیں

> ’’اس فہرست اجازت سے کسی کو اختیاراً خارج کرنے کی بناء انقطاع خبر کے سبب انتفاءِ علم اہلیت ہے نہ کہ علم انتفاءِ اہلیت (جزو اول)
> اور کسی کو نہ داخل کرنے کی بناء بظن غالب ان اوصاف کے درجہ ضروریہ کا وقوع، یعنی رسوخ تقویٰ وصدح ومناسبت حامیہ طریق واہلیت اصلاح اور اوصاف مذکورہ کے درجہ کاملہ کی توقع ہے۔ (جزو دوم)
> جیسے علوم درسیہ کی سند کی بنا اسی کی نظیر ہے اھ (جزو سوم)‘‘

مصنف اشرف السوانح حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری رحمۃ اللہ علیہ جزو اول کی شرح میں فرماتے ہیں.

> ’’اس جزو میں حضور والا یہ فرماتے ہیں کہ میں جو فہرست مجازین میں سے بعض کو اختیاراً خارج کر دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک معتد بہ مدت تک ان کے متعلق کوئی خبر نہیں ملتی یا مشتبہ خبر ملتی ہے (جو خبر نہ ملنے ہی کے حکم میں ہے کیونکہ اجازت کے معاملہ میں تو اسی خبر کا اعتبار ہے جو قابل اطمینان ہو اور مشتبہ خبر تو گویا خبر ہی نہیں) اور حالات نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مشتبہ حالات سننے کی وجہ سے ان کی حالت کے متعلق اطمینان باقی نہیں رہتا تو وجہ اخراج کی یہ ہوتی ہے کہ اب ان کے اہل ہونے کا علم باقی نہیں رہا یہ وجہ نہیں ہوتی کہ ان کے نااہل ہونے کا علم ہو گیا‘‘۔

جزو دوم کی شرح میں فرماتے ہیں:

> ’’اس جزو میں حضرت والا ان اوصاف کو ظاہر فرماتے ہیں جن کی بناء پر

اجازت دی جاتی ہے اور وہ چند اوصاف ہیں۔ وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو۔ وصف دوم یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کیے ہوئے ہو۔ وصف سوم یہ ہے کہ اس کو طریق سے مناسبت پیدا ہوچکی ہو۔ لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی۔ وصف چہارم یہ ہے کہ اس میں دوسروں کی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہوگئی ہو۔ وصف پنجم یہ ہے کہ اوصاف مذکورہ میں اس کو بقدر ضرورت رسوخ حاصل ہوگیا وصف ششم یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا صرف درجۂ ضروریہ حاصل ہے مگر وہ آئندہ ترقی کرکے اس رسوخ کا درجۂ کاملہ بھی حاصل کرلے گا۔ تو یہ سب چھ اوصاف ہوئے“۔

جزو سوم کی شرح میں یوں فرماتے ہیں کہ۔

”اس جزو میں حضرت والا نے ایک نظیر بیان فرما کر جزو دوم کی توضیح فرمائی ہے۔ اور وہ ایسی واضح نظیر ہے کہ علمائے ظاہر کے نزدیک بھی مسلم اور بلا نکیر ان کی معمول بہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس اجازت کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے علوم درسیہ میں جو سند فراغ دیجاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اس کو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا ہے بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دیجاتی ہے کہ اس کو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہوگئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مشغول رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو کمال کا درجہ حاصل ہوجائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور ناقدر دانی سے خود ہی اپنی مناسبت اور استعداد کو ضائع کردے تو اس کا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے۔

اسی طرح جو کسی کو اجازت دیجاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اس کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہوگیا بلکہ محض اس ظن غالب پر

اجازت دی جاتی ہے کہ اس کو فی الحال تو ان اوصاف میں درجۂ ضروریہ حاصل ہوگیا ہے اور اگر وہ برابر ان کی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس کو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہوجائے گا۔

سبحان اللہ! اس میں کیسی دقیق مصلحتوں کی رعایت ہے۔ مجازین کی مصلحتوں کی بھی اور ان سے نفع اٹھانے والوں کی مصلحتوں کی بھی۔ مثلاً جب ان مجازین میں تعلیم و تلقین کی کافی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے تو ان سے لوگوں کو کیوں نہ فائدہ اٹھانے دیا جائے۔ اور حالت خاصہ کے انتظار میں لوگوں کو ان کے اتنے فیض سے بھی کیوں محروم رکھا جائے جتنا وہ اپنی حالت موجودہ ہی میں پہنچانے کے اہل ہیں۔ انتہیٰ۔

چنانچہ مقدار اہلیت کی تشخیص فرما کر ایسے لوگوں کے لئے مجاز صحبت ہونا تجویز کردیا جاتا ہے۔ ان کو بیعت کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ پھر وہ بس اتنے ہی پر رہتے ہیں اور سب مستفیدین کو اس کی اطلاع بھی دی جاتی ہے۔ لہٰذا نہ تو وہ حد سے تجاوز کرکے بیعت کرنے کی جسارت کرتے ہیں اور نہ لوگ ان سے اس قسم کی خواہش کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے خلاف کا علم ہوتا ہے تو وہ سپرد کیا ہوا منصب یعنی مجاز صحبت ہونا بھی ان سے سلب کرلیا جاتا ہے۔

تربیت السالک صفحہ ۱۰۴ پر فرماتے ہیں کہ:

”حصول اجازت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص طرق تربیت و اصلاح سے واقف ہوجاوے تاکہ طالبین کی خدمت کرسکے۔

صفحہ ۱۱۴ پر فرماتے ہیں کہ:

”خواب حجت شرعیہ نیست و برائے مرید کردن اہلیت شرط است یعنی خواب

حجت شرعیہ نہیں ہے اور مرید کرنے کے لئے اہلیت شرط ہے"۔

صفحہ ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:

"اول ایک مثال فرض کیجئے کہ ایک شخص مطب خلاف قواعد کرتا ہے اور مریضوں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ کوئی خیر خواہ مریضوں کو اس ہلاکت سے بچانے کا یہ ذریعہ اختیار کرے کہ وخود مطب کھول دے اور کہے کہ گو طب میں بھی نہیں جانتا۔ مگر میرے مطب میں یہ مصلحت ہے کہ لوگ ہلاکت سے بچیں گے اور گو علاج میں بھی نہ کروں گا جس میں خطرہ کا اندیشہ ہو مگر بے خطر چیزیں بتلاتا رہوں گا۔ تو آیا اس خیر خواہ کو اجازت دی جاوے گی یا سمجھا جاوے گا کہ یہ صورت بہ نسبت مطب نہ کھولنے کے اس لئے زیادہ ضرر رساں ہے۔ کہ مطب نہ کھولنے کی حالت میں اس ہلاکت کا سبب یہ خیر خواہ نہ ہوتا۔ اور اب جتنے علاج ہونے کے سبب سے ہلاک ہوں گے اس کا سبب یہ شخص بنے گا۔ اب اگر ان دونوں صورتوں میں فرق نہیں تو حکم اس صورت کا معلوم کر لیجئے اور اگر کچھ فرق ہے تو بیان کیجئے۔ رہا گمراہ ہونے سے بچانا سو زبان سے بھی ہو سکتا ہے۔ پھر کوئی نہ بچے وہ جانے اگر اس مقام پر کسی کے ذہن میں یہ صورت آوے کہ لوگوں کو بیعت کر کے پھر ان کو کسی محقق کے پاس پہنچاوے۔ سو بعد تامل اس میں بھی مفاسد نظر آتے ہیں۔ اور تو بعض مرید ہی دوسری طرف رجوع نہ کریں گے۔ دوسرے چند روز میں ایسے غیر کامل پیر میں بھی ہجوم عوام سے خود بینی وعجب وریا وغیرہ پیدا ہو جائے گا۔ اور تعلیم میں عار کے سبب کبھی جہل کا اقرار نہ کرے گا "**ضَلُّوا فَاَضَلُّوا**" **کا مصداق بنے گا**"۔

☆☆☆

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ کا ارشاد

تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۱۳ الغایۃ صفحہ ۱۳۶ وہ مکاتبت مذکور ہے جو مابین حضرت گنگوہیؒ وحضرت تھانویؒ واقع ہوئی ہے۔ ان مکاتیب رشیدیہ میں جو قوانین واصول شرعیہ منتشر اور متفرق طور پر مندرج ہیں۔ وہ یہ ہیں

(۱) "اگر قیود غیر منقول ہوں اور حصول مقصود ان قیودات پر موقوف ہوں تو وہ قیود بدعت نہیں۔ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ یہ کلی مشکک ہے۔ کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صدہا آیات واحادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے۔ اور طرح طرح کے طرق اور اوضاع سے اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ گویا ساری شریعت اجمالاً وہ ہی ہے کہ جس کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت اور ہر حدیث سے وہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ پس جس چیز کا مامور ہونا اس درجہ کو ثابت ہے۔ اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاوے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا۔ اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض موکد ہو جاوے گا اور بعض غیر موکد۔ لہٰذا ایک زمانہ میں صوم وصلوٰۃ قرآن واذکار مذکورہ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی ووافی تھے۔ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بسبب بعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آ گئیں تو یہ اوراد اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت ودشواری، لہٰذا طبیبان باطن نے

کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی وزیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا۔ لہٰذا ایجاد بدعت نہ ہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہہ دیوے تو بجا ہے کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا اور وہ مقصود مامور بہ تھا۔

اس کا حاصل کرنا بمرتبہ خود ضروری تھا۔ پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں۔ نہ بدعت۔ بعد اس کے دوسرے طبقہ میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ ثم و ثم۔ جیسے کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا۔ بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے۔ اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر وعلاج اول دوسرے وقت میں بدلی جاتی ہے جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو مطب کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔ پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جاوے گا۔ بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔

دوسری نظیر :-- اعلائے کلمۃ اللہ ہے جس کو جہاد کہتے ہیں۔ بتامل دیکھو کہ طبقۂ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا ملاحظۂ احادیث سے آپ کو معلوم ہے۔ اور اس زمانہ میں استعمال اُن آلات کا سراسر مضر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تارپیڑو کا واجب ہو گیا۔ کیونکہ تحصیل اعلائے کلمۃ اللہ بدوں اس کے محال۔ اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے۔ اور نہ تشبہ بکفار حرام بنا سکے۔ بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا۔ کیونکہ تحصیل مقصود ان پر موقوف سی ہو گئی ہے۔ پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس اشغال کا حال ہے۔

(۲) اگر کسی مامور کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع سالم اس نقصان سے ہو تو وہی فرد خاصۃً مامور بہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کا ترک لازم ہوگا نہ کہ اس فرد کا۔

مثلاً مطلق تقلید مامور ہے۔ لقولہ تعالیٰ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" اور بوجہ دیگر نصوص۔ مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے۔ کہ آدمی بہ سبب اس کے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے اور اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع اس میں گویا لازم ہے۔ اور طعن علمائے مجتہدین وصحابہ کرام اس کا ثمرہ ہے۔ ان امور کے سبب باہم نزاع بھی پیدا ہوتا ہے اگر تم بغور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلید غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے۔ اور اس پر ان کا مرتب ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا۔ لہٰذا تقلید غیر شخص اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ ہو گئی۔ اس واسطے کہ تقلید مامور بہ کی دو ہی نوع ہیں۔ شخصی۔ اور غیر شخص۔ اور تقلید بمنزلہ جنس کے ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدوں اپنے کسی فرد کے محال ہے پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین مامور بہ ہو گئی۔

(۳) جو چیز خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو۔ اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہو گئے ہوں اور اس کا حصول بدوں اس فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا بلکہ ازالہ ان مفاسد کا اس سے واجب ہوگا۔ مثلاً

تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیت اور غیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی۔ کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے کیونکہ یہ فصل ذاتیات میں داخل ہیں (اور جب تقلید غیر شخصی حرام تو شخصی واجب ہے) اسی واسطے فقہاء نے تقلید غیر شخصی کو کتابوں میں منع لکھا ہے۔ اور تقلید شخصی کو واجب (لہٰذا اگر تقلید

شخصی واجب میں کوئی خرابی پیدا ہو تو اس خرابی کی اصلاح کی جائے گی۔ تقلید شخصی کو ترک نہ کیا جائے گا) مگر جو عالم تقلید غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے (ترک تقلید شخصی) کے سبب عوام میں ہیجان ہو۔ اس کو تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی۔

(۴) مباح منضم جب تک اپنی حد پر ہوگا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوگا تو ناجائز ہوگا۔ مثلاً ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں فی زماننا جو قیود مباحہ ہیں وہ ذکر کی فصول نہیں ہیں بلکہ امور منضمہ ہیں کہ بدون ان کے ذکر ولادت حاصل ہوسکتاہ۔ وہ جب اپنی حد سے بڑھ گئے کہ ان میں تاکد و اصرار، تداعی و اہتمام پیدا ہوا تو یہ ذکر ناجائز اور بدعت ہو گیا۔

(۵) امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزو بھی ناجائز ہو جائے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے مرکب حلال و حرام کا حرام ہوتا ہے یہ کلیہ فقہ کا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ذکر ولادت کے ساتھ جب مسرفانہ روشنی وغیرہ امور مکروہہ و ممنوعہ کا انضمام ہوا تو یہ محفل ناجائز ہو گئی۔

(۶) مقید بامر مباح میں اگر مباح اپنی حد سے نہ گذرے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز اور اگر ان دونوں امروں میں سے کوئی امر واقع ہو جائے تو ناجائز ہوگا۔ ہسکی صدہا مثالیں ہیں اور اس کتاب میں بھی اس کی متعدد امثلہ ذکر کی گئی ہیں۔

(۷) جو امر خیر بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے۔ دائی عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اس وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ ہو۔ ورنہ رقص و سرود زیادہ تر دواعی ہیں اور روایات موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کی جاتی ہے۔ پس کون ذی فہم بعلت دعوت عوام ان کا مجوز ہو جاوے گا۔ آپ سماع ذکر ولادت کو بہیئت کذائیہ موجب ازدیاد محبت تصور کرتے ہیں اور بذریعہ غیر مشروع تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ جو امر بذریعہ غیر مشروع حاصل ہو وہ امر خیر نہیں اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو جائز الحصول نہ ہوگا۔

(۸) جو امر مندوب مغوی خلق ہو تو وہ امر مندوب ناجائز ہو جائے گا اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کی محفل میلاد خالی ہے جملہ منکرات سے اور کوئی امر نامشروع اس میں نہیں ہے تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں اور یہ فعل آپ کا ان کے لئے موید ہے۔ پس یہ فعل مندوب آپ کا جب مغوی خلق ہوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جاوے گا۔ اگر حق تعالیٰ نے انصاف بخشی تو سب واضح ہے ورنہ تامل اور شبہات کو بہت کچھ گنجائش ہے۔ مذاہب باطلہ کی اہل حق نے بہت کچھ تردید کی مگر قیامت تک بھی ان کے شبہات تمام نہ ہوں گے۔

(۹) التزام مالا یلزم بدوں اعتقاد وجوب بھی ممنوع ہے اگر باصرار ہو۔ اور اگر امر مندوب پر دوام ہو بلا اصرار وہ جائز ہے۔ اور مستحب ہے بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ کرے۔ اور اگر عوام کے اعتقاد میں خلل ڈالے تو وہ بھی مکروہ ہے۔

جیسے کہ کتب فقہ میں سور مستحبہ کے التزام کو مکروہ لکھا ہے۔

(۱۰) جب تک شیخ کسی مسئلہ کو جو بظاہر خلاف شرع ہو۔ بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کر دے۔ مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں۔

اس کی نظریں احادیث میں بکثرت ملتی ہیں۔ ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجئے جب واقعہ مسیلمہ میں قراء بہت سے شہید ہو گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ”ذہاب کثیر من القرآن“ کا ہوا تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد مباحثۂ بسیار قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبول فرمایا اور اس کا استحسان ان کے

ذہن نشین ہوگیا۔ اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی۔ اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا۔ اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس امر کی واسطے فرمایا تو باوجود اس بات کے کہ شیخین رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے۔ اور صحبت ان کی بہ نسبت زید کے طویل تھی۔ اور ان کے باب میں حکم شارع علیہ السلام سے ثابت ہو چکا تھا کہ "**اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رواہ البحاری**" مع ہٰذا زید نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا کہ "**کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**" اور ان کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ ایجاد بدعت ان کے نزدیک سخت معیوب تھا۔ اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا مناظرہ شروع کر دیا۔ مگر جس وقت شیخین نے ان کو سمجھا دیا اور سنیت اس فعل کی زید کو ثابت ہوگئی تو اس وقت بہ دل و جان قبول کر کے اس کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔ بخاری کو تم نے خود پڑھا پڑھایا اور دیکھا ہے زیادہ کیا لکھوں پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ مامور و منہی کی کچھ تمیز نہ رہے اہل علم کا کام نہیں "**لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" یہ امر بھی عام ہے۔ اس سے کوئی مخصوص نہیں۔ اور اگر کسی عالم نے اس کے خلاف کیا ہے تو بہ سبب فرط محبت کے اور جنون عشقیہ کے کیا ہے سو وہ قابل اعتبار کے نہیں۔

اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ "نقل مشائخ حجت نہ باشد" آپ نے سنا ہوگا۔ اور حضرت سلطان المشائخ کا اس پر یہ فرمانا کہ "نصیر الدین درست میگوید" تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے۔ اسی واسطے مشائخ اپنے مریدین علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے رہتے تھے۔ اور کرتے رہے ہیں۔ اور اپنی معلومات مخالفہ سے تائب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت نے غذائے روح میں قصہ اس عارف کا جو غار میں رہتا تھا اور تکیہ موم کی آنکھ میں اور بتی نجاست کی ناک میں رکھتا تھا لکھا ہے کہ انہوں نے مرید کے اس کہنے سے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اپنی نمازوں کا اعادہ کیا اور اس مسئلہ کو قبول کیا۔ اور خود بندہ کو یہ واقعات پیش آئے کہ جناب حضرت حاجی صاحب و جناب حافظ صاحب جو پہلے سے شیخ محمد صاحب سے مسائل دریافت کرکر ان پر عامل تھے۔ بندہ کے کہنے سے کتنے مسائل کے تارک ہوگئے اور واللہ کہ حافظ صاحب نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ ہم کو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکہ رہا۔

(۱۱) جو امور مبتدع اور محدث ہیں ان کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے لہٰذا وہ باب عقائد سے ہیں ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے۔ پس یہ اعتقاد کلیات میں داخل ہے۔ اگرچہ عمل ان کا عملیات سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کتب کلام میں جواز مسح خف و جواز اقتداء فاسق و جواز صلوٰۃ علی الفاسق وغیرہ بھی لکھتے ہیں۔ کیونکہ گو یہ اعمال ہیں۔ مگر اعتقاد جواز و عدم جواز اعتقادیات میں داخل ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی شرعی وفقہی واصولی تحقیق ''براہین قاطعہ'' میں

صفحہ ۱۱۲ پر فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ بحکم آیات واحادیث مجمع علیہا تمام امت کا ہے کہ کسی حد حدود شرعیہ میں سے تغیر نہیں کرنا چاہئے اور کسی وصف حکم کو تبدل کمی وزیادتی وغیرہا سے نہیں دینا چاہئے۔

مطلق کو مطلق، مقید کو مقید، ضروری کو ضروری، مباح کو مباح، اپنے حالات مشروعہ پر رکھنا واجب ہے ورنہ تعدی حدود اللہ اور احداث بدعت میں گرفتار ہو جاوے گا۔

پس بنا علیہ یہ قاعدہ کلیہ مقرر ہو گیا کہ مباح اپنے اندازہ سے متجاوز نہ ہو۔ علماً وعملاً اور مطلق اپنے اطلاق سے متغیر نہ ہو علماً وعملاً اور مقید اپنے اندازہ سے نہ بدلے علماً وعملاً اور اس پر آیات واحادیث دال ہیں۔ چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ سب کا ہے اس کے دلائل کلیہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ مگر قدر حاجت لکھتا ہوں کہ غافل کو متنبہ کر دیوے۔

''قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم الحدیث'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب جمعہ کو تمام راتوں میں شب بیداری کے لئے

خاص مت کرو اور نہ جمعہ کے دن کو اور دنوں میں سے روزہ کے ساتھ خاص کرو۔ ہاں اگر اس کے کسی معمول روزہ میں جمعہ ہی آ پڑے تو وہ اور بات ہے۔ چونکہ شارع علیہ السلام نے فضائل جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کے بہت فرمائے تھے۔ تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنی رائے سے روزہ نماز کہ عمدۂ عبادات میں اس میں نہ کر بیٹھے خود آپ ہی فرمادی کہ جس قدر امور جمعہ اور شب جمعہ میں ہم نے فرما دیئے ہیں وہی اس میں افضل اور سنت ہیں اگر کوئی اس میں قیاس واضافہ کرے گا وہ مقبول نہ ہوگا۔

پس اس حدیث میں یہ ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب جمعہ کو صوم وصلوٰۃ کے واسطے خاص مت کرو۔ کیونکہ صوم وصلوٰۃ نوافل مطلق اوقات میں یکساں ہیں خصوصیت کسی وقت کی بدوں ہمارے حکم درست نہیں۔ پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرمادیا۔ جیسا کہ جن جن امور کے واسطے جمعہ کو مخصوص کیا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ جمعہ مع لوازمہا اس کے اطلاق کو منع فرمادیا ہے۔ کہ صلوٰۃ جمعہ کسی اور دن میں نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا صاف واضح ہو گیا کہ یوم وشب جمعہ کو مقید کرنا جس میں وہ مطلق ہیں اور مطلق بنانا جس میں وہ مقید ہیں دونوں ممنوع ہیں۔ پس اس حدیث میں حکم ہو گیا کہ ہمارے ارشاد کے موافق سب کام کرو۔ اپنی رائے سے تغیر وتبدل مت کرو۔ مگر ہاں جس کو شارع مستثنیٰ کر دیویں کہ وہ دوسری حدث سے ثابت ہو جاوے تو وہ خود شارع ہی کا حکم ہے تبدل وتغیر نہیں۔

اور قول حضور علیہ السلام ''لا تختصوا'' بھی مطلق وارد ہوا ہے۔ تخصیص خواہ اعتقاد وعلم میں ہو خواہ عمل میں دونوں ناجائز ہو جاویگی سو یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تخصیص فعلی اگر منصوص مطلق میں واقع ہووے گی وہ بدعت ہے اور داخل نہی ہے۔

علی ہذا مطلق کرنا مقید کا عام ہے کہ علاً ہو یا عملاً ہو۔ دونوں منہی عنہ ہیں چونکہ یہ قاعدہ اس حد سے بوضاحت مستنبط تھا تو امام نووی شرح اس حدیث میں فرماتے ہیں۔

"احتج به العلماء على كراهة هذه الصلوة المبتدعة اللتى تسمى الرغائب قاتل الله واضعها ومخترعها فانها بدعة منكرة من البدع اللتى هى الضلالة والجهالة" یعنی حجت پکڑی ہے علماء نے اس حدیث سے اوپر اس صلوۃ مبتدعہ کی کراہت کے جس کا نام صلوٰۃ الرغائب ہے ہلاک کرے اللہ اس کے واضع اور مخترع کو اس لئے کہ یہ صلوٰۃ بدعت منکرہ ہے ان بدعتوں میں سے جو کہ ضلالت اور جہالت ہے۔

اب دیکھو کہ نماز جو کہ "خیر موضوع اور عمدہ عبادات" ہے اور سب اوقات مشروعہ میں افضل القربات ہے بہ سبب تخصیص کے بدعت منکرہ ہوگئی۔ کیونکہ اطلاق مشروع نہ رہا۔ قید وقت لگ کر مخصوص ہوگیا تو اس قید کی وجہ سے سارا مقید بدعت ہوگیا۔

اور امام محمد غزالیؒ نے جو احیاء العلوم میں اس کی فضیلت لکھی ہے۔ حالانکہ یہ قاعدہ کلیہ ان کا بھی مسلم ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کو حدیث اس صلوۃ کے فضل میں ملی۔ انہوں نے اس کو صحیح جان کر عمل کیا۔ اور یہ سمجھے کہ خود شارع نے اس کو استثناء فرمایا ہے۔ لہٰذا وہ معذور ہیں۔ مگر نقاد حدیث نے اس کا موضوع ہونا تحقیق کر دیا۔

سو فی الحقیقت امام محمد غزالی نے اس کلیہ کے خلاف نہیں کیا۔ بلکہ تصحیح حدیث میں غلطی ہوئی۔ اور بشر خطا سے خالی نہیں اور تنقید حدیث ہر ایک کا فن بھی نہیں۔ اس باب میں قول محدثین ہی کا معتبر ہوتا ہے سو یہ خدشہ بھی رفع ہوگیا۔

پس بناء علیہ شارح منیہ نے صلوۃ الرغائب کے بدعت ہونے کے چند دلائل لکھے ہیں کہ ان کا یہاں نقل کرنا مناسب ہے۔

"منها فعلها بالجماعة وهى نافلة ولم يردد به الشرع" یعنی صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل اس کا جماعت سے ادا کرنا ہے حالانکہ یہ نفل ہے اور شرع اس کے ساتھ وارد نہیں ہوئی، جماعت کو شارع نے خاص فرائض کے ساتھ کیا ہے۔ سو نوافل میں قید جماعت کی غیر مشروع ہوئی۔ مگر جس کی اجازت شرع سے ثابت ہوگئی ہو، جیسے تراویح واستسقاء، کسوف اور بلا تداعی نوافل مطلقہ میں تو جماعت جائز ہوگی۔ باقی اپنی حالت کراہت پر رہی۔

تو دیکھو کہ جماعت یہاں منقول نہیں۔ بلکہ فرائض کے ساتھ مخصوص تھی سو نوافل میں جماعت کا تخصیص کرنا شرع کا توڑنا ہوا لہٰذا لم یرد بہ الشرع کہا اور اس کا ہی نام بدعت ہے۔

"منها تخصيص سورة الاخلاص والقدر ولم يرد به الشرع" (یعنی صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل خاص کرنا ہے سورۂ اخلاص اور سورۂ قدر کا حالانکہ شرع اس کے ساتھ وارد نہیں ہوئی شارع علیہ السلام نے فرمایا تھا **"لاصلوة الا بفاتحة الكتاب وسورة"** تو کسی سورت کو خاص نہیں کیا تھا۔ مطلق سورت کا حکم فرمایا تھا۔ سو کسی صلوٰۃ میں کسی سورت کو مخصوص کرنا اطلاق شارع کے خلاف ہے مگر جہاں تخصیص وارد ہوگئی جیسا سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون صلوٰۃ جمعہ میں مثلاً اس واسطے کہا **"لم يرد به الشرع"** یہی بدعت ہے **"منها تخصيص ليلة الجمعة دون غيرها وقد ورد النهى عنه"** اس کا حاصل بھی ظاہر ہے۔ تکرار میں تطویل ہے۔

"**منها ان العامة يعتقدونها سنة**" یعنی اس صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ عوام اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ جس کی وجہ بھی یہی ہوئی کہ جس امر مباح ومندوب کے سبب عوام کے اعتقاد میں فساد ہو اس کا ایسی طرح کرنا ممنوع ہے کہ اس کو تغیر حکم شرع کا لازم ہو جاوے عند العوام اور رفع فتنہ عوام کا حتی الامکان واجب ہے۔

"**منها ان الصحابة والتابعين ومن بعدهم لم ينقل عنهم**" یہ خود روشن ہے۔ جس کی اصل قرون ثلاثہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ومردود ہوگا۔ سو یہ تعینات وتقیدات خلاف ان قرون کے کرنا خود باطل ہوا۔

سو اب غور درکار ہے کہ اس صلوۃ کے امتناع پر شارح منیہ نے اس قاعدہ کلیہ پر کہ عدم تجاوز حدود شرعیہ کا ہے یہ چند قواعد استخراج کیے ہیں کہ یہ قواعد مثل انواع کے ہیں ماتحت جنس کل کے اور ان سب سے صدہا جزئیات کا حکم حاصل ہوتا ہے۔

قاعدہ کلیہ (۱)

ایک یہ کہ شارع نے جس اہتمام اور تداعی کے ساتھ حکم فرمایا وہ تو اس طرح ہووے اور جس کو مطلق فرمایا اس میں تداعی کا اضافہ نہ ہونا چاہیے ورنہ تبدیل حکم شرعی و بدعت ہو جاوے گا۔

قاعدہ کلیہ (۲)

دوسرے یہ کہ جس شخص کو کسی خصوصیت کے ساتھ فرمادیا۔ وہاں تو وہ تخصیص مشروع ہووے گی ورنہ تخصیص بدعت ہوگی۔

قاعدہ کلیہ (۳)

تیسرے یہ کہ جہاں کسی زمانے کو مقرر کردیا۔ وہاں تو قید زمانہ کی مشروع ہے۔ ورنہ بدعت ہے۔

قاعدہ کلیہ (۴)

چوتھے یہ کہ اگر اس کی تداعی یا دوام سے عوام کو فساد عقیدہ حاصل ہو۔ تو اس کا ترک کرنا لازم ہوگا۔ اگر وہ دوام واستحباب کے درجے میں ہو نہ سنت مؤکدہ اور واجب کے۔

قاعدہ کلیہ (۵)

پانچویں یہ کہ جس شے کی اصل قرون ثلاثہ سے نہ ملے وہ بدعت ہے۔

اور ان سب جگہ عمداً وعملاً یہ حکم ہے۔ اور شے اگرچہ فی نفسہ جائز ہو مگر ان قیود وجوہ سے بدعت ہو جاتی ہے۔

پس یہ پانچ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہیں کہ شارح منیہ نے استفادہ فرمائی اور سب فقہاء کے نزدیک مقرر ہیں۔

اور ان ہی قواعد سے فاتحہ مرسومہ، سوئم، تعیین جمعرات وغیرہ کی اور محفل میلاد مروجہ سب کی سب بدعت ہوگئی ہیں"۔ وانتہی

صفحہ ۱۵۳ پر فرماتے ہیں۔

علی قاری حدیث ابن مسعود میں فرماتے ہیں "**من اصر على امر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة ومنكر**"

بحرالرائق میں ہے:

"**لان ذكر الله اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت او بشيء دون شيء لم يكن مشروعا مالم يرد به الشرع**" عالمگیریہ کہتا ہے "**يكره للانسان ان يختص لنفسه مكانا في المسجد يصلي فيه**"

بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مسجد میں لوگوں کو صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھ کر

فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ حالانکہ صلوٰۃ ضحیٰ سنت و مستحب ہے اور مسجد میں جانا بھی مستحب ہے مگر چونکہ بایں اجتماع اس صلوٰۃ کا مسجد میں پڑھنا نہ تھا تو اس کو بدعت فرمایا۔

اور حضرت عبداللہ بن المغفل صحابی نے جہر بسم اللہ کو فاتحہ کے ساتھ نماز میں بدعت و منکر فرمایا۔ حالانکہ بسم اللہ ذکر ہے اور جہر بذکر ممنوع نہیں مگر چونکہ یہاں جہر منقول نہ تھا۔ اس کو بدعت فرمایا یہ حدیث ترمذی وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک عیدالفطر میں تکبیر بجہر راہ مصلّٰی میں بدعت ہے اس واسطے یہاں ان کے نزدیک یہ تکبیر خفیہ ثابت ہوئی ہے۔ سو جہر غیر مورد شرع میں بدعت ہوا۔ حالانکہ جہر بالتکبیر والذکر مستحسن ہے غرض ان سب سے یہی ثابت ہے کہ کسی اطلاق شارع کو قید زمان و مکان و ہیئت سے مقید کرنا بدعت ہے بدوں اذن شارع کے پس اس کلیہ سے جو مسلمہ تمام امت کا ہے اور ان احادیث اور روایات فقہاء و مجتہدین سے خوب محقق ہوا کہ کسی حکم کا کسی وجہ سے تبدل و تغیر نہیں کرنا چاہئے نہ کمی سے نہ زیادت سے نہ تبدیل وصف سے۔

اور صفحہ پر فرماتے ہیں:

یہ بات متفق علیہ تمام امت کی ہے کہ امر مشروع اگرچہ فرض ہو کسی غیر مشروع کے خلط و عروض سے خواہ یہ غیر مشروع اصلی ہو یا عرضی غیر مشرع و ممنوع ہو جاتا ہے۔ جیسا نماز فرض ارض مغصوبہ میں مکروہ تحریمہ ہے اور تصویر کے سامنے اور آتش کے سامنے نماز مکروہ تحریمہ ہے۔ اگرچہ نماز فرض عمدۂ عبادات مفروضہ تھی مگر عروض امور غیر مشروعہ سے محرم ہو گئی۔ اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قیود محفل مروجہ کی دو قسم ہیں۔ بعض وہ امور ہیں کہ باصلہ مکروہ و حرام ہیں۔ تو ان

کے اس محفل میں موجود ہونے سے یہ محفل محکوم بحرمت و کراہت ہو جائے گی۔ ہر حال اس کا عقد اور شرکت دونوں ممنوع رہیں گے۔ اور کوئی عذر و تاویل اس کے جواز کی ممکن نہیں۔ جیسا روشنی زائد از قدر حاجت کہ بہ نص حرام و اسراف ہے اور لباس حاضرین کا جو محرم شرعی ہے اور مداہنت فی الدین کہ نص سے اس کی حرمت محقق ہے۔

اور قسم دوئم وہ امور ہیں کہ باصلہ مباح ہیں یا مندوب، مگر بہ سبب عروض تاکد یا وجوب کے عماً و عملاً ذہن خواص میں یا عوام میں ان کو کراہت عارض ہو گی حسب حکم شرعی کے۔ پس ان امور ثانی کا وجود مجلس مولود میں اس وقت تک مباح و جائز ہیں کہ اپنی حالت اصلیہ پر رہیں۔ اور جس وقت اپنی حالت سے نکلی اور عوام یا خواص کے ذہن میں ان کی کیفیت انداز اباحت و ندب سے بڑھی اس وقت وہ بھی مکروہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ہونے سے محفل مولود عقد و شرکت میں مکروہ ہو جاتی ہے۔

پس یہ قاعدہ شرعیہ اہل ایمان یاد رکھیں کہ بہت کار آمد ہے۔

براہین قاطعہ صفحہ ۲۸ پر فرماتے ہیں:

جو شے بوجود شرعی قرون ثلاثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجود شرعی نہ موجود ہو وہ بدعت ہے۔

اب سنو! کہ وجود شرعی اصطلاح اصول فقہ میں اس کو کہتے ہیں کہ بدوں شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے۔ اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو۔ پس اس شے کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہو۔ خواہ صراحۃً ارشاد ہو یا اشارۃً و دلالۃً پس جب کسی نوع ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا تو وہ شے وجود شرعی میں آ گئی اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو۔

اور معلوم رہے کہ سب احکام شرعیہ موجود بوجود شرعیہ ہی ہیں۔ کیونکہ حکم حلت اور حرمت کا بدون شارع کے ارشاد کے معلوم نہیں ہوسکتا پس جس کے جواز کا حکم کلیتہً ہوگیا۔ وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہوگیا اور جس کے عدم جواز کا حکم ہوگیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہوگیا اور وجود اس کا مرتفع ہوگیا۔

پس یہ حاصل ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا۔ اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بوجود شرعی ان قرون میں موجود رہے۔

اور جس کے جواز کی دلیل نہیں۔ تو خواہ وہ قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت وضلالت ہے۔

اور یہ بھی سنو! کہ اس زمانہ کا شیوع بلا نکیر دلیل جواز کی ہے۔ اور نکیر ہونا اس پر دلیل عدم جواز کی ہے۔ علی ہذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس کے عدم جواز کی اور قبول کرنا جنس کا دلیل اس کے جواز کی ہوتی ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ حکم اثبات کا قرآن وحدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس مظہر حکم کا ہے۔ مثبت حکم کا نہیں ہوتا۔ پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ کتاب وسنت سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضروری ہے۔ مولف اور اس کے اشیاع نے اس کی ہوا بھی نہیں سونگھی۔ اس عاجز کو اپنے اساتذۂ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں کہ اپنے موافقین کو نفع ہو اور مخالفین کو شاید ہدایت ہو اگر اس کو خوب نگہداشت کیا جاوے تو تمام اس رسالہ اور دیگر رسائل مبتدعین کی خطا واضح ولائح رہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ تقلید شخصی کی دلیل قرون ثلاثہ میں موجود ہے گو وجود خارجی

اس کا کبھی ہوا اس سے ہم کو بحث نہیں ”فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ اس میں وجوب تقلید کا حکم ہے اور باطلاقہ شخصی اور غیر شخصی دونوں کو محتوی ہے اور دونوں مامور علی التخییر ہیں اور آیت **”ولا تفرقوا“** (الخ) اور حدیث **”کونوا فی اللہ اخوانا“** (الحدیث) میں امر وجوب تقلید شخصی کا وقت افتراق اور اختلاف کا موجود ثابت ہے۔ کیونکہ زمان جہل میں اور اعجاب ذی رای برایہ کی عدم تقلید شخصی میں فتنہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اب خود مشاہد ہے۔ لہٰذا باتعیین وجود وجوب لغیرہ تقلید شخصی کا بعد زمانۂ قرون ثلاثہ کے ہوا۔ اگرچہ وجود شرعی اس کا قرون ثلاثہ میں ثابت تھا۔ پس اس کو بدعت وضلالت جاننا حسب حدیث مشہور بدعت کی محض جہل ہے“۔

”علی ہذا القیاس اشغال مشائخ کا جواب ہے“

(اور مدارس اسلامیہ کا بھی جواب ہے)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح کا ارشاد فرمودہ

شرعی و فقہی قواعد کلیہ خمسہ

اصلاح الرسوم صفحہ ۸۷ پر فرماتے ہیں

"قبل بیان تفصیل چند قواعد شرعیہ معروض ہوتے ہیں جو فہم تفصیل میں معین ہوں گے"۔

قاعدہ اول

"کسی امر غیر ضروری کو اپنے عقیدے میں ضروری اور موکد سمجھ لینا یا عمل میں اس کی پابندی اصرار کے ساتھ اس طرح کرنا کہ فرائض وواجبات کے مثل یا زیادہ اس کا اہتمام ہو اور اس کے ترک کو مذموم اور تارک کو قابل ملامت وشناعت جانتا ہو یہ دونوں امر ممنوع ہیں کیونکہ اس میں حکم شرعی کو توڑ دینا ہے۔

اور تقید وتعین، تخصیص، التزام اور تحدید وغیرہ اس قاعدہ اور مسئلہ کے عنوانات اور تعبیرات ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ کی حدوں سے پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے وہ یہ کہ نماز کے بعد داہنی طرف سے پھرنے کو ضروری سمجھنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسا اوقات بائیں جانب سے بھی پھرتے دیکھا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے۔

طیبی شارح مشکوۃ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب پر اصرار کرے اور اس کو عزیمت اور ضروری قرار دے لے اور کبھی رخصت پر یعنی اس کی دوسری شق مقابل پر عمل نہ کرے تو ایسے شخص سے شیطان اپنا حصہ گمراہ کرنے کا حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا کیا کہنا جو کسی بدعت یا امر منکر یعنی خلاف شرع عقیدہ یا عمل پر اصرار کرتا ہو۔

صاحب مجمع نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات نکلی کہ امر مندوب بھی مکروہ ہو جاتا ہے جب یہ اندیشہ ہو کہ یہ اپنے رتبہ سے بڑھ جائے گا۔

اسی بناء پر فقہاء حنفیہ نے نمازوں میں سورۃ مقرر کرنے کو مکروہ فرمایا ہے خواہ اعتقاداً پابندی ہو یا عملاً، فتح القدیر نے اس تعمیم کی تصریح کر دی ہے اور مسلم میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مت خاص کرو شب جمعہ کو بیداری کے ساتھ اور شبوں میں سے اور مت خاص کرو یوم جمعہ کو روزہ کے ساتھ اور ایام میں سے، ہاں اگر اس کے کسی معمولی روزہ میں جمعہ ہی آ پڑے تو اور بات ہے۔

قاعدہ دوم

"فعل مباح بلکہ مستحب بھی کبھی امر غیر مشروع کے ملجانے سے غیر مشروع وممنوع ہو جاتا ہے جیسے دعوت مستحب بلکہ سنت ہے۔ لیکن وہاں اگر کوئی امر خلاف شرع ہو اس وقت جانا ممنوع ہو جاوے گا جیسا احادیث میں آیا ہے اور ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ کہ اسی طرح نفل پڑھنا مستحب ہے مگر اوقات مکروہہ میں ممنوع وگناہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ امر مشروع بوجہ اقتران وانضمام غیر مشروع کے غیر مشروع ہو جاتا ہے۔

قاعدہ سوم

"چونکہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ضرر سے بچانا فرض ہے اسلئے اگر خواص کے کسی غیر ضروری فعل سے عوام کے عقیدے میں خرابی پیدا ہوتی ہو تو وہ فعل خواص کے

حق میں بھی مکروہ وممنوع ہو جاتا ہے۔ خواص کو چاہئے کہ فعل ترک کردیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حطیم کو بیت کے اندر داخل فرمانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس خیال سے کہ جدید الاسسم لوگوں کے عقیدے میں فتور اور قلوب میں خلجان پیدا ہوگا۔ اور خود بنا کے اندر داخل ہونا کوئی امر ضروری تھا نہیں۔ اس لئے آپ نے اس قصہ کو ملتوی فرمادیا۔ اور تصریحا بھی وجہ ارشاد فرمائی۔ حالانکہ بناء کے اندر داخل فرمادینا مستحسن تھا۔ مگر ضرر عوام کے اندیشہ سے اس امر مستحسن کو ترک فرمادیا۔

او ابن ماجہ میں حضرت ابوعبداللہ کا قول ہے کہ اہل میت کو اول روز طعام دینا سنت تھا۔ مگر جب لوگ اس کو رسم سمجھنے لگے پس متروک وممنوع ہوگیو دیکھئے خواص نے بھی عوام کے دین کی حفاظت کے لئے اس کو ترک کردیا۔

حدیثوں میں سجدہ شکر کا فعل وارد ہے۔ مگر فقہائے حنفیہ نے حسب قول علامہ شامی اس لئے مکروہ کہا کہ کہیں عوام اس کو سنت مقصودہ نہ سمجھنے لگیں۔ اور عالمگیری میں ہے کہ جو لوگ نمازوں کے بعد سجدہ کیا کرتے ہیں مکروہ ہے۔ اس لئے کہ جاہل لوگ اس کو سنت اور واجب سمجھنے لگیں گے اور جس فعل مباح سے یہ نوبت آجاوے وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر وہ فعل خود شرعا ضروری ہے تو اس فعل کو ترک نہ کریں گے۔ اس میں جو مفاسد پیدا ہوگئے ہیں ان کی اصلاح کردی جائے گی۔ مثلاً جنازہ کے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہو تو اس امر مکروہ کے اقتران سے جنازہ کے ہمراہ جانا ترک نہ کریں گے خود اس نوحہ کرنے والی کو منع کریں گے کیونکہ وہ ضروری امر ہے اس عارضی کراہت سے اس کو ترک نہ کیا جاوے گا۔ بخلاف قبول دعوت کے کہ وہاں امر مکروہ کے اقتران سے خود دعوت کو ترک کردیا۔ کیونہ وہ ضروری امر نہیں۔ علامہ شامی نے ان مسئلوں میں فرق لکھا ہے۔

قاعدہ چہارم

"جس امر میں کراہت عارضی ہو اختلاف ازمنہ وامکنہ اور اختلاف تجربہ ومشاہدہ اہل فتویٰ سے اس کا حکم مختلف ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ ایسے امر کو ایک زمانہ میں جائز کہا جاوے اس وقت اس میں وجہ کراہت کی نہیں تھی۔ اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جاوے اس وقت علت کراہت کی پیدا ہوگئی۔ یا ایک مقام پر اجازت دیجاوے اور دوسرے ملک میں منع کردیا جاوے اس فرق مذکور کے سبب۔

یا ایک وقت اور ایک موقع پر ایک مفتی جائز کہے۔ اور اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی خرابی کیا کیا پیدا کردی ہے۔ دوسرا مفتی ناجائز کہے۔ کہ اس کو اپنے تجربہ ومشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہوجانے کا علم ہوگیا ہے۔ تو واقع میں یہ اختلاف ظاہری ہے حقیقی نہیں۔ اور تعارض صوری ہے معنوی نہیں۔ حدیث وفقہ میں اس کے بے شمار نظائر مذکور ہیں۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا اور صحابہ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرمادی۔ اسی طرح امام صاحب وصاحبین کے بہت سے اختلافات اسی قبیل کے ہیں۔

قاعدہ پنجم

"اگر کسی امر خلاف شرع کرنے سے کچھ فائدے اور مصلحتیں بھی ہوں۔ جن کا حاصل کرنا شرعا ضروری نہ ہو یا اس کے حاصل کرنے کے اور طریقے بھی ہوں۔ اور ایسے فائدوں کے حاصل کرنے کی نیت سے وہ فعل کیا جاوے یا ان فائدوں کو دیکھ کر عوام کو ان سے نہ روکا جائے۔ یہ بھی جائز نہیں۔

نیک نیت سے مباح تو عبادت بن جاتا ہے اور معصیت مباح نہیں ہوتی خواہ

اس میں ہزار مصلحتیں اور منفعتیں ہوں۔ نہ اس کا ارتکاب جائز نہ اس پر سکوت کرنا جائز اور یہ قاعدہ بہت ہی بدیہی ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے غصب اور ظلم کرے کہ مال جمع کر کے محتاجوں اور مسکینوں کی امداد کریں گے تو ہرگز ہرگز غصب اور ظلم جائز نہیں ہو سکتا خواہ لاکھوں فائدے اس پر مرتب ہونے کی امید ہو۔

محترم ناظرین

"یہ وہ قوانین الہیہ اور قواعد شرعیہ واصول فقہیہ ہیں کہ جن کی روشنی میں شارع علیہ السلام سے لے کر آج تک ہمارے اکابر اسدف نے باطل کو حق سے جدا کیا ہے۔ غلط اور صحیح کا فیصلہ کیا ہے۔ سنت وبدعت میں امتیاز پیدا کیا ہے۔ خرافات ورسومات کا قلع قمع کر کے دین حنیفی کو پاک وصاف کیا ہے۔ صدہا اعمال فاضلہ مستحبہ اور امور مباحہ مستحسنہ فی اصلہا کو جن کو کبار اولیاء صوفیان باصفا اور عبدوزہاد کاملین نے اللہ ورسول کی محبت سے سرشار ہو کر بہ نیت رضائے الٰہی و بہ منشائے عشق رسول وسنت رسول سمجھ کر ایجاد کیا تھا۔ بدعت وضلالت قرار دیا ہے۔

مشیخت واستاذی اور وجاہت وبزرگی کے احترام کو شریعت محمدی اور حق پر قربان کر دیا ہے۔ نہ تو ان کی ولایت وبزرگی کا لحاظ فرمایا اور نہ ان کے زہد وعبادت کی رعایت فرمائی۔ نماز ہو یا روزہ، ذکر اللہ ہو یا ذکر الرسول، عبادات بدنیہ ہوں یا مالیہ، عمدہ سے عمدہ عمل کو ان اصولوں کے خلاف دیکھ کر بغیر کسی قسم کی رورعایت بغیر کسی پس وپیش اور بلاخوف لومۃ لائم ممنوع اور بدعت وضلالت قرار دے کر ردی کے ٹوکرے میں ڈال دیا ہے۔

ہمارے ان محترم اکابر نے اللہ ان پر اپنی بیشمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ ان قوانین وکلیات شرعیہ کی تحقیق وتدوین میں بڑی

کاوشیں فرمائیں۔ اور ان کی اشاعت وتبلیغ میں انتہائی اور نہایت بلیغ جدوجہد فرمائی۔ سر اور دھڑ کی بازی لگا دی۔ تقریر سے، تحریر سے، درس وتدریس سے، غرض ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ اور انہیں ہتھیاروں سے باطل کے بڑے بڑے میدان سر کئے۔ مباحثے فرمائے، مناظرے کئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین حق کو پاک وصاف رکھنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور ہمیشہ ہر زمانہ میں اس کے لئے ایک جماعت واحد ابعد واحد تیار ہوتی گئی۔

یہی وہ روشن اور مضبوط اصول ہیں جن کو اپنے اسلاف کرام رحمہم اللہ سے سیکھ کر ہم اخلاف بھی کلمہ گوؤں اور اسلام کا نام لینے والوں کے ایک جم غفیر سے برسر پیکار ہیں۔ ان سے مقابلے کر رہے ہیں۔ کتنے کتنے اور کیسے کیسے اختلافات ہمارے اور ان کے درمیان برپا ہیں۔ حالانکہ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ کلمہ گو ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ ورسول کی دشمنی میں نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کا منشاء حب خدا اور عشق رسول ہی ہے۔ مگر حضرات اکابر رحمہم اللہ کے بیان کردہ انہیں اصولوں کے تقاضے سے مجبور ہو کر ہم اپنے بھائیوں سے دست بگریباں ہیں۔

پس اگر یہ اصول صحیح ہیں اور فی الواقع یہ الٰہی قوانین ہیں۔ اور واقعی ان قواعد وکلیات شرعیہ کی رو سے ذکر خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم اور اس جیسے اعمال مندوبہ باصلہا بدعت وضلالت ہیں تو پھر انہیں اصولوں کی رو سے تبلیغ مروجہ بہ ہیئت کذائیہ کیوں بدعت نہیں کیا کسی چیز کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار پارٹی اور شخصیت ہے؟ یا معیار اور کسوٹی شریعت محمدی ہے؟

اگر ایسا نہیں ہے تو مذکورہ اعمال بدعیہ اور تبلیغ مروجہ میں فرق بتانا ضرور ہے۔ بدوں فرق بتائے ہوئے ایک کو بدعت اور دوسرے کو سنت کہنا قرین انصاف نہ

ہوگا۔ پھر یہ بھی سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ اگر باوجود قرونِ مشہود لہا بالخیر بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ تک موجود بوجود شرعی اور ثابت بالکتاب والسنۃ نہ ہونے کے چند امور مندوبہ ومباحہ کو جوڑ کر کوئی مرکب مثلاً طریقہ تبلیغ اختراع کیا جانا جائز اور مستحسن ہو تو دوسروں کو کیوں حق نہیں کہ وہ بھی چند مباح چیزوں کو جوڑ کر ایک دوسرا طریقہ جاری کرے اور لوگوں کو اس میں شمولیت کی دعوت دے اور اپنے ہی مخترعہ طریقہ میں حق یا افضلیت کے انحصار کا دعویٰ کرے۔ اور اپنے طریقہ کے مخالف کو دشمن اسلام یا مخالف سنت قرار دے۔ ایک طریقہ دلی والے جاری کریں۔ ایک کلکتہ والے اسی طرح ایک طریقہ الہ آباد والے اور ایک طریقہ مدارس والے، بلکہ ہر ملک اور ہر شہر کے رہنے والے شخص کو اس کا حق ہونا چاہیے۔

اور ہمارے اس زمانہ میں جب کہ باستثنائے اقل قلیل ہر شخص جاہ کا طالب ہے ہر شخص کو مقتداء اور پیشوا بننے کا شوق ہے۔ لیڈر اور ہیرو بننے کی ہوس ہے۔ کچھ مشکل نہ ہوگا کہ کسی عبادت کا کوئی جدید طریقہ ایجاد واختراع کرے۔ اور اس میں تشریع وتعبد کا رنگ بھرنے کی کوشش کرے۔ اس کی ترویج واشاعت میں بہت ہی مجاہدہ اور مبالغہ اس پر عمل کرنے میں انہماک اور توغل سے کام لے۔ اس میں دلکشی دلچسپی اور ندرت وطرفگی کے اسباب پیدا کرے اور چونکہ کُلُّ جَدِیدٍ لَذِیذٌ ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے۔ اور عوام کالانعام کا مزاج بھی یہ ہے کہ ہر نئی چیز کی طرف لپکتے اور اندھے وبہرے ہو کر ٹوٹتے ہیں۔ اور بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ اتباع کل فائق، یعنی چیخنے اور پکارنے والے کے پیچھے دوڑتے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جلد سے ایک جلد بھیڑ اکٹھی ہو جائے۔ اس کے ساتھ اگر کسی معروف ومشہور، بالصلاح والتقویٰ کی تائید حاصل ہوگئی تو پھر کیا کہنے۔ اور فی

زمانہ جب کہ دعوائے نبوت بھی مشکل نہیں ہے اگر کسی نے الہام وکشف کا دعویٰ کر دیا۔ اور اس کے ساتھ رویائے صالحین بھی مل گئے تب تو اس عمل کے جواز واستحسان ہی نہیں افضل واشرف ہونے میں کسی کو کلام نہ ہوگا اور مقبولیت عوام مقبولیت عنداللہ کی مضبوط ترین دلیل بن جائے گی۔

انصاف درکار ہے کیا یہ امر جائز اور معقول ہوگا باب فساد مفتوح نہ ہو جائے گا۔ اور دین الٰہی ایک بازیچہ اطفال بن کر نہ رہ جائے گا "اعاذنا اللّٰہ منہا ومن شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا"۔

امام شاطبی نے الاعتصام صفحہ ۳۷ میں بدعت کی تعریف کی ہے۔

البدعة عبارة من طريقة في الدين مخترعة تضاهي الشريعة يقصد بالسلوك عليها المبالغة في التعبد لله تعالى.	بدعت سے مراد دین میں ایسا طریقہ گھڑنا ہے جو شریعت (یعنی دین کام کے) مشابہ ہو اور اس کے اختیار کرنے اور عمل کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش اور مبالغہ کو ظاہر کرنا ہے۔

اور صفحہ ۴۰ پر فرماتے ہیں:

ان صاحب البدعة يخترعها ليضاهي بها السنة حتى يكون ملبسا بها على الغير او تكون هي مما تلتبس عليه بالسنة اذالانسان	یعنی صاحب بدعت بدعت کو اسی صورت پر گھڑتا ہی ہے کہ سنت اس کے مشابہ ہو جائے۔ تا کہ دوسروں کو دھوکہ دے سکے یا وہ بدعت ہی ایسی صورت پر ہو جائے کہ اس پر سنت کا دھوکہ ہوتا ہو۔ اس لئے کہ انسان ایسی چیز کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ جو امر

لايقصد الاستبتاع بامر لايشابه المشروع لانه اد داک لايستجلب به في ذلك الابتداع نفعاً ولايدفع به ضرراً ولا يحيه غيره اليه ولذلك تجد المبتدع ينتصر لبدعته بامور تحيل التشريع ولو بدعوى الاقتداء بفلان المعروف مصبه في اهل الحير.

مشروع کے مشابہ نہ ہو اسلئے کہ ایسی صورت میں پھر اس بدعت کے ایجاد کرنے سے جو نفع مقصود تھا۔ وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ اور ضرر کو دفع نہ کر سکے گا۔ اور اس کی طرف کوئی آئے گا نہیں اسی لئے تو تم دیکھتے ہو کہ مبتدع اپنی بدعت کی حمیت اور تائید ایسے امور سے کرتا ہے۔ کہ سننے والے کے ذہن میں تشریع کا تخیل ہو جائے۔ یعنی وہ سمجھے کہ یہ شرعی دلیل ہے اور کچھ نہیں تو یہی کہ اس امر میں فلاں عالم یا شیخ کی اقتداء ہے جس کا مقام اور منصب اہل خیر اور دینداروں میں معروف ہے۔

صفحہ ۴۱ پر فرماتے ہیں:

وايضا فان النفوس قد تمل وتسأم من الدوام على العبادات المرتبة فاذاجدد لها امر لاتعهده حصل لها نشاط آخر لايكون لها مع البقاء على الامر الاول ولذلك قالوا (لكل جديد لذة) بحكم هذا المعنى.

ایک بات اور بھی ہوتی ہے کہ عبادات مرتبہ (صحیحہ شرعیہ) پر دوام اور ایک ہی طریقہ پر برابر رہتے رہتے نفوس اکتا جاتے اور گھبرا جاتے ہیں۔ لہٰذا جب کوئی امر جدید طور پر ایجاد کیا جاتا ہے تو نفوس کو ایک دوسری نشاط اور تازہ حظ حاصل ہونے لگتا ہے جو کہ پرانے طریقے پر رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی کو کہتے ہیں "لکل جدید لذۃ یا کل جدید لذیذ"

اور صفحہ ۲۶۰ پر فرماتے ہیں

واضعف هؤلاء احتجاجا قوم استندوا في اخذ الاعمال الى المقامات واقبلوا واعرضوا بسببها فيقولون رأينا فلانا الرجل الصالح فقال لنا اتركوا كذا واعلموا كذا ويتفق مثل هذا كثيرا للمترسمين برسم التصوف وربما قال بعضهم رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في النوم فقال لي كذا وامرني بكذا فيعمل بها ويترك بها معرضا عن الحدود الموضوعة في الشريعة وهو خطأ.

یعنی ان لوگوں میں باعتبار حجت و دلیل کے وہ جماعت سب سے ضعیف اور کمزور ہے جو اعمال کے قبول و اعراض میں بزرگی اور مشیخت کو معیار اور کسوٹی بناتی ہے چنانچہ اس کے سبب سے قبول و اعراض کرتی ہے اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں رجل صالح کو دیکھا کہ انہوں نے ہم سے فرمایا کہ اس عمل کو قبول کرو یا فلاں عمل کو ترک کرو۔ اور اس قسم کا اتفاق ان لوگوں کو زیادہ پڑتا ہے جو تصوف کے ظاہری رسوم میں مبتلاء ہیں۔ کبھی بعض کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے ایسا فرمایا ہے ایسا حکم دیا۔ لہٰذا وہ اس منامی حکم کی بناء پر بعض امور پر عمل کرتا اور بعض کو ترک کرتا اور ان حدود سے اعراض کرتا ہے جو شریعت میں وضع کئے گئے ہیں۔ اور یہ خطا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا مقصد اول فصل پنجم بیان فتن میں الدارمی ایک روایت نقل فرما رہے ہیں امید کہ موجب بصیرت ہوگی۔

رج الدارمي عن ربيعة بن

دارمی نے ربیعہ بن یزید سے روایت کی

يزيد قال قال معاذ بن جبل رضي الله عنه يفتح القرآن على الناس حتى ليقراه المرئة والصبى والرجل فيقول الرجل قد قرات القرآن فلم اُتّبع واللّٰه لاقومنّ به فيهم لعلىٰ اُتّبع فيقوم به فيهم فلا يتبع فيقول قد قرات القرآن فلم اتبع وقد قمت به فلم اتبع وقد احتضرت في بيتي مسجداً فلم اتّبع واللّٰه لاتينهم بحديث لايجدونه في كتاب اللّٰه ولم يسمعوه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعلى اتبع قال معاذ فاياكم فان ماجاء به ضلالة.

سے وہ کہتے تھے کہ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا قرآن آسان کردیا جائیگا یہاں تک کہ عورتیں اور لڑکے اور مرد (سب کے سب) قرآن پڑھنے لگیں گے پھر ایک شخص کہے گا۔ میں نے قرآن پڑھا مگر میں لوگوں کا مقتدا نہ بنا (اور میری کچھ قدر ومنزلت نہ ہوئی) قسم خدا کی اب میں لوگوں میں قرآن کو قائم کرونگا تاکہ میں لوگوں کا مقتدا بنوں پھر وہ لوگوں میں قرآن کو قائم کریگا مگر اسپر بھی مقتدا نہ بنے گا پھر وہ کہے گا کہ میں نے قرآن پڑھا اور لوگوں میں قرآن کو قائم کیا مگر میں مقتدا نہ بنا اب میں اپنے گھر میں مسجد بناؤنگا (اور سب سے علیحدہ رہ کر عبادت کرونگا) تاکہ میں لوگوں کا مقتدا بنوں پھر وہ اپنے گھر میں مسجد بنائیگا اور اسمیں عبادت کریگا مگر اس پر بھی مقتدا نہ بنے گا۔ پھر تو وہ کہے گا کہ میں نے قرآن پڑھا اور مقتدا نہ بنا اور میں نے لوگوں میں قرآن کو قائم کیا پھر بھی مقتدا نہ بنا اور میں نے اپنے گھر میں مسجد بنائی (اور سب سے علیحدہ رہ کر عبادت کرتا رہا) اس پر مقتدا نہ بنا قسم خدا کی اب میں لوگوں کے سامنے ایک ایسی نئی بات پیش کرونگا کہ جسکو کتاب اللہ میں نہ پائینگے اور نہ انہوں نے اسکو رسول اللہؐ سے سنا ہوگا میں امید کرتا ہوں کہ پھر میں مقتدا بنجاؤنگا حضرت معاذ نے یہ بیان کر کے فرمایا کہ اے لوگو! تم ایسے شخص سے بچتے رہنا کیونکہ جو کچھ وہ ظاہر کریگا سراسر گمراہی ہوگی۔

اسی طرح کی ایک روایت ابوداؤد کے حوالے سے جمع الفوائد میں ہے۔ جس کو دررفرائد ترجمہ جمع الفوائد سے مع حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کے ترجمہ مع تبصرہ کے نقل کیا جاتا ہے۔ وھو ھذہ

عن معاذ ان ورائكم فتنا يكثر فيها المال ويفتح فيها القرآن حتى ياخذه المومن والمنافق والرجل والمراة والعبد والحر والصغير والكبير فيوشك قائل يقول ما للناس يتبعوني وقد قرأت القرآن وماهم بمتبعي حتى ابتدع لهم غيره فاياكم وماابتدع فانما ابتدع ضلالة واحذركم زيغة الحكيم فان الشيطان قد يقول كلمة الضلالة على لسان الحكيم وقد يقول

تمہارے آگے ایسے فتنے ہیں کہ جن میں مال کی کثرت ہوگی اور قرآن کو کھول لیا جائیگا حتی کہ مومن ہو یا منافق عورت ہو یا مرد، حر ہو یا غلام، بچہ ہو یا بوڑھا ہر شخص اس کو لے لیگا (کہ لفظوں کا ترجمہ کریگا مگر سمجھ نام کو نہ ہوگی) پس قریب ہے کہ (ان میں) کہے لوگوں کو کیا ہوگیا کہ میرا اتباع نہیں کرتے حالانکہ میں نے قرآن پڑھ لیا (اور اس کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے) اچھا جب تک میں ان کیلئے نئی بات نہ نکالونگا اس وقت تک وہ میرے تابع نہ بنیں گے (کیونکہ زمانہ کا رنگ دیکھ رہا ہے کہ نئی بات پر لپکتے ہیں) پس (اے مسلمانو) اسکی نو ایجاد باتوں سے اپنے کو بچائیو جو کچھ اس نے ایجاد کیا ہے وہ گمراہی ہے اور دانشمند کی لغزش سے میں تم کو بہت ڈراتا ہوں (کہ پڑھا لکھا جب گمراہ ہوتا ہے تو بہت غضب ڈھاتا ہے) دیکھو کبھی شیطان دانا کی زبان سے گمراہی کا کلمہ بولنے لگتا ہے اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے (لہذا حق وباطل کا امتیاز قائل سے نہ ہوگا بلکہ خود قول کو دیکھو کہ عمل صحابہ اور روش محمدی کے موافق ہے یا مخالف) نیز معاذ نے (کسی کے جواب میں جس نے پوچھا تھا کہ پھر مجھے حق وباطل کی تمیز کیونکر ہو) فرمایا کہ دانا کے کلام میں اس کی شہرت والی باتوں سے بچ۔ جنکے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ کیا

المنافق كلمة الحق وقد اجتنب من كلام الحكيم المشتهرات التي يقال ماهذه ولا يثنيك ذلك عنه فانه لعله يراجع وتلق الحق اذا سمعته فانه على الحق نورا .

باتیں ہیں (جن کا قرون خیر میں کہیں پتہ نہیں اور شہرت ہی) اور باوجود اس کے یہ تجھ کو اس دانا سے منحرف نہ بنائے کہ ممکن ہے (تیرے اس کے ساتھ لگے لپٹے رہنے پر تیری شرم یا نصیحت سے حق کی طرف) وہ رجوع کرلے (اور اسکے ساتھ جو مخلوق گمراہی سے بچے ان کا بھی تجھے ہی ثواب ملے) ہاں جب تو حق بات سنے تو اس کو لیے کہ حق پر ایک نور ہوا کرتا ہے (جسکو ہر مومن ادراک کرلیا کرتا ہے بشرطیکہ شہرت اور رواج سے نظر ہٹا کر طلب ہدایت میں اللہ سے لولگائے) ایک روایت میں مشتہرات کی جگہ مشتبہات ہے کہ وہ نو ایجاد باتیں دین کی صورت لئے ہوئے ہوتی ہیں۔

فائدہ: خلاصہ یہ ہے کہ فتنہ نام ہی اس کا ہے جس میں لرزہ آجائے۔ اور ایسے ہی وقت ہمت واستقلال کا امتحان ہوا کرتا ہے کہ جب طاعونی ہوا زور پر ہو تو مرد وہی ہے جو پھونک کر قدم رکھے۔ اور خود احتیاط پر جم کر دوسروں کو اس زہریلے اثر سے بچائے ورنہ سب کے ساتھ رہنا بھی مشکل نہیں اور امن وامان کے موسم میں تندرست رہنا بھی دشوار نہیں اور ظاہر ہے کہ دانشمند خواہ لیڈر قوم ہو یا عالم مقتدا، جب پھسلتا ہے تو شیطان کہ معلم الملکوت ہے اس کی زبان میں بولتا اور ہزاروں کو پھسلا دیتا ہے کہ صورت ہوتی ہے قرآن وحدیث سے ثبوت کی کہ وہ ترجمہ ہو کر ہر کہ ومہ کے ہاتھ میں پہنچ لیا ہے اور ہر ایک کو دعویٰ ہو گیا کہ میری برابر اسے کسی نے سمجھا ہی نہیں۔ اور خداداد سمجھ جسے تفقہ کہتے ہیں کہ نصیب ہوتی ہے تقویٰ وریاضت سے۔ نہ ان کے نزدیک کوئی چیز ہے نہ عوام کے نزدیک کوئی شے۔ اس لئے عوام مبتلائے فتنہ ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ یہ بھی مولوی، وہ بھی مولوی، پھر ہمیں کیا تمیز کہ کون

حق پر ہے؟ حالانکہ یہی اعتراض اہل حق بھی ان پر کر سکتے ہیں کہ جب دونوں برابر ہیں تو تم نے اس جدید کو کیوں ترجیح دی۔ اور اسی دلیل سے ہم کو بھی بر سر حق مانو اور ضدین کو جمع کرو۔

مگر بات یہ ہے کہ یہ جدید چونکہ ان کے مذاق ورواج اور خواہش نفس کے موافق ہوتا ہے اسلئے مولوی کا تو نام ہی نام ہوتا ہے درحقیقت اتباع ہوائے نفس ہے۔ اور اس پر بھی اگر امر حق مشتبہ ہو تو اس کی تمیز کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اکتسابی کہ یہ دیکھو کہ وہ کوئی نئی بات ہے جسے دیندار بہ نگاہ تعجب دیکھتے ہیں۔ یا پرانی ہے۔ کہ مانوس بنے ہوئے حالت سابقہ پر چلے آتے ہیں۔ پس اس کے متعلق سوال ہوتا کہ کیا قصہ ہے اس کے اوپر اور بدعت ہونے کی کافی علامت ہے۔

دوم وجدانی کہ اس کی محبت ونفرت دونوں سے خالی الذہن ہو کر اپنے ایمان کی روشنی میں غور سے دیکھو کہ اس میں نور ہے یا ظلمت۔

چونکہ حق بات کبھی نور سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے ناممکن ہے کہ پتہ نہ چلے اور اسی سے یہ معیار بھی معلوم ہوا کہ جن کے قلوب میں ظلمت ہے مثلاً بد دین اور کفار۔ اگر وہ اس سے مانوس ہوں تو سمجھ لو کہ وہ باطل ہے جس میں ظلمت ہے۔ ورنہ مظلم قلوب جو شپرہ چشم کی طرح نور سے گھبرایا کرتے ہیں اس سے ضرور دور بھاگتے۔

بایں ہمہ اہل ہمت کا کام یہ ہے کہ گمراہ حکیم سے قطع تعلق نہ کرے کہ آخر مسلمان ہے کیا عجب ہے رجوع الی الحق کرلے یا اس بدعت کے علاوہ اس کے دوسرے اقوال حقہ میں اتباع کی ضرورت پیش آئے۔ مگر جس میں اس کی طاقت نہ ہو اور خود شبہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہو اُسے بھاگنے ہی میں امن ہے کہ ڈاکٹر جو آپریشن کا ماہر ہے اس کا آپریشن کے کمرہ میں رہنا بہتر ہے اور عوام کہ جنہیں چیر پھاڑ دیکھ کر

بیہوش ہو جانے کا اندیشہ ہے ان کا کمرہ سے نکال دینا ہی ان پر احسان و شفقت ہے۔

تو اب خیرت اور سلامتی دین وایمان اور حفاظت شرع محمدی اسی میں ہے کہ ان قوانین الٰہیہ اور اصول وحدود موضوعہ شرعیہ کو مشعل راہ اور ہمنا بنایا جائے اور ہرگز ہرگز ان سے سرمو انحراف نہ کیا جائے اپنی رائے اور خواہش کو بالکل دخل نہ دیا جائے۔

جملہ بنی آدم پر شریعت الٰہیہ کی متابعت بلا تخصیص واستثناء یکساں فرض ہے اس کے کسی حکم سے سرتابی کرنا بدترین جرم ہے۔ اس میں ترمیم وتنسیخ، تحریف وتبدیل اور تغیر وتاویل اپنی رائے سے کرنا گناہ عظیم ہے۔

ادیان سابقہ میں جو کچھ خلل آیا اور ان میں جو کچھ بگاڑ پیدا ہوا اس کی بڑی وجہ یہی ہوئی کہ جب کسی نبی کا زمانہ ختم ہوا تو ان کے خلفاء اور اصحاب نے دین کو سنبھالا اور اپنے انبیاء کی ہدایت اور تعلیم کے مطابق خلق اللہ کی اصلاح میں کوششیں صرف کیں مگر رفتہ رفتہ کہیں جلد کہیں بدیر یہ ہوا کہ خود رائے، مداہن اور ہوا پرست لوگوں نے حدود شرعیہ کو ضائع اور احکام دین میں تحریف وتغیر شروع کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین اصلی مخالفوں سے تو کیا خود اہل ملت سے ایسا روپوش ہوا کہ قیامت تک اس کے دیدار سے یاس کلی ہوگئی۔

ملت ابراہیمی، ملت موسوی اور ملت عیسوی وغیرہ میں یہی مہلک مرض خودرائی اپنا پورا اثر دکھا چکا ہے۔ اہل فہم ودانش پر خوب اچھی طرح روشن ہے کہ ان تمام اختلال اور خرابیوں کی جڑ اور تمام مفاسد کا تخم یہی خودرائی ہے جس نے ادیان سابقہ کو اپنے دست برد سے تہ وبالا کرکے صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان مٹا دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کلام اللہ اور ارشادات رسول، آثار صحابہ وتابعین اور کلام علمائے ربانیین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس خانہ برانداز خودرائی کو نہایت شدومد سے روکا

اور بہت زیادہ ڈرایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر دین میں اپنی عقل اور رائے سے کتر بیونت، افراط وتفریط اور اپنی رائے سے عبادات کے طریقے اختیار کرنے کی اجازت دیدی جائے تو حق وباطل میں اور اصل ونقل میں تمیز ہی اٹھ جائے۔ شریعت کا اصلی حلیہ ہی بگڑ جائے۔ دین اور غیر دین سنت اور بدعت کے اختلاط اور تلبیس سے شرائع سابقہ کی طرح دین محمدی مٹ کر رہ جائے۔ دین الٰہی لوگوں کی خواہشات وآراواہواء سے ایک کھلونا بن کر رہ جائے۔ جس کا جی چاہے اپنی مرضی اور خواہش سے دین کی چیز کو دین سے خارج کردیا کرے اور غیر دین کو دین میں داخل کردیا کرے۔

دین الٰہی اور شریعت محمدی بچوں کا ایک کھیل بن کر رہ جائے۔ کہ جب چاہا بنا دیا جب چاہا بگاڑ دیا۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

تبلیغ مروجہ اور اذکار مشائخ

س اذکار واشغال صوفیہ میں بھی تو قیود وتعینات وتخصیصات ہیں۔ ان کو بھی بدعت ہونا چاہئے۔ حالانکہ وہ مشائخ کے یہاں معمول ہیں۔ لہٰذا تبلیغ مروجہ کو باوجود اوصاف مذکورہ جائز ہونا چاہئے۔

ج اشغال صوفیہ تبلیغ مروجہ کے مقیس علیہ نہیں ہیں۔ ایک کا دوسرے پر قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ اصول وقاعدہ شرعیہ "المطلق یجری علی اطلاقہ" کے بموجب بوجہ تقیید اطلاق بقیود غیر منقولہ متروک اور تارک دو اصرار

کے تبلیغ مروجہ بدعت ہے۔ اگر اذکار و اشغال صوفیہ میں یہ امور موجود ہوں تو لاریب ان اشغال کو بھی بدعت قرار دیا جائے گا۔ اور اگر ان قیود کی حیثیت قرون ثلاثہ میں عدم فعل کی ہو تو ان کا بضرورت احداث بدعت نہ ہوگا۔ نیز قیود کو امور عادیہ وتدابیر دنیویہ میں سے سمجھا جائے تو بھی بدعت نہیں۔ اور اگر ان کو بالقصد دینی حیثیت دیدی جائے گی تو بدعت کا حکم لگا دیا جائے گا۔ لہٰذا اس سے الزام دینا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ جن حضرات علماء ومشائخ نے ذکر رسول اور ایصال ثواب وغیرہ اعمال فاضلہ کو بعض قیود ومفاسد کی شمولیت کی بناء پر بدعت کہا ہے انہیں حضرات علماء ومشائخ نے ان اشغال واذکار کو جائز کہا ہے۔

ماحی بدعات قامع اوہام ورسوم حضرت مولانا محمد اسمٰعیل الشہید نور اللہ ضریحہ "ایضاح الحق الصریح" کے باب تحدیدات میں ارشاد فرماتے ہیں:

"**مسئلہ ثالثہ**" "تعیین اوراد واذکار وریاضات وخلوات واربعینات ونوافل عبادات وتعیین اوضاع اذکار از جہر واخفا وضربات واعداد مراقبات برزخیہ والتزام طاعات شاقہ ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است بہ نسبت اکثر طلاب کہ آنرا اصل کمال شرعی یا از مکملات آں می دانند امابہ نسبت خواص کہ آں را محض از قبیل وسائل دانستہ در تعلیم وترویج آں سعی می کنند پس از قبیل بدعات حکمیہ باشد۔

آرے اخص الخواص کہ محض بنا بر ہدایت چندے از اغبیا کہ نفوس ایشاں در مرتبہ قصورے از غباوت یا عصیاں واقع شدہ اند اگر تعلیم امور مذکورہ کردہ باشند، وایشاں را بنمائش ایں باغ سبز بسوئے دام اطاعت حق کشیدہ باشند، وصرف بنا

بر اصلاح استعداد ناقصہ ایشاں بقدر حاجت وضرورت بطور وسائل بے التزام وترویج واہتمام بکار بردہ باشند ووقت حصول مقصود آنرا ترک دادہ باشند، پس ہر چند تعلیم امور مذکورہ کہ از ایشاں در بعضے احیان بہ نسبت بعضے اذہان بحسب اتفاق در رعایت مصلحت وقت بوجود آید بہ نسبت ایشاں از قبیل بدعات نباشد۔

ترجمہ:- **تیسرا مسئلہ**:- اوراد واذکار کا متعین کرنا، مختلف قسم کی ریاضتیں اور خلوتیں، جیسے نوافل عبادتیں، اذکار کے طریقوں کی مختلف وضعیں اور ترکیبیں، ذکر بالجہر وذکر خفی، ضربیں لگانا، تعداد مقرر کرنا، برزخی مراقبے، جہر یا خفی ذکر کا التزام، طاعات شاقہ کا التزام، اگر طالب ان کو اصل کمال شرعی یا مکملات میں سے جانتا ہے تو یہ سب بدعت حقیقیہ کی قبیل سے ہے۔

اور اگر خواص جو ان کو فقط وسائل اور ذرائع سمجھ کر تعلیم دیتے ہیں اور (بضرورت اور احیاناً اور اشخاصاً نہیں) بلکہ اس کے رواج دینے میں سعی کرتے ہیں تو ان کے حق میں یہ بدعت حکمیہ کی قبیل سے ہیں؛ ہاں اخص الخواص جو کہ محض ایسے اغبیاء کی ہدایت کی غرض سے کہ جن کے نفس نہایت ہی غبی اور سرکشی ونافرمانی میں مبتلا ہو گئے ہوں اگر ان امور مذکورہ بالا کی تعلیم کریں اور یہ سبز باغ دکھلا کر حق تعالیٰ کی عبادت کی طرف کھینچ لائیں اور فقط ان کی ناقص استعداد کی اصلاح کے لئے بقدر حاجت اور بوقت ضرورت (کہ جس پر حصول مقصود موقوف ہو) محض وسیلہ اور ذریعہ اور معالجہ سمجھ کر بغیر التزام مالا یلزم اور بغیر رواج دینے کے اور بغیر تداعی اور اہتمام کے ان امور کو کام میں لاویں اور مقصود حاصل ہونے کے بعد اس کو ترک کر دیں تو البتہ امور مذکورہ بالا کہ تعلیم بعض اوقات بعض لوگوں کے حق میں ان کے ذہنوں کے موافق احیاناً مصلحت وقت کے لحاظ سے امور مذکورہ وجود وظہور میں آئیں۔ تو ان

لوگوں کے حق میں یہ بدعات سے نہ ہوں گے"

اور صفحہ ۷۸ پر فرماتے ہیں

"اشغال صوفیہ نافعہ از قبیل مداوات ومعالجہ است کہ عند الضرورت بقدر حاجت بعمل آرند، وبعد ازاں بکار اصلی خود مشغول شدند۔

یعنی صوفیہ کے نافع اشغال کی حیثیت دوا اور معالجہ کی ہے۔ ضرورت کے وقت بقدر حاجت کام میں لاتے ہیں اور بعد کو اپنے اصل کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

اشغال صوفیہ معتبرہ را کہ خالی از شوب فسادو بدعت باشد بقدر حاجت استعمال باید کرد وزائد از حاجت بآں توغل نباید کرد۔

یعنی صوفیوں کے اشغال معتبرہ کو جو فساد اور بدعت کے شائبہ سے خالی ہوں بقدر حاجت استعمال کرنا چاہئے۔ اور حاجت اور ضرورت سے زیادہ اس میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔

اور صفحہ ۸۸ پر فرماتے ہیں:

اشتغال   بہ اشغال صوفیہ   کہ در تحصیل حقیقت احسان کہ مفادِ ظاہر کتاب وسنت است منفعت بخشد، وعزاولت آلات حرب مثل توپ، بندوق وتپنچہ بقدر کفایت کہ در قتال کفار بکار آید از جنس بدعت نیست۔ زیرا کہ ہر چند امور مذکورہ از قسم مخترعات ومحدثات است اما از امور دین نیست۔ اگر کسے اوراز قبیل امور دیں شمردہ بعمل خواہد آورد البتہ بہ نسبت او از قبیل بدعات خواہد گردد۔

یعنی صوفیہ کے اذکار واشغال میں بقدر ضرورت مشغول ہونا۔۔ جو کہ حقیقت احسان کے حاصل کرنے میں نفع بخشتا ہے اور احسان کی تحصیل کتاب وسنت کا

مفاد ہے اسی طرح آلات حرب مثلاً توپ، بندوق طمنچہ وغیرہ کی بقدر ضرورت مشق کرنا اور استعمال کرنا جو کہ لڑائی میں کام آتا ہے یہ بدعت کی قسم سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں اگرچہ محدث اور مخترع یعنی نئی نکالی ہوئی ہیں جو پہلے نہ تھیں۔ لیکن یہ دین کے اجزاء اور رکنوں میں شمار نہیں ہوتے۔ لہذا بدعت نہیں ہیں۔ پس اگر کوئی ان کو دین کے امروں کی قسم سے سمجھ کر کام میں لائے گا تو اس کے حق میں ضرور بدعات کی قسم سے ہو جاویں گے۔

اور صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں:

اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضات ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد ولہذا محققین ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند۔

یعنی ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضت جدا جدا ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر طریق کے اپنے وقت کے محققین اشغال کی تجدید میں بڑی بڑی کوششیں کر گئے ہیں۔

محققین صوفیہ ان اشغال واعمال سے کس طرح کام لیتے ہیں اور پھر کس طرح ان سے الگ کر کے مقصود میں لگا دیتے ہیں۔ اس کو جاننے کے لئے قامع البدعت سید المحققین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی مکاتیب رشیدیہ صفحہ ۱۵ پر فرماتے ہیں:

ذکر کے نور کا ملاحظہ جو ابتدا میں تلقین ہوتا ہے وہ مقصد اصلی نہیں بلکہ تمہید ہوتا ہے۔

صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں:

پاس انفاس وغیرہ سب حیل اسکے ہیں   کہ ذکر تخیلہ میں قائم ہو جائے ورنہ اصل مقصود نہیں۔ جب خیال ذکر ذات قائم ہو جائے تو زبان اور انفاس کسی کی ضرورت نہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

ذکر جہر کی اب کچھ حاجت نہیں۔ ذکر اصل میں تذکر قلب ہے سو جب ذکر قلبی حاصل ہوا۔ اب زبان کی کچھ ضرورت نہیں۔

آگے فرماتے ہیں:

سب اذکار ومراقبات تحصیل نسبت کے واسطے ہیں۔ جب نسبت یادداشت حاصل ہو چکی اب مراقبات کی درخواست عجیب بات ہے۔ اب تمہارا ذکر لسانی قرآن صلوٰۃ وذکر مسنون مراقبہ ہے۔ سب میں یادداشت ۔ ہے کہ ثمرہ مراقبات یہی ہے۔ اب کسی مراقبہ کی حاجت نہیں۔ اذکار مسنونہ پڑھو۔ قرآن ونوافل صلوٰۃ مسنونہ ادا کرو اور بس۔

صفحہ ۲۸ پر فرماتے ہیں:

اے کاش کہ اس یقین کا شائبہ ہوا بھی اس محروم کو لگ جائے کہ سارا مدار اس پر ہی ہے۔ اس نسبت کا نام نسبت احسان ہے ہ بعثت جناب فخر رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس کے ہی واسطے تھی اور صحابہ جملہ اسی نسبت کے حامل تھے۔ علی حسب مراتبہم۔ پھر اولیائے امت نے دوسرے طریقہ سے پیدا کیا کہ ہر ایک نے اشغال اپنے اپنے طریقہ کے وضع کیے۔ سو یہ سب مقدمات اس کے ہیں۔ اور بس۔ اس کا کوئی طریق متعین نہیں، ہر شخص کا طرز جداگانہ ہے۔

امیر الروایات کی حکایت ۳۶ میں ہے کہ:

مولوی اسمٰعیل کاندھلوی نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھ کو تعلیم فرماویں مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کر رہے ہیں ان میں آپ کو مرتبۂ احسان حاصل ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرتبہ احسان

حاصل ہونے کے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسا کوئی گلستاں بوستاں پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کردے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضییع اوقات ہے اس لئے آپ کے لئے اشغال مشائخ میں اشتغال تضییع اوقات اور معصیت ہے۔

اس پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا حاشیہ ہے:

یہ تحقیق اہل طریق کو حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ خصوص ان کو جو ذرائع کو مقاصد سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور خود صوفیہ کی تصریح ہے طرق الوصول بعدد انفاس الخلائق” تو اس شخص پر حیرت ہے جو ان اعمال کو اس عموم سے خارج سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنے والے وہی ہیں جن کو طریقت کی ہوا بھی نہیں لگی۔

خود حضرت تھانویؒ بوادر النوادر صفحہ ۷۷۹ پر فرماتے ہیں:

ذکر کو مقصود سمجھنا اور مطلق زیادت عدد کو زیادت اجر سمجھنا اور اوضاع وضربات وجلسات کو از قبیل مصالح طبیہ سمجھنا بدعت نہیں اور خود انکو قربات سمجھنا بدعت ہے۔

اور اپنے وعظ ”سیرۃ الصوفی“ میں فرماتے ہیں:

صحابہ کے قلوب بہ برکت صحبت نبوی اس قابل تھے۔ کہ ان کو اور قیود کی جو بعد میں حادث ہوئیں ضرورت نہ تھی۔ ان کے قلوب میں صحبت نبوی کے فیض سے خلوص پیدا ہو چکا تھا۔ وہ حضرات تلاوت قرآن اور کثرت نوافل سے ہی نسبت حاصل کر سکتے تھے۔ ان کو اذکار کے قیود زائد کی حاجت نہ تھی۔ برخلاف بعد کے لوگوں کے کہ ان میں وہ خلوص بدوں اہتمام کے پیدا نہیں ہو سکتا تھا (یعنی وہ قیود موقوف علیہ نسبت واجبہ کے تھے) اس لئے صوفیاء کرام نے کہ اپنے فن کے مجتہد گذرے ہیں اذکار واشغال خاصہ اوران کی قیود ایجاد کیں اس وجہ سے کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ خلوت میں جب ایک ہی اسم کا بتکرار ورد کیا جاتا ہے

اور اس کے ساتھ ضرب وجہر وغیرہ قیود مناسبہ کا لحاظ کیا جاتا ہے اور اس کی تاثیر نفس وقلب میں اوقع واثبت ہوتی اور رقت وسوز پیدا ہو کر موجب محبت ہو جاتا ہے۔ اور محبت سے عبادت میں اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ عبادت خالص کا حکم فرماتے ہیں "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین ○ وامرت ان اعبد الخ" وغیرہ من الآیات، پس معلوم ہوا کہ حضرات صوفیہ نے یہ قیود ذکر کے بطور معالجہ کے تجویز فرمائے ہیں۔ اور اصل مقصد وہی اخلاص ہے۔ پس اگر کسی شخص کو ان قیود سے مناسبت نہ ہو یا بغیر ان قیود کے کسی کو اذکار مسنونہ نوافل وتلاوت قرآن میں پورا اخلاص پیدا ہو سکتا ہو تو صوفیۂ کرام ایسے شخص کے لئے ان قیود کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

پس اب معلوم ہو گیا کہ یہ تمام قیود اصلاح وتقویت کے واسطے علاجاً تجویز کئے گئے ہیں۔ کوئی شرعی امر قربت مقصودہ نہیں سمجھا جاتا ہے جو بدعت کہا جائے۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے مجلس مولود اور قیام مولد کو اذکار واشغال صوفیہ پر قیاس کرتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں لکھا کہ اصل عمل (ذکر رسول) تو محل کلام نہیں ہے البتہ تقییدات وتخصیصات بلاشبہ محدث ہیں۔ مگر میرے فہم ناقص میں تخصیصات طرق اذکار واشغال اسی قبیل سے معلوم ہوئیں جو کہ اہل حق میں بلانکیر جاری ہیں الخ، تو اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے دیا کہ:

> "اشغال مشائخ کی قیود وتخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں۔ اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے۔ خاص کر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے۔ کیونکہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگر چہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صدہا آیات واحادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق واوضاع سے اس کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے کہ جس کا بسط بوجہ طول ناممکن ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا۔ کہ ہر آیت وہر حدیث سے وہی ثابت ہوتا ہے۔ پس جس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاوے گا۔ وہ بھی مامور بہ ہوگا۔ اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض موکد ہو جاوے گا۔ اور بعض غیر موکد۔ لہٰذا ایک زمانہ میں صوم وصلوٰۃ وقرآن واذکار مذکورہ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی ووافی تھے۔ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگر چہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کی بسبب بعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آ گئیں تو یہ اوراد اُس زمانہ کے اگر چہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت ودشواری لہٰذا طبیبان باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی وزیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا۔ لہٰذا ایجاد بدعت نہ ہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہہ دے تو بجا ہے کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا۔ اور وہ مقصود مامور بہ تھا۔ اس کا حاصل کرنا بمرتبہ خود ضروری تھا۔ پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت۔ بعد اس کے دوسرے طبقہ میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا۔ اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی۔ ثم وثم۔ جیسا کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا۔ بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے۔ اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدلی جاتی ہے جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو مطب کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں۔ اب ہرگز وہ کافی نہیں ان کا بدل ڈالنا کتب طب

کے اصل قواعد کے موافق ہے اگر چہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔ پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جاوے گا۔ بلکہ تفصیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی۔

دوسری نظیر اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ جس کو جہاد کہتے ہیں۔ بتامل دیکھو کہ عہد اولی میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔ ملاحظہ احادیث سے آپ کو معلوم ہے۔ اور اس زمانہ میں استعمال ان آلات کا سراسر مضر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تارپیڑو کا واجب ہوگیا کیونکہ تحصیل اعلائے کلمۃ اللہ بدوں اس کے محال، اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بکفار کہہ کر حرام بتا سکے۔ بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا کیونکہ تحصیل مقصود اس پر موقوف سی ہوگئی ہے۔ پس یہ بھی مامور ہوگیا۔ علی ہذا القیاس اشغال کا حال ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ نے اشغال کو کیسے مقیس علیہ بنالیا۔ اور اس واسطے کہ مقیس علیہ (یعنی قیود وتخصیصات) ضروری اور مامور بہ اور مقیس (محفل مولد اور قیام مولد) نہایت سے نہایت مباح اور کسی وجہ سے موقوف علیہ کسی امر مندوب کا بھی نہیں۔ بلکہ بعض امور اس میں حرام اور مکروہ، پھر اس کو اس پر قیاس کرنا آپ جیسے آدمی سے کس طرح موجب حیرانی نہ ہو۔ لہٰذا اس آپ کے قیاس کو اس پر حمل کیا جائے کہ آپ نے بدعت کے مفہوم کو ہنوز سمجھا ہی نہیں۔ کاش ایضاً الحق الصریح آپ دیکھ لیتے، یا براہین قاطعہ کو ملاحظہ فرماتے یا یہ کہ تسویل نفس وشیطان ہوئی اس پر آپ بدوں غور عامل ہوگئے اب امید کرتا ہوں کہ اگر آپ غور فرمائیں گے تو اپنی غلطی پر مطلع اور متنبہ ہوجائیں گے۔

اس پر حضرت تھانویؒ نے پھر فرمایا کہ:

مقیس (یعنی محفل مولد) کو اگر ذریعہ حصول ایک امر مامور بہ کا کہا جاوے تو ممکن ہے یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرنا اور آپ کی محبت

وعظمت کا دل میں جگہ دینا ضرور مامور بہ ہے۔ زمان سابق میں بوجہ شدت ولہ ووجد خود جابجا چرچا ہی رہتا تھا۔ محبت وعظمت سے قلوب بھی بھرے تھے۔ بعد چندے لوگوں کو ذہول ہوا۔ محدثین رحمہم اللہ نے آپ کے اخلاق وشمائل ومعجزات وفضائل جداگانہ مدوّن کیے تاکہ اس کے مطالعہ سے وہ غرض حاصل ہو۔ پھر یہی مضامین بہ ہیئت اجتماعیہ منابر پر بیان کیے جانے لگے۔ پھر اہل ذوق نے اور کچھ قیود وتخصیصات جن میں بعض سے سہولت عمل مقصود تھی بعض سے ترغیب سامعین بعض سے اظہار فرح وسرور، بعض سے توقیر وتعظیم اس ذکر اور صاحب ذکر کی منظور تھی بڑھالی۔ مگر مطمح نظر وہی حصول حب وتعظیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہا۔ گو کہ حصول حب وعظمت کا توقف اس ہیئت خاصہ پر بمعنی "لولاہ لا امتنع عقلاً" ثابت نہیں مگر یہ توقف مقیس علیہ (یعنی اذکار صوفیہ مقیدہ) میں بھی نہیں۔ وہاں بھی توقف بمعنی ترتب ہے۔ یا "لولاہ لا امتنع عادۃ" سو اسکی گنجائش مقیس میں بھی ہے کیونکہ ترتب تو ظاہر ہے اور عند التامل امتناع عادی ہی ہے گو اس قدر فرق بھی ہے کہ یہ امتناع مقیس علیہ میں باعتبار اکثر طبائع کے ہے اور مقیس میں باعتبار بعض طبائع کے۔ چنانچہ دیار وامصار شرقیہ میں بوجہ غلبہ الحاد ودہریت یا کثرت جہل وغفلت یہ حال ہے۔ کہ وعظ کے نام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اور ان محافل میں یا بوجاہت میزبان یا اور کسی وجہ سے آکر فضائل وشمائل نبویہ اور اس ضمن میں عقائد ومسائل شرعیہ سن لیتے ہیں۔ اس ذریعہ سے میرے مشاہدہ میں بہت سے لوگ راہ حق پہ آگئے۔ ورنہ شاید ان کی عمر گذر جاتی کہ کبھی اسلام کے اصول وفروع ان کے کان میں بھی نہ پڑتے۔ اور اگر توقف سے قطع نظر کیا جاوے تب بھی ترتب یقیناً ثابت ہے۔ سو جواز کے لئے یہ بھی کافی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے۔ کہ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ انتہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ذریعہ تحصیل مامور بہ کا ہو خواہ وہ محتاج الیہ ہو یا نہ ہو جائز ہے سو ذریعہ ہونا اس کا تو بہت ظاہر ہے۔ سامعین کے قلوب اس وقت آپ کے احترام وعظمت وشوق وعشق وادب وتوقیر سے مملو ومشحون نظر آتے ہیں۔ البتہ اس میں جو امور مکروہ وحرام مخلوط ہوگئے ہیں وہ واجب الترک ہیں۔ (تبلیغ مروجہ مقیدہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے جو حضرت مولانا تھانویؒ نے محافل میلاد کے بارے میں لکھا ہے)

مگر اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے یہ عنایت فرمایا کہ:

آپ نے جو شبہ مساوات مقیس ومقیس علیہ میں لکھا ہے موجب تعجب ہے مگر بمقتضائے "حبک الشی یعمی ویصم" ایسے شبہات کا ورود عجب نہیں۔ بغور دیکھو کہ مقیس علیہ خود ذکر ہے۔ کہ مطلق ذکر مامور بہ کا فرد ہے۔ اور اس کے ملاحظات وہیئات یاذکر ہیں۔ یا وہ امور ہیں کہ نص سے ان کی اصل ثابت ہے۔ پس وہ ملحق بالسنۃ ہیں۔ اور بضرورت موقوف علیہ مقصود کے تخصیص اور تعیین ان کی کی گئی اور عوام تو کیا خواص میں بھی صدہا میں معدود شخص عامل ہیں۔ لہٰذا عوام کے ضرور سمجھ جانے کا وہاں محل نہیں اور مقیس میں جو قیود مجلس ہیں۔ بعض موہم شرک ہیں۔ اور بعض امور دراصل مباح مگر بسبب اشاعت ہر خاص وعام کے ملوث ببدعت ہو کر ممنوع ہوگئے کہ عوام ان کو ضروری بلکہ واجب جانتے ہیں۔ اور مجالس مولود میں جس قدر عوام کو دخل ہے خواص کو نہیں اور یہ قیود غیر مشروعہ موقوف علیہ محبت کے ہرگز نہیں (جیسا کہ قیود تبلیغ مروجہ ہرگز موقوف علیہ نہیں) آپ خود معترف ہیں پس اس کو مقیس علیہ سے کیا مناسبت؟ اور داعی عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اس وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ

ہو، ورنہ رقص وسرود زیادہ تر دواعی ہیں۔ اور روایت موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کی جاتی ہے۔ پس کون ذی فہم بعلت دعوت عوام ان کا مجوز ہو جائے گا۔ یہ جواب آپ کی تقریر کا ہے کہ سماع ذکر ولادت بہجت کذائیہ کو آپ موجب ازدیاد محبت تصور کررہے اور بذریعہ غیر مشروع کے تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت جو امر خیر بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے۔ اور جو کچھ بندہ کا مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ مولود کے سننے والے اور مشغوف مجالس مولود صدہا ہوتے ہیں کہ ان میں ایک بھی متبع اور محب نہیں ہوتا۔ اور عمر بھر مولود سننے سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ومحبت سنت ذرہ بھر بھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ بے اعتنائی عبادات اور سنن سے بیحد ان کے جی میں آجاتی ہے۔

اور اگر تسلیم کر لیا جاوے کہ آپ کی محفل میلاد خالی ہے جملہ منکرات سے اور کوئی امر نامشروع اس میں نہیں ہے تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں۔ اور یہ فعل آپ کا ان کے لئے موید ہے۔ پس یہ فعل مندوب آپ کا جب مغوی خلق ہوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جاوے گا۔

اگر حق تعالیٰ نے نظر انصاف بخشی ہے تو سب واضح ہے ورنہ تاویل وشبہات کو بہت کچھ گنجائش ہے۔ مذاہب باطلہ کی اہل حق نے بہت کچھ تردید کی مگر قیامت تک بھی ان کے شبہات تمام نہ ہوں گے۔ فقط

یہ جواب پا کر حضرت تھانویؒ نے حضرت مجیبؒ سے اتفاق کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

مقیس ومقیس علیہ میں واقعی یہ فرق تو ہے کہ مقیس علیہ کے عامل خواص میں بھی کم ہیں ... مقیس کے برابر شیوع نہیں۔

اور یہ بات بھی ہے کہ عاملان مقیس میں متبعان سخت کم ہیں۔

اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو امر خیر بذریعہ غیر مشروع حاصل ہو وہ امر خیر نہیں۔

اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جاوے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو جائز الحصول نہ ہوگا۔

اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مجالس منکرہ بکثرت ہوتی ہیں۔ اور منکر کی تائید اگر غیر منکر سے ہو تو وہ بھی سزاوار ترک ہے جب کہ عند الشرع فی نفسہ ضروری نہ ہو۔

(پھر حضرت سائل نے اس کے متعلق علمی اشکالات فرمائے ہیں اس کا بھی جواب باصواب حاصل ہوا جس سے تشفی ہوئی۔ بخوف طوالت اس کو نظر انداز کیا گیا جس کو شوق ہو تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ کا مطالعہ کرے۔

مولف انوار ساطعہ نے جب کہا کہ اگر علمائے متاخرین میں کسی قسم کا تعین مخالف وضع علمائے متقدمین کے پیدا ہو۔ تو یہ ضرور نہیں۔ کہ اس کو رد کیا جائے اس لئے کہ مصلحت زمانہ متقدمین میں وہ تھی جو انہوں نے حکم دیا۔ اور متاخرین کے وقت میں بباعث تغیر اوضاع وطبائع امت کی دوسری طرح پر استحسان ظاہر ہوا۔ در حقیقت یہ اختلاف نہیں کہ دونوں فرقے متقدمہ و متاخرہ اصلاح دین پر متفق ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رسالہ ”انتباہ“ کے شروع میں فرماتے ہیں اگرچہ اوائل امت را با آخر امت در بعض امور اختلاف بودہ باشد اختلاف صور ضرر نمی کند، ارتباط سلسلہ ہمہ ایں امور صحیح است ور اختلاف صور اثرے نیست۔ انتہیٰ کلامہ ملخصا

تو اس کا جواب موف براہین قاطعہ نے صفحہ ۱۳۹ پر یوں دیا کہ:

شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ طرز اشغال کو متقدمین سے لے کر آج تک بدلتے چلے آئے ہیں۔ اور نسبت کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل مطلق واحد ہے۔ لہٰذا تسلسل میں فرق نہیں آیا پس وہ سب طرز اشغال اور کیفیت مسنونہ طریقہ تھا اس میں کوئی تعیین بدعت نہ تھی۔ سو اس سے حجت لانا نہایت بعد ہے فہم مطلب سے۔ شاہ صاحب سے معاذ اللہ وہ تعیین کہ بدعت ہو ہرگز

مراد نہیں۔ اور نہ کسی اہل دین سے اس کی اجازت ممکن ہے مگر مولف کے فہم کا تقاصر ہے۔ پس یہ قاعدہ خوب محفوظ رہے کہ اگر کوئی تحدید و تعیین وضع سنت ہی میں واقع ہووے جائز ہے اور جو وہ تحدید حادث ہو جاوے گی جس کو شرع میں بدعت کہتے ہیں وہ ہرگز درست نہ ہوں گی۔ اگرچہ کوئی کرے۔ انتہیٰ

مختلف مشائخ مختلف اہل سلوک کو مختلف احوال و اوقات میں مختلف اشغال و اوراد کی تلقین کرتے ہیں۔ کوئی کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ تلقین کرتا ہے اور تدبیر و معالجہ کی حیثیت سے کرتا ہے۔ اور کرنے والا خود خاص اس ہیئت کو دین اور عبادت نہیں سمجھتا۔ کوئی شیخ کسی مرید کو مراقبہ، کوئی کسی کو پاس انفاس، کسی کو تلاوت قرآن، کسی کو نوافل، کسی کو ذکر بالجہر، کسی کو ذکر بالسر، کسی کو دوازدہ تسبیح، کسی کو ذکر اسم ذات بلا تعداد وغیرہ، وغیرہ۔ بلکہ ایک ہی شیخ مختلف مریدین بلکہ ایک ہی مرید کو مختلف و متغیر احوال کے مطابق کبھی کچھ اور کبھی کچھ بتاتا ہے۔ اور بعد حصول مقصود ترک کرا دیتا ہے۔ جس کے لئے جس حال میں جو مناسب سمجھتا ہے وہ بتاتا ہے۔ کوئی ایک ہی طریقہ ہر شخص کو ہر حال میں نہیں تلقین کیا جاتا۔ اسی لئے کہا ہے ”طرق الوصول بعدد انفاس الخلائق“ خلاصہ یہ کہ کوئی خاص طریقہ معین اور مستمر نہیں۔

ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد منجانب شیخ کامل مجاز طریقت، منتہی ارباب سلوک کو تلقین کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اخص الخواص اس کے عامل ہوتے ہیں جو کہ ان قیود کو اصل کمال شرعی یا مکملات شرع نہیں اعتقاد کرتے۔ بلکہ وسائل اور ذرائع عادیہ کا درجہ دیتے ہیں۔ قدر حاجت وضرورت پر اکتفا کرتے ہیں۔ نہ تو اس کا رواج دیتے ہیں۔ نہ اہتمام کرتے ہیں۔ اور نہ التزام کرتے ہیں اور بعد حصول مقصود ترک کر دیتے ہیں۔ مدعیوں اور عوام کے ان ملاحظات و ہیئات کو شریعت مستمرہ یا طریقہ مسلوکہ فی الدین کی طرح

کرنے یا سمجھنے اور رواج دینے التزام کرنے کو بدعت حقیقیہ اور حکمیہ قرار دیتے ہیں۔

بخلاف تبلیغ مروجہ مقیدہ متعینہ کے کہ ہر شخص خواہ عالم ہو یا جاہل ہر حال میں ہر وقت میں ہر جگہ میں ایک ہی مخصوص و متعین طریقہ اختیار کرتا ہے۔

عود پور ہو یا محمود پور، ہندوستان ہو یا پاکستان، عرب ہو یا عجم، ایشیاء ہو یا یوروپ، افریقہ ہو یا امریکہ، ہر جگہ ایک ہی طریقہ کی ہمیشہ پابندی اسی پر اصرار و التزام ہے اور اسی کے لئے ترویج، تداعی اور اہتمام ہے۔ قیود اور تعینات مقصود کے موقوف علیہ نہیں۔ اور ان قیود کو شریعت مستمرہ اور طریقہ مسلوکہ فی الدین کی طرح عمل میں لایا جاتا ہے۔ بعض قیود گو اعمال فاضلہ ومندوبہ میں سے ہیں مگر وہ وظیفہ تبلیغ سے خارج ہیں۔ بعض قیود مباح ہیں مگر ان میں تاکد والتزام کی شان پیدا ہوگئی ہے۔ اور بعضے قیود مکروہ اور بدعت ہیں۔ بعض قیود کو اصل کمال شرعی بعض کو مکملات شرع میں سے سمجھا جاتا ہے۔ پھر بنیادی اور جوہری فرق ہر دو میں یہ ہے کہ اذکار و اشغال مشائخ کا ثمرہ یعنی حقیقت احسان کی تحصیل مقصود و مطلوب ہے۔ اور تبلیغ خود تو مقصود ہے۔ مگر ثمرۂ تبلیغ مقصود و مطلوب نہیں۔ پس ہر دو متبائن ہیں۔ ہر دو کے مابین فرق بین اور واضح ہے۔

پس اول تو یہ قیاس کا محل نہیں۔ بلکہ اس کا اندراج تحت کلیہ شرعیہ "المطلق یجری علی اطلاقہ" والمقید یجری علی تقییدہ" اور "ایاکم ومحدثات الامور الخ" ہے۔

اور بعد تسلیم اتنے فرق کے باوجود "حمل النظیر علی النظیر" ممکن نہیں۔ پس "قیاس مع الفارق" ہے۔

لہٰذا تبلیغ مروجہ کو اذکار مشائخ پر قیاس کرنا اور اس سے الزام دینا صحیح نہیں۔

واللہ عِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ

تبلیغ مروجہ اور مدارس اسلامیہ

س یہ کہنا کہ یہ طریقہ خاص یعنی طریقہ تبلیغ مروجہ بہ ہیئت کذائیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا۔ لہٰذا بدعت ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر مامور بہ ہے اور مامور بہ کے حاصل کرنے کا جو مباح طریقہ ہو اس کے مامور بہ ہونے میں کیا تامل ہے۔ کیا مدارس کا موجودہ طریقہ، مدرسین کو اسباق کی تقسیم گھنٹوں کی پابندی، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات وغیرہ وغیرہ جو اس زمانہ میں نہایت ضروری ہیں اور ضروری سمجھے جارہے ہیں اور واقعۃً ضروری ہیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ سب تھے . کیا کتابوں کی تصانیف، ان کی طباعت شروح وحواشی کے سارے مروجہ طریقے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ایسے ہی ٹن کی نماز کی جہاں گھنٹہ بجا خواہ امام ہو یا نہ ہو روزانہ کے مقتدی آچکے ہوں یا نہیں، فوراً نماز شروع ہوجاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہاں تھا؟ ایسے ہی کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں توپ اور بندوق سے لڑائی نہیں تھی۔ لہٰذا وہ تو بدعت ہے۔ تیروں سے جہاد ہونا چاہئے۔ ان امور میں سے کسی کو بھی کوئی بدعت نہیں کہتا۔ لہٰذا مروجہ تبلیغی جماعت بھی بدعت نہیں۔

ج کیا ذکر اللہ مامور بہ نہیں ہے۔ اسی طرح کیا ذکر الرسول، صلوٰۃ وسلام، نماز وروزہ وغیرہ مامور بہا نہیں۔ تو پھر کیوں ہمارے اکابر حضرات علمائے کرام

باوجود مباح طریقے سے مامور بہ کے حاصل ہونے کے محفل مولد، قیام مولد، صلوٰۃ الرغائب اور صوم یوم جمعہ وغیرہ افعال واعمال کو بدعت قرار دیا ہے۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ مباح طریقہ کا اگر داعی ومقتضی جدید ہو اور وہ طریقہ مامور بہ کا موقوف علیہ ہو تو بہ فحوائے **"مقدمة الواجب واجبٌ"** اس طریقہ کے مامور بہ ہونے میں بیشک تامل نہیں۔

لیکن اگر باوجود داعی ومقتضی کے قدیم ہونے کے زمان خیریت نشان میں متروک ہو اور وہ اس مامور بہ کا موقوف علیہ بھی نہ ہو۔ یا اس مباح طریقہ بلکہ مندوب ومستحب طریقہ میں کوئی قبح ومفسدہ تاکد واصرار، التزام مالا یلزم، سنت مقصودہ اور وجوب عماً وعملاً کی شان پیدا ہوگئی ہو یا اس مامور بہ میں کسی مکروہ لعینہ یا لغیرہ کا لحوق ہوگیا ہو تو اس کے بدعت ومکروہ ہونے میں بھی تامل نہیں ہے۔

مدارس کے موجودہ طریقہ میں وجوہ بدعت میں سے کوئی وجہ نہیں پائی جاتی اس لئے وہ بدعت نہیں۔ اگر اس میں بھی کوئی وجہ بدعت پائی جائے تو ہمارے **"اکابر اسار اللّٰہ بصائرهم ونور اللّٰہ ضرائهم"** نے اس پر بدعت کا حکم لگانے میں دریغ نہیں فرمایا حضرت مولانا گنگوہیؒ سے سوال کیا گیا کہ اس صورت کی مساجد اور مدارس اور طرز تعلیم قرون ثلاثہ میں نہیں تھا۔ بلکہ یہ محض نئی صورت ہے تو اس کا بدعت نہ ہونا کیا سبب؟ تو حضرت گنگوہی نے ارشاد فرمایا کہ

مسجد کی کوئی صورت شرع میں مقرر نہیں جیسی چاہے بنائے مگر ہاں مشابہت کنیسہ وبیعہ سے نہ ہو۔ علی ہذا مدارس کی صورت معین نہیں مکان ہو اس کا ثبوت حدیث سے ہے اور کسی صورت خاصہ کو ضروری جاننا بدعت ہوگا۔

(فتاوی رشیدیہ جلد اول)

حضرت مولانا تھانویؒ "وعظ السرور" میں فرماتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئیں (اگر وہ ایسی ہیں کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے۔ اور وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کی ہیں کہ بغیر ان کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہوسکتا جیسے کتب دینیہ کی تصنیف اور تدوین، مدرسوں اور خانقاہوں کی بناء کہ حضور کے زمانے میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی (گو انکی اصل موجود تھی) اور سبب اور داعی ان کا جدید ہے اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ زمانہ خیریت نشانہ میں دین کی حفاظت کے لئے وسائط محدثہ میں سے کسی شے کی ضرورت نہ تھی۔ تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر نسبت سلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوت سب مشرف تھے۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کچھ سنتے تھے۔ وہ سب نقش کالحجر ہو جاتا تھا۔ فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں۔ ورع وتدین بھی غالب تھا۔ بعد اس زمانہ کے دوسرا زمانہ آیا۔ غفلتیں بڑھ گئیں۔ قویٰ کمزور ہوگئے ادھر اہل اہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا۔ تدین مغلوب ہونے لگا۔ پس علمائے امت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا۔ پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین مجمع اجزاء کی تدوین کی جاوے۔ چنانچہ کتب دینیہ، حدیث واصول حدیث، فقہ، اصول فقہ عقائد میں تصنیف ہوئیں۔ اور ان کی تدریس کیلئے مدارس تعمیر کئے گئے۔ اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب تقویت وابقا کیلئے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں۔ اس لئے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی۔

پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا جدید ہے۔ کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا۔ اور موقوف علیہ حفاظت دین ماموربہ کی ہیں۔ پس یہ اعمال گو صورۃً بدعت ہیں لیکن واقع ہیں بدعت نہیں بلکہ حسب قاعدہ "مقدمة الواجب واجبٌ" واجب ہیں"۔

اور قیود ضروریہ کا سلف میں معمول بہ ہونا اور خاص طور پر شریعت میں اس کی اصل کا ہونا شرط نہیں اس لئے وہ بدعت نہ ہوں گی۔ اس کی تصریح بحوالہ شاطبی اوپر گذر چکی ہے۔

بدعت عبادات ہی میں مذموم ہوتی ہے۔ عادات اور مباحات میں مذموم و منکر نہیں۔ دو شرط کے ساتھ۔ ایک یہ کہ کوئی محذور شرعی مثل تشبہ، اسراف اور خیلاء وغیرہ اس کا معارض نہ ہو، اگر معارض ہوا تو حسب قاعدہ مرکب مجوز ولا مجوز کا لا مجوز ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ مباح طریقہ ناجائز ہوگا۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس مباح کو دین یعنی عبادت مقصودہ اور موجب ثواب اور اس کے ترک کو سبب عقاب نہ سمجھنے لگے اگر ایسا سمجھے گا تو بدعت کا حکم جاری ہوگا۔ جیسا کہ بالتصریح والتفصیل والتمثیل اوپر بیان ہو چکا ہے۔

اور کسی طریقہ اور ذریعہ کو امر دین اور شرعی سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ ان امور کا نفس وجود وسیلہ بنانے سے قطع نظر محامد دینیہ و شرعیہ میں سے قرار دیا جائے۔

قدرے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کہ وہ طریقہ اور ذریعہ فی نفسہٖ مستقلاً محمود و ممدوح شرعی ہو۔ مثلاً طہارت بہ وضو و غسل اگرچہ صلوۃ کا وسیلہ ہے مگر بذات خود محمود و ممدوح شرعی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "ان اللّٰـه يحب التوابين ويحب المتطهرين ○ بیشک اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں توبہ کرنے والوں کو اور پسند فرماتے ہیں طہارت حاصل کرنے والوں کو۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "**الطهور شطر الايمان**" پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔

اسی طرح تلاوت قرآن اگرچہ وسیلہ ہے تدبر فی القرآن مامور بہ کا۔ مگر خود تلاوت قرآن ایک عبادت عظمٰی ہے۔ حدیث اور سیرۃ نبوی کے پڑھنے میں مشغول ہونا اگرچہ وسیلہ ہے اعمال صالحہ اور اتباع سنت کا مگر خود بھی قطع نظر از وسیلہ ایک بہترین موجب ثواب مشغلہ ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس امور غیر محصور، اس قسم کے طریقوں اور وسائل کی علامت یہ ہے کہ اس قسم کے وسائل کا مستقل حصول مقصد سے خالی اور مجرد ہونے کی صورت اور حیثیت میں بھی شارع کی نظر میں باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مستقل امر شرعی و دینی ہوتا ہے۔ اور وسیلہ بننے کی صورت میں بھی خود ان وسائل کو مقصود سمجھنا اور بغیر لحاظ مقصد کے بھی خالی از نفع نہیں ہوتا۔ اگرچہ قلیل ہو۔ مثلاً تجدید وضو و غسل بلا ضرورت برائے تحصیل نفس ادامت بر طہارت اگرچہ اس وقت نیت صلوٰۃ نہ ہو۔ تب بھی امر محمود ہوگا اور موجب اجر ہوگا۔

اور دوسری قسم کے وسائل اور ذرائع مامور بہ مقاصد کے وہ ہیں کہ نہ بالذات طاعت اور محمود شرعی ہیں نہ مذموم و معصیت نہ نظر شارع میں باطل محض ہیں اور نہ موجب اجر اخروی، اصطلاح شرع میں اس کو مباح کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے، پہننے، رہنے سہنے، سفر کرنے، بازار جانے، شہروں کی سیاحت کرنے، کنویں سے پانی کھینچنے، لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل کرنے ہر قسم کی صنائع، حدادت، صباغت، خیاطت وغیرہ وغیرہ امور معاشیہ اور عادات میں مختلف انواع واقسام کا استعمال کرنا مباح ہے۔ اگرچہ اس کا ثبوت فعلی جناب شارع علیہ السلام سے

نہ ہو۔ اور مباح نہ فی نفسہ طاعت ہوتا ہے نہ معصیت، جیسے چلنا فی نفسہ مباح ہے نہ اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے نہ عقاب، لیکن مسجد یا مجلس وعظ و پند کی طرف چلنا، یا کسی مبتلائے محن کی امداد کو چلنا موجب ثواب ہے۔ یا حج کے لئے سفر کرنا، دخول مسجد کی نیت سے بازار جانا، وضو کی نیت سے پانی کھینچنا، حاجتمندوں کی سفارش کے لئے لکھنا، اعانت دین اور خدمت محتاجین کے لئے حرف و صنائع کا استعمال وغیرہ یہ مباحات بالعرض طاعت اور موجب ثواب بن جاتے ہیں۔ لیکن شراب پینے یا زنا کی نیت سے چلنا، کسی معصیت کی غرض سے سفر کرنا، مثلاً موجب عقاب ہے۔

پھر جس طرح پیدل چلنا مباح ہے اسی طرح سواری پر چلنا بھی مباح ہے۔ وہ سواری اونٹ ہو یا گھوڑا، گدھا ہو یا خچر، بہلی ہو یا رتھ، ریل ہو یا جہاز، کوئی ہو اسی طرح ہر قسم کا لباس پہننا اور ہر قسم کا فرش اپنے گھر میں یا مسجد میں بچھانا مباح ہے۔ بشرطیکہ محذورات شرعیہ سے بچتا رہے۔

اس حقیقت کا بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مباح اگر ذریعہ طاعت بنے تو وہ مباح بالعرض طاعت بن جاتا ہے۔ اور اگر ذریعہ معصیت بنے تو معصیت بن جاتا ہے۔ لیکن کوئی مکروہ و معصیت ذریعہ طاعت بنے تو وہ طاعت نہیں بنتا بلکہ مکروہ و معصیت ہی رہتا ہے۔ بلکہ اس طاعت کو بھی مکروہ و معصیت بنا دیتا ہے۔ کیونکہ مجوز و لا مجوز سے مرکب لا مجوز ہوتا ہے۔

عن ابن عباسؓ قال کل ماشئت والبس ماشئت ما اخطاتک ثنتان سرف ومخیلة (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کھا جو چاہے اور پہن جو چاہے جب تک کہ دو خصلتوں تک تجھ کو نہ پہنچا دے۔ وہ دونوں خصلتیں اسراف اور کبر ہیں۔

وعن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا مالم یخالط اسراف ولا مخیلة. (رواہ احمد والنسائی، ابن ماجہ)

عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک اسراف اور خیلاء کی آمیزش نہ ہو۔

مباح منضم جب تک اپنی حد پر رہے گا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوگا تو ناجائز ہوگا۔ مثلاً امر دین اور محمود شرعی سمجھنا یا اس پر اصرار یا علماً و عملاً تاکد و التزام مالا یلزم وغیرہ من المفاسد۔

الغرض مطعومات و ملبوسات وغیر ذلک من المباحات میں اقسام کثیرہ ایسی ہیں جو نصوص سے بطریق کلی سب کیلئے مباح اور حلال ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے استعمال کی فی عمرہ الشریف کبھی نوبت نہیں آئی۔

جب نص کلی سے مطلق شے کا مباح اور حلال ہونا ثابت ہو گیا تو اب اس کے کسی فرد خاص کے لئے دلیل طلب کرنا ایسی ہی حماقت ہے جیسے کوئی احمق پوچھنے لگے کہ چتلی بکری کس دلیل سے حلال ہے۔ البتہ جو چیز ان مباحات کو ناجائز بتلانے والی تھی۔ مثلاً ان کو دین و شریعت کا درجہ دیدینا اور شریعت کا مضاہی بنا دینا۔ تاکد و اصرار والتزام اور موجب فساد عقیدہ عوام بنا دینا و امثال ذالک، ان کا حضرت شارع علیہ السلام نے نہایت تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ اور قانون کا یہی وظیفہ ہے ورنہ جزئیات کا احصاء علاوہ دشوار ہونے کے عبث بھی ہے۔

مدرسہ کی بنیاد رکھنا، کسی خاص مکان میں روایت حدیث کرنا اور تعلیم و تعلّم کا

مشغلہ اختیار کرنا، سند دینا، دستار بندی کرنا، مدرسین کو اسباق تقسیم کرنا، گھنٹوں کی پابندی کرنا، سہ ماہی، ششماہی سالانہ امتحانات وغیرہ اسی طرح کاغذ یا کسی اور چیز پر علوم دینیہ تحریر کرنا، اس کی شرح وتفسیر کرنا، قلمی طور پر ہو یا مطبوع وغیرہ، ایسے ہی مسجد میں گھڑی لگانا اور نماز گھڑی کی وقت سے پڑھنا وغیرہ یہ سب مباحات میں داخل ہیں۔ جن کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

ان امور کو کوئی فی نفسہٖ امور دین نہیں سمجھتا۔ البتہ جب ان کے دینی منافع پر نظر جاتی ہے۔ تو یہ مباحات حسب قاعدہ مذکورہ بالا یعنی بنا بر نیت توسل للعبادات از قسم طاعات بالعرض ہو جاتے ہیں۔

سند ودستار دینے میں یہ منفعت دینی ہے کہ عوام اس شخص کی تعلیم کو جس کو سند دی گئی ہے معتبر سمجھ کر حوادثِ یومیہ میں اس کے فتوے اور ہدایت پر باطمینان عمل کر سکتے ہیں۔ اور تا امکان ہر جگہ ایسے معتمد علم کا موجود رہنا بمقتضائے "**ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر**" الآیۃ فرض کفایہ ہے، جیسا کہ ابتداہی میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

کسی مکان کا سنگ بنیاد رکھنا مباح ہے مگر بہ نیت عبادت مستحب ہے۔ وہ کونسا مسلمان ہے جو قرآن پاک اور حدیث رسول کی تعلیم کو عبادت نہیں سمجھتا۔ پھر عبادت کے لئے کسی مکان کو مخصوص کر لینا بھی مستحب ہے۔ چنانچہ اپنے گھر میں نماز کے لئے کسی جگہ کو مخصوص کر لینا حدیث سے ثابت ہے۔ اگر تعلیم کے لئے مکان مخصوص کرنے میں اضیاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی طالبان علم کی راحت کا بھی لحاظ رکھا جائے تو نورٌ علی نور یعنی ڈہرا استحباب۔

ہر صاحب علم وفن جانتا ہے کہ قتال فرض ہے "**الجهاد ماضٍ الی یوم القیامة**" مگر آلات قتال کا تعین عند اللہ فرض نہیں۔ بلکہ ہر زمانہ کے مطابق آلات کا

اختیار کرنا عند اللہ فرض ہے۔ مولف انوار ساطعہ نے جب آلات قتل کے تعین سے الزام دیا تو مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۱۷ پر فرمایا

> سنو! کہ اعداد آلات جہاد فرض ہے بقولہ تعالیٰ "**واعدوا لهم ما استطعتم**" الآیۃ پس جس آلہ سے دفع کرنا ان کا ممکن ہو۔ اس کا اختیار کرنا فرض ہوگا اب تیر سے دفع نہیں ہوسکتا تو توپ وبندوق وغیرہ کا بنانا فرض ہوا۔

اور بتذکرۃ الرشید صفحہ ۱۲۱ پر حضرت گنگوہی قدس سرہٗ حضرت تھانوی کے جواب میں فرماتے ہیں

> دوسری نظیر اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ جس کو جہاد کہتے ہیں۔ بتامل دیکھو کہ طبقۂ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا۔ ملاحظہ احادیث سے آپ کو معلوم ہے۔ اور اس زمانہ میں استعمال ان آلات کا سراسر مضر ہے۔ اور ایجاد توپ اور بندوق اور تارپیڑو کا واجب ہو گیا۔ کیونکہ تحصیل اعلائے کلمۃ اللہ بدوں اس کے محال ہے۔ اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بکفار کہہ کر حرام بتا سکے، بلکہ اس کو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا۔ کیونکہ تحصیل مقصود اس پر موقوف سی ہو گئی ہے۔ پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا علیٰ ہذا القیاس اشغال کا حال ہے۔ (اور مدارس کا حال ہے)

حضرت مولانا اسمٰعیل الشہید نور اللہ مرقدہٗ ایضاح الحق الصریح صفحہ ۸۹ پر فرماتے ہیں

> ”مزاولت آلات حرب مثل توپ وبندوق وتپنچہ بقدر کفایت کہ در قتال کفار بکار آید۔ از جنس بدعت نیست۔ زیرا کہ ہرچند امور مذکور از قسم مخترعات ومحدثات است۔ اما از امور دین نیست۔ اگر کسے او را از قبیل امور دین شمردہ بعمل خواہد آرد البتہ بہ نسبت او از قبیل بدعات خواہد گردید“۔

یعنی لڑائی کے آلات اور اوزار مثل توپ وبندوق وتمنچہ وغیرہ کی مشق وربط کرنا بقدر ضرورت جو کفار کی جنگ میں کام آوے یہ جنس بدعت سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ یہ امور مذکورہ مخترعات ومحدثات میں سے ہیں جو پہلے نہ تھیں۔ مگر یہ امور دین سے نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ بدعت نہیں۔ اگر کوئی ان امور کو امور دین کی قسموں سے سمجھ کر عمل میں لائیگا۔ تو اس کیلئے ضرور بدعات کی قسم سے ہو جائیگا۔

اسی طرح اوقات مخصوصہ میں جماعت سے نماز پڑھنا مطلوب شرعی ہے اور مامور بہ ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے گھڑی اور گھنٹہ کا انتظام کیا جاتا ہے اور اس کو امور دین میں سے اور ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے اس لئے بدعت نہیں۔ اگر اس کو دین کا کام قرار دیا جائے یا ضروری سمجھا جائے تو یہی بدعت ہو جائے گا۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں.

گھنٹہ گھڑی سے کام لینا خود مقصود نہیں بلکہ مقصود اوقات مخصوصہ ہیں اور وہ محض شناخت اوقات کا ایک آلہ ہے جو سہولت کیلئے معتبر سمجھا جاتا ہے جیسے کہ بعض اوقات تحری قلب کو معیار قرار دیتے ہیں اصل میں گھنٹہ گھڑی تحری قلب میں معین ومعاون ہیں الخ یہ انتظام بمصلحت سہولت نمازیوں کے ہے اور غیر ممنوع ہے انتظام ممنوع وہ ہے جو دین بکسر دال یا دین بفتح دال کے طور پر ہو۔ الخ

اس پر حاشیہ ہے:

"یعنی ہر ایسی نئی بات جس کی شریعت میں کچھ اصل نہ ہو اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے۔ تو وہ بدعت اور ممنوع ہے۔ اسی طرح کسی مباح فعل (غیر ضروری کام) کو دین (فرض) کی طرح لازم اور ضروری سمجھ کر کرنا بھی ممنوع ہے۔ اور نماز کیلئے اوقات مقررہ کی پابندی کو نہ دین (ثواب کا کام) سمجھا جاتا ہے نہ دَین (لازم) سمجھا جاتا ہے اسلئے ممنوع نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ جدید جلد اول صفحہ ۱۵۶)

اسی طرح نشر علوم دینیہ ہر زمانہ میں فرض ہے لقولہ تعالیٰ "یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ" (الآیۃ) وقولہ علیہ السلام "بلغوا عنی ولو آیۃ" مگر نشر علوم کے ذرائع اور طرق کا تعین فرض نہیں۔ بلکہ ہر زمانہ میں داعی ومقتضی کے مطابق جو ذرائع ووسائل کارآمد وموثر ہوں گے وہی فرض ہوں گے۔ اور انہیں کا اختیار کرنا یقیناً ارشاد خداوندی اور حکم نبوی کی تعمیل ہوگی۔ منجملہ ذرائع نشر علوم دینیہ ومدارس دینیہ ہیں۔ جو اشاعت وتبلیغ اسلام کا اعلیٰ، افضل، اکمل، اہم، احسن اور عمدہ ذریعہ ہیں۔

اور مدارس بہ ہیئت کذائیہ کے قیود اگر محدث فرض کئے جائیں تو وہ قیود حسب مقتضائے زمانہ بڑھائے گئے ہیں۔ یعنی ان قیود کے داعی ومقتضی جدید ہیں اور ان قیود میں بعض موقوف علیہ ہیں۔ ان کے بدعت نہ ہونے پر نص شرعی دلالت کرتی ہے جیسے کہ علامہ شاطبی کے حوالے سے اوپر مفصلاً نقل کیا گیا ہے۔

جس کے آخر میں ہے:

لما حدثت بعد ذلک احتاج اهل الشريعة الى النظر فيها واجرائها على اتبين في الكليات التي كمل بها الدين كجمع مصحف ثم تدوين شرائع ومااليه ذلک

یعنی (داعی ومقتضی) بعد اسکے (یعنی قرون ثلاثہ) کے حادث ہوئے۔ لہٰذا اہل شریعت کو ان نئے واقعات کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنے کیلئے غور وفکر کی حاجت ہوئی۔ اور انہوں نے ان نئے واقعات کو ان کلیات میں اندراج اور ان پر جاری کیا جو کہ شریعت میں متعین اور واضح ہو چکے ہیں۔ اور جنکی وجہ سے دین مکمل ہوا ہے مثال کے طور پر جیسے جمع مصحف پھر تدوین شرائع اور ان جیسے کام صفحہ ۳۶۰

اور جیسا کہ بحوالہ شاطبی بیان کیا جاچکا ہے کہ:

فمنه (القيد) الواجب مالا يتم الواجب الابه فلا يشترط ان يكون معمولا به فى السلف ولا ان يكون له اصل فى الشريعة على الخصوص لانه من باب المصالح المرسلة لا البدع

ان ضروری اور موقوف علیہ قیود میں سے اس قسم کی قید ہے کہ جو مالا یتم الواجب الا بہ کے قبیل سے ہے۔ اس قید کا سلف میں معمول بہ ہونا شرط نہیں اور نہ یہ شرط ہے کہ خاص طور پر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہو۔ اس لئے کہ وہ مصالح مرسلہ کے باب میں سے ہے۔ بدعت نہیں ہے۔

یا بعض قیود وہ ہیں جو فی حد ذاتہ مباح ہیں۔ امور عادیہ وانتظامیہ ہیں۔ تو اس کا قانون یہ ہے کہ جب تک ان میں کوئی قبح ومفسدہ نہ پیدا ہو جائز ہے۔ اگر کوئی مفسدہ پیدا ہو تو ناجائز ہوگا۔ یہاں امر عادی وانتظامی کے معنی کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

وہ یہ ہے کہ اس امر کو نہ دین سمجھا جائے نہ ضروری سمجھا جائے نہ کسی دوسرے ذریعہ وقید کے مقابلے میں افضل سمجھا جائے۔ اور اگر کسی اور قید اور ذریعے سے مقصود حاصل ہو جائے تو پھر اس امر کو لغو سمجھ جائے مثلاً حصول طہارت کے لئے وضو مطلوب ومقصود ہے۔ ایک شخص کنویں سے بذریعہ رسی اور ڈول پانی کھینچ کر وضو کرتا ہے اور دوسرا شخص لب دریا بیٹھ کر وضو کرتا ہے تو رسی اور ڈول سے پانی کھینچنے کو ذریعہ بنانے کو نہ کوئی دین سمجھتا ہے نہ ضروری سمجھتا ہے نہ کنویں سے کھینچ کر وضو کرنے کو لب دریا بیٹھ کر وضو کرنے سے افضل سمجھتا ہے۔ اور اگر لب دریا بیٹھ کر وضو کر چکا ہو تو اب کنویں سے کھینچ کر وضو کرنے کو لغو اور بیکار سمجھتا ہے اب اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت سامنے ہو اور اس سے مقصد حاصل ہو سکتا ہو۔ لیکن مقصد کو حاصل کرنے کے

لئے دوسری صورت کا انتظار کرے اور تحصیل مقصد میں توقف کرے۔ یا کسی خاص صورت کا برابر اختیار کرنے والا فخر کرے یا دوسرے لوگ مقام مدح میں اس کا ذکر کریں تو گویا اس نے اس خاص صورت کو ضروری اور افضل سمجھا۔ حالانکہ حصول مقصود کے لئے دونوں امور یکساں تھے۔ تو اسی کا نام تاکد اور اصرار اور التزام مالا یلزم ہے۔ اور بدعت ہے۔

یا جیسے زید اور عمرو دونوں نے قرآن شریف کی تلاوت کی۔ لیکن عمرو نے بوجہ ضعف بینائی کے عینک لگا کر تلاوت کی تو وہ اس پر فخر کرے یا دوسرا آدمی تعریف کرے کہ سبحان اللہ! عمرو کی تلاوت زید کی تلاوت سے افضل ہے اس لئے کہ عمر نے عینک لگا کر تلاوت کی ہے تو یہ بدعت ہو جائے گا۔ امر انتظامی نہ رہ جائے گا۔

یا جیسے قرآن پاک کا تعلم مطلوب ہے تو ایک آدمی نے ہجے کے ذریعہ سے قرآن شریف کی مشق کی۔ جب ماہر ہو گیا تو اب ہجے کرنا محض لغو سمجھا جاتا ہے تو وہ ہجے کر کے پڑھنا امر انتظامی ہے۔

یا جیسے میدان جہاد میں بغرض اعلائے کلمۃ اللہ کافر کا قتل مطلوب ہے کسی وقت کوئی مسلمان کمر میں شمشیر ہندی رکھتا ہے اس کی تلوار کی زد میں کوئی کافر آ گیا اور وہ بہت آسانی سے قتل کیا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں اس کے قتل میں دیر اور توقف کرنا اور تیر اور بندوق ہاتھ آنے کا انتظار کرنا یا اصفہانی تلوار ہاتھ میں آنے اور حاصل ہونے کا انتظار کرنا بالکل سفاہت اور بیوقوفی اور نادانی کی بات سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ امر انتظامی اور عادی ہے بدعت نہیں ہے۔

حضرت مولانا اسمٰعیل الشہید ایضاح الحق الصریح صفحہ ۹۰ پر فرماتے ہیں،

”قسم ثانی آنست کہ استعمال آن بنا بر احتیاج فاعل وعجز او از ادراک مقصد

ونقصان او از مرتبہ لیاقت ادراک مقصد واقع می گردد حصول مقصد بدون وساطت وسائل ہیچ گونہ منقصی در حسن مقصد وکمال رانمی رساند وبوجہ من الوجوہ باعث سقوط مرتبہ فاعل آں بہ نسبت شخصے کہ آں مقصد رابواسطۂ وسائل حاصل کردہ باشد ہرگز نمی گردد۔

ترجمہ وسائل اور قیود کی دوسری قسم وہ ہے کہ وسیلہ اور قید کا استعمال فاعل کے احتیاج اور عجز اور نقصان کی بنا پر ہو۔ یعنی بغیر اس وسیلہ اور قید کے آدمی مقصد نہ حاصل کر سکے اور اگر مقصد بغیر کسی وسیلہ اور ذریعہ کے حاصل ہو جائے تو مقصد کے حسن اور کمال میں کوئی کمی نہ ہو۔ اور بغیر وسیلہ اور قید مقصد حاصل کرنے والے کا مرتبہ کسی اعتبار سے بواسطہ وسائل مقصد حاصل کرنے والے کی بہ نسبت ہرگز کم نہ ہو۔

اور اس کی علامت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”وعلامت ایں قسم آنست کہ وقتیکہ مقصد بوجہ من الوجوہ حاصل شدہ باز استعمال وسائل لغو ولا طائل شمردہ می شود یا طریقے دیگر از طرق حصول مقصد پیش آید باز توقف در اخذ مقصد وانتظار حصول وسائل تا تکمیل آں از سفاہت معدود می شود۔

ترجمہ وسائل اور قیود کی اس قسم کی علامت یہ ہے کہ جب مقصد جس طرح بھی حاصل ہو جائے تو پھر ان وسیلوں کو استعمال کرنا بیکار اور لغو محض اور بے فائدہ شمار کیا جاتا ہے۔ یا مقصد کے حاصل کرنے کے طریقوں میں سے کوئی دوسرا طریقہ مل جائے تو اس طریقہ کو استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ اسی خاص طریقہ کا انتظار کیا جائے۔ اور مقصد پورا کرنے میں توقف اور دیر کیا جائے تو اس خاص قید کے انتظار میں حصول مقصد میں دیر اور توقف کرنا بیوقوفی شمار کیا جائے۔

جیسا کہ وضو کی مثال اوپر بیان کی گئی ہے۔ نہر کے کنارے بیٹھ کر وضو کرنے کا موقع ہے مگر وہاں وضو نہ کرے اور اسی انتظار میں رہے اور وضو کو اسی پر موقوف رکھے کہ رسی اور ڈول سے ہی پانی کھینچ کر وضو کرے گا۔ ایسی صورت میں بذریعہ رسی اور ڈول وضو امر انتظامی سے خارج ہو کر حد بدعت میں داخل ہو جائے گا۔

اسی طرح مدرسین کو اسباق کی تقسیم اور گھنٹوں کی پابندی وغیرہ اور شروح وحواشی کے مروجہ طریقے اور عمارت وتعمیر مدارس یہ سب مدارس کے امور انتظامیہ ہیں۔ بالفاظ دیگر احداث للتعلیم والتعلم ہیں۔ احداث فی التعلیم والتعلم نہیں اگر ان امور کے بغیر مقصد تعلیم وتعلم حاصل ہو تو نہ کوئی اس کا ذکر کرتا ہے۔ نہ پوچھتا ہے۔ نہ ناقص سمجھتا ہے۔ نہ ان امور کو باعث فضیلت سمجھتا ہے۔

اسی طرح ٹن کی نماز ہے کہ مقصود پابندئ اوقات کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہے وہ جس طرح بھی حاصل ہو کافی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہزاروں مساجد میں اس کا انتظام نہیں ہے نہ کوئی ٹن کی نماز والوں کی نماز کو بے ٹن کی نماز والوں کی نماز سے افضل سمجھتا ہے۔ نہ بے ٹن کی نماز کو ناقص سمجھتا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ امور انتظامی ہیں۔

علامہ شاطبی الاعتصام جلد۱/۲۰۵ میں فرماتے ہیں:

واما المدارس فلم يتعلق بها امر تعبدي يقال في مثله بدعة الا على فرض ان يكون من السنة ان لا يقرأ العلم الا بالمساجد وهذا لا يوجد بل العلم كان في الزمان الاول يبث بكل مكان

یعنی مدارس کا تعلق امر تعبدی سے نہیں ہے تا کہ اس کو بدعت کہا جائے۔ ہاں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بس مساجد ہی میں قرأت علم سنت ہے تو البتہ بدعت ہے۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ زمان اول میں مسجد ہو،

من مسجد او منزل اوسفرا وحضر او عير ذلك حتى في الاسواق فاذا اعد احد من الناس ملوسة يعني باعدادها الطلبة فلا يزيد ذلك على اعدادها له منزلا من منازله او حائطا من حوائطه او عير ذلك فاين مدخل البدعة ها هنا؟

گھر ہو، سفر ہو، حضر ہو، وغیرہ حتی کہ بازاروں میں ہر جگہ تعلیم و تعلّم جاری تھا۔ پس اگر کسی نے مدرسہ بنایا اور مقصد اس سے طلبہ کی سہوت اور انتظام ہو تو اس نے عمارت اور دیوار کے علاوہ کیا زیادہ کیا ہے تو اس میں بدعت کا دخل ہی کیا؟

اور یہی معنی ہیں حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اس ارشاد کے جو اوپر مذکور ہوا کہ مدارس کی کوئی صورت متعین نہیں۔ مکان ہو اس کا ثبوت حدیث سے ہے اور کسی صورت خاصہ کو ضروری جاننا بدعت ہوگا۔

اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل الشہید ایضاح الحق الصریح صفحہ ۸۶ پر فرماتے ہیں

”باید دانست کہ امور مذکورہ یعنی علوم الٰہیہ و اشغال صوفیہ و آلات مخترعہ از قسم ثانی اند کہ بنا بر عجز اہل زمان ادراک مقاصد باستعمال وسائل مذکورہ احتیاج افتادہ نہ از قسم اول کہ مکملات علم قرآنی و متممات مقامات احسانی و مستحبات جہد باشد، پس ہر کہ آں را از قسم اول شمارد و در حین مناقب علمائے محسنین و مجاہدین آں را مذکور کند و افضلیت بعضے ایشاں بر بعض دیگر بآں اثبات نماید و در باب تحقیق احق بالامامت مثلاً علوم مذکورہ را دخل دہد ایں ہمہ امور بہ نسبت او از قسم بدعت حقیقیہ وصفیہ خواہد گردید۔

ترجمہ یعنی جاننا چاہئے کہ امور مذکورہ یعنی علوم الٰہی اور اذکار و اشغال صوفیہ اور جدید مخترع ہتھیار قسم ثانی میں سے ہیں۔ اس لئے کہ بغیر ان امور کے حصول مقصد سے اہل زمانہ کے عاجز ہونے کے سبب ان وسائل کی حاجت اور

ضرورت پڑی ہے۔ یہ قسم اول میں سے نہیں ہے کہ مکملات علوم قرآنی ہوں اور متممات مقامات احسانی ہوں۔ اور مستحبات جہاد سے ہوں۔ پس جو کوئی ان امور کو پہلی قسم میں شمار کرے اور مدح اور تعریف کے موقع پر ان وسائل کے استعمال کرنے والوں کو علمائے محسنین اور مجاہدین میں ذکر کرے ان میں سے بعضوں کی بزرگی اور فضیلت اوروں پر ثابت کرے اور امام ہونے کے لئے حقدار ثابت کرنے کو مذکورہ امور اور علوم کو داخل کرے تو یہ کل کام اس کی نسبت سے بدعت حقیقیہ وصفیہ کی قسم سے ہو جائیں گے۔

ان قواعد و قوانین کی روشنی میں غور فرمایا جائے تو واضح طور سے سمجھ میں آجائے گا کہ تبلیغ مروجہ میں جو قیود لگائے گئے ہیں وہ نہ تو موقوف علیہ ہیں نہ تو منقول ہیں۔ قرون ثلاثہ میں بلکہ زمانہ مابعد چودہ سو سال تک ان کا وجود اور نشان نہ تھا۔ نیز بعض قیود بدعت اور مکروہ ہیں۔ مثلاً دعا بالجہر والاجتماع مکروہ اور بدعت ہے۔ اور وظیفہ تبلیغ سے خارج بھی ہے تقدیم الجہال علی منصب العلماء بھی مکروہ اور بدعت ہے۔ تبلیغ کو صرف چھ باتوں میں محدود کر دینا، صرف زبانی تبلیغ کو سنت قرار دینا، نہی عن المنکر کو ترک کر دینا، صرف بیان فضائل پر اکتفاء کرنا وغیرہ بدعت ہیں۔ تو گویا مروجہ تبلیغ بدعت ہی نہیں بدعتوں کا مجموعہ ہے۔ اور قیود مباحہ بھی تاکد و اصرار، التزام مالا یلزم اور تداعی و اہتمام سے بدعت ہو جاتی ہیں۔

تو پھر اس کا قیاس مدارس پر قیاس مع الفرق نہیں تو کیا ہے۔ یہ کہنا کہ تبلیغ صرف اسی صورت کذائیہ سے ہو سکتی ہے۔ تجربہ اس کی شہادت دیتا ہے تو یہ محض تحکم اور مکابرہ ہے بھلا کسی چیز کا ضروری اور غیر ضروری ہونا، صحیح یا غلط ہونا تجربہ پر موقوف ہے یہ تو مشاہدہ اور نصوص شرعیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ البتہ مفید، غیر مفید ہونا تجربہ سے

معلوم ہوتا ہے۔ سو فائدہ کے ہم مکلّف نہیں۔ مطلوب عندالشرع تبلیغ ہے نہ کہ ثمرۂ تبلیغ، تبلیغ ایک حکم شرعی ہے۔ مامور بہ اور عبادت ہے اس کو شریعت کے موافق ہونا چاہیئے۔ فائدہ اور ہدایت کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ. یعنی اے میرے رسول یقیناً آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے خواہ وہ اور اس کی ہدایت آپ کو محبوب ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، آپ تو صرف یہ کہئے کہ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ، یعنی ہماری ذمہ داری بس یہ ہے کہ ہم تبلیغ کردیں پہنچادیں اور بس۔

اسی طرح دیگر نصوص کثیرہ شہیرہ ہیں جو کہ اس مضمون پر دال ہیں پس جس چیز کا بدعت ہونا ثابت ہوچکا ہو تجربہ سے اگر اس کا مفید ہونا ثابت ہو تو وہ بدعت بدعت ہی رہے گی جائز نہ ہوجائے گی۔

اگر اہل بدعت اپنی بدعتوں مثلاً مجلس مولد کے بارے میں کہیں کہ حبِ رسول اور ذکر رسول جو کہ مامور بہ ہے وہ ہیئت کذائیہ کے بغیر مشکل ہے تو اس کا جواب کیا ہے بلکہ انھوں نے کہا بھی ہے اور مدارس ہی پر قیاس کرکے کہا ہے اور ہمارے اکابر نے اس کا جواب بھی دیا ہے، حضرت تھانوی نے بھی یہی بات کہی تھی جو تذکرۃ الرشید ص:۱۲۵، پر مذکور ہے کہ

> محفل مولود کو اگر ذریعہ حصول ایک امر مامور بہ کا کہا جاوے تو ممکن ہے یعنی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف کرنا اور آپ کی محبت وعظمت کا دل میں جگہ دینا ضرور مامور بہ ہے۔ زمان سابق میں بوجہ شدت ولہ وولع خود جابجا چرچا بھی رہتا تھا، اور عظمت ومحبت سے قلوب بھی لبریز تھے، بعد چندے لوگوں کو ذہول ہوا، محدثین رحمہم اللہ نے آپ کے اخلاق وشمائل معجزات وفضائل

> جداگانہ مدوّن کیے تاکہ اس کے مطالعہ سے وہ غرض حاصل ہو پھر یہی مضامین بہیئت اجتماعیہ منابر پر بیان کیے جانے لگے پھر اہل ذوق نے اور کچھ قیود وتخصیصات جن میں بعض سے سہولت عمل مقصود تھی بعض سے ترغیب سامعین بعض سے اظہار فرح وسرور بعض سے توقیر وتعظیم اس ذکر اور صاحب ذکر کی منظور تھی بڑھالی۔ مگر مطمح نظر وہی حصول حبّ وتعظیم نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رہا گو کہ حصول حب وعظمت کا توقف اس ہیئت خاصہ پر بمعنی لولاہ لا امتنع عقلاً ثابت نہیں۔ ہاں توقف بمعنی ترتب یا لولاہ لا امتنع عادۃً ہے، ترتب تو ظاہر ہی ہے، اور عندالتأمل امتناع عادی ہی ہے گو یہ باعتبار بعض طبائع کے ہے (یعنی طبائع عوام کے) چنانچہ دیار وامصار شرقیہ میں بوجہ غلبہ الحاد ودہریت یا کثرت جہل وغفلت یہ حال ہے کہ وعظ کے نام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، اور ان محافل میں یا بوجاہت میزبان یا اور کسی وجہ سے آکر فضائل وشمائل نبویہ اور اس ضمن میں عقائد ومسائل شرعیہ سن لیتے ہیں، اس ذریعہ سے میرے مشاہدہ میں بہت لوگ راہِ حق پر آگئے ورنہ شاید ان کی عمر گذر جاتی کہ کبھی اسلام کے اصول وفروع ان کے کان میں بھی نہ پڑتے، اگر توقف سے قطع نظر کیا جاوے تب بھی ترتب (فائدہ) یقیناً ثابت ہے، سو جواز کے لئے یہ بھی کافی معلوم ہوتا ہے۔

اہل تبلیغ مروجہ اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں؟ مگر اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ دے رہے ہیں کہ

> مجلس مولود میں جو قیود ہیں، بعض موہم شرک ہیں اور بعض امور دراصل مباح، مگر بسبب اشاعت ہر خاص وعام کے ملوث بہ بدعت ہوکر ممنوع ہوگئے کہ عوام ان کو ضروری بلکہ واجب جانتے ہیں۔ اور مجالس مولود میں جس قدر عوام

کو دخل ہے خواص کو نہیں اور یہ قیود مذکورہ غیر مشروعہ موقوف علیہ محبت کے ہرگز نہیں ... اور داعی عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اسی وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ ہو، ورنہ رقص و سرود زیادہ تر دواعی ہیں اور روایات موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کی جاتی ہیں، پس کون ذی فہم بعلت دعوۃ عوام ان کا مجوز ہو جائے گا۔ یہ جواب آپ کی تقریر کا ہے کہ سماع ذکر ولادت بہ ہیئت کذائیہ کو آپ موجب ازدیاد محبت تصور کر رہے ہیں اور بذریعہ غیر مشروع کے تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں، ورنہ فی الحقیقت جو امر خیر بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے۔ ... اگر غور کیا جائے تو واضح ہے کہ ذکر ولادت جدا شئے ہے اور قیود ذکر ولادت کی فصل نہیں بلکہ امور منضمہ ہیں، کہ بدون ان کی ذکر ولادت حاصل ہو سکتا ہے اور مباح منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا ناجائز، اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزو بھی ناجائز ہو جائے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہوتا ہے۔

ایک مکتوب میں حضرت مولانا تھانویؒ نے لکھا کہ

اصل عمل (ذکر رسول) تو محل کلام نہیں البتہ تقییدات و تخصیصات بلاشبہ محدث ہیں ... لیکن ان کی نسبت یوں خیال میں آیا کہ ان تخصیصات کو اگر قربت و عبادت سمجھا جاوے تو بلاشک بدعت ہیں اور اگر محض امور عادیہ مبنی بر مصالح سمجھا جاوے تو بدعت نہیں مباح ہیں۔ میرے فہم ناقص میں تخصیصات طرق اذکار و اشغال اسی قبیل سے معلوم ہوئیں۔ ہاں ان تخصیصات کو کوئی مقصود بالذات سمجھنے لگے تو ان کے بدعت ہونے میں بھی کلام نہ ہوگا۔

اور گو اس صورت میں یہ بدعت اعتقادی نہ ہوگی مگر اس کا اہتمام و التزام بدعت

عملی تو ہوگا۔

مگر خصوصیات ذکر اس میں بھی ہم پلہ معلوم ہوئے۔

پھر گو ایسے فہیم آدمی کے حق میں بدعت نہ ہو مگر چونکہ عوام کو اس سے شبہ اس کی ضرورت یا قربت کا ہوتا ہے ان کے حفظ عقیدہ کیلئے یہ واجب الاجتناب ہوگا۔

مگر یہ احتمال ان تخصیصات اذکار میں بھی نظر آیا۔

پھر یہ خصوصیات بعض قواعد و اصول فقہ حنفی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، مگر یہی امر ان خصوصیات اعمال و اشغال میں بھی معلوم ہوا۔

پس تخصیص وہ ہی بدعت ہوگی جو عقیدۃً ہو اور التزام بھی وہ ہی ممنوع ہوگا جسکے ترک پر شرعی حیثیت سے ملامت ہو اور عوام کا شبہ خواص کے حق میں اس عمل کو بدعت نہ بنادیگا اور بعض اصول حنفیہ کی مخالفت شرع کی مخالفت نہ سمجھی جاویگی۔

یہ بھی دیکھا کہ وعظ میں لوگ کم آتے ہیں اور ان مجالس میں زیادہ اور ہر مذاق اور ہر جنس کے۔ چنانچہ ان مجالس میں مواقع ان کے پند و نصائح اور اصلاح عقائد اور اعمال کے بخوبی ملا۔ اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی اپنے عقائد فاسدہ و اعمال سیۂ سے تائب و صالح ہوگئے بہت روافض سنی ہوگئے، بہت سے سود خور شرابی بے نماز وغیرہم درست ہوگئے۔

یوں بھی خیال ہوا کہ شرکت سے لوگوں کی ہدایت ہوگی، اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض واجبات کی حفاظت ہوگی، اللہ تعالیٰ سے امید تسامح ہے۔"

یہ تھے مولانا تھانوی کے خیالات اور تجربات۔

مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ان خیالات و تجربات کو لا یعبأ بہ قرار دیکر مفصل جواب ارشاد فرمایا جو اوراق سابقہ میں مذکور بھی ہو چکا ہے، اور جس کو پوری تفصیل کا

شوق ہو، وہ تذکرۃ الرشید جلد اول ص ۱۲۱ کا یا گذشتہ اور ق کا مطالعہ کرے یہاں اس کا کچھ خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ فرمایا

> اشغال مشائخ کی قیود وتخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں، اس کو مقیس علیہ ٹھہرانا سخت حیرانی کا موجب ہے خاص کر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے۔ حصول مقصود ان قیود پر موقوف لہٰذا ایجاد بدعت نہ ہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہہ دیوے تو بجا ہے کیونکہ حصول مقصود بغیر اس کے دشوار ہوا اور وہ مقصود مامور بہ تھا۔ اس کا حاصل کرنا بمرتبہ خود ضروری تھا پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ کہ بدعت، جیسے طبیب کا علاج موسم سرما اور گرما کا مختلف ہوتا ہے۔ دوسری نظیر اعلائے کلمۃ اللہ ہے اس کے لئے ضرورت اور داعیہ کے مطابق ہتھیار کا استعمال میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ نے اشغال کو کیسے مقیس علیہ بنالیا۔ اس واسطے کہ مقیس علیہ (تخصیصات اذکار) ضروری اور مامور بہ اور مقیس (قیود ذکرِ رسول) نہایت سے نہایت مباح، اور کسی وجہ سے موقوف علیہ کسی امر مندوب کا بھی نہیں۔ بلکہ بعض امور اس میں حرام اور مکروہ پھر اس کو اس پر قیاس کرنا آپ جیسے فہمیدہ آدمی سے کس طرح موجب حیرانی نہ ہو۔ لہٰذا آپ کے قیاس کو اس پر حمل کیا جاوے کہ آپ نے بدعت کے مفہوم کو ہنوز سمجھا ہی نہیں۔ کاش ایضاح الحق الصریح آپ دیکھ لیتے یا براہین قاطعہ کو آپ ملاحظہ فرماتے یا یہ کہ تسویل نفس وشیطان ہوئی اس پر آپ بدون غور عامل ہو گئے اب امید کرتا ہوں کہ اگر آپ غور فرمائیں گے تو اپنی غلطی پر مطلع ومتنبہ ہو جائینگے۔"

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی ان تنبیہات پر حضرت تھانویؒ نے اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ

> یہ امر یقینی ہے کہ جو امر خیر بذریعہ غیر مشروع حاصل ہو وہ امر خیر نہیں اور جب قیود

> کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جاوے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو جائز الحصول نہ ہوگا۔

اور تذکرۃ الرشید جدد دوم ص ۱۴۶۔ پر حضرت تھانوی کی ایک مفصل تحریر مذکور ہے جو قابل دید اور نہایت مفید ہے۔ جس میں حضرت نے فرمایا کہ

> بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت اور تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہٖ تعالیٰ اطلاع ہو گئی۔ اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک باب عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا۔ جس کا ملخص یہ ہے کہ۔
>
> مدار نہی فی الواقع فساد عقیدہ ہی ہے، لیکن فساد عقیدہ عام ہے خواہ فاعل اس کا مباشر ہو خواہ مرتکب اس کا سبب ہو۔ پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہوگا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا۔ اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اس فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی۔ اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے۔ پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا۔ اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہونچا۔ تو یہ شخص اس عامی کا ضلال کا سبب بن گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جاوے تو برا ہے۔ اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے گا۔ پس اس قاعدہ کی بنا پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے۔ بلکہ ان مفاسد سے احتراز کے لئے اس فعل کو ترک کر دیں گے۔ البتہ جو فعل ضروری ہے اور اس میں مفاسد پیش آویں وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے۔ بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جاوے گی۔ چنانچہ احادیث نبویہ اور مسائل

فقہیہ سے یہ سب احکام وقواعد ظاہر ہیں۔ ماہر پر مخفی نہیں۔

جب میرے اس خیال کی اصلاح ہوگئی تو اس کے سب فروع وآثار کی اصلاح بفضلِ تعالیٰ ہوگئی۔ مولانا کے اس احسان کو میں عمر بھر نہ بھولوں گا۔

الغرض اذکار واشغال مشائخ، ومدارس اسلامیہ اور اعلائے کلمۃ اللہ بوسیلۂ اسلحہ جدیدہ ومختلفہ کے اور ذکر رسول بہ ہیئت کذائیہ کے مابین فرق بین ہے۔ کہ مدارس وغیرہ کے قیود تعلیم وتعلم کے موقوف علیہ ہیں۔ بدون ان قیود کے تعلیم وتعلم عادۃً ناممکن ہے اور بقیہ قیود امور انتظامیہ ہیں اور وظیفۂ تعیم وتعلم میں داخل ہیں۔ مثلاً مکان تعلیم ضروری ہے لیکن ہیئت مکان کا تعین ضروری نہیں۔ مکان پختہ ہو یا خام، کھپریل ہو یا پھوس کا ہو گول ہو یا چوکور، مسجد ہو یا گھر، سڑک ہو یا چار پائی، اس کو کوئی نہ دین سمجھتا ہے نہ ضروری۔

اسی طرح تصنیف اور کتابوں کا استاد اور شاگردوں کے درمیان ہونا ضروری ہے۔ بدون تصنیف کے تحصیل علوم وفنون عادۃً ناممکن ہے۔ لیکن خاص ہیئت کا ہونا ضروری نہیں۔ خواہ کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی، محشی ہو یا معریٰ، مجلد ہو یا غیر مجلد، وعلیٰ ہذا القیاس، نہ اس کو کوئی دین سمجھتا ہے نہ ضروری، نہ ایک صورت کو دوسری صورت پر ترجیح وفضیلت۔

رہے اسباق کی تقسیم، گھنٹوں کی پابندی، اسی طرح سہ ماہی، ششماہی سالانہ امتحانات یہ سب امور انتظامیہ ہیں، اور منجملہ وظائف تعلیم ومدارس ہیں، نہ ان کو کوئی دین سمجھتا ہے نہ ضروری، اور اگر ضروری ہوں جیسا کہ خود سائل معترف ہیں تب تو ضروری سمجھنے کا بھی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ اس وقت قیود موقوف علیہا میں داخل ہو جائیں گے۔

لیکن حق یہ ہے کہ ضروری اور دین نہیں سمجھا جاتا، اگر مقصد یعنی تعلیم وتعلم کا حصول ہو جاتا ہے تو مثلاً گھنٹوں کی پابندی کر کے پڑھنے پڑھانے والے کو بغیر پابندی پڑھنے والے پر نہ کوئی ترجیح دیتا ہے نہ فضیلت، نہ مقام مدح میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے دونوں صورتوں کو یکساں سمجھا جاتا ہے، چنانچہ بہت سے مدارس میں ایسا نہیں ہوتا تو ان کی کوئی تنقیص نہیں کرتا، اور نہ اس کی تحقیق وتفتیش کرتا ہے۔

اگر ایک طرح سے حصول مقصد ہو جاتا ہے تو دوسری صورت کو عبث اور لغو سمجھا جاتا ہے اگر ایک طرح سے مقصد حاصل ہو رہا ہو تو دوسری صورت سے مقصد پورا کرنے کے لئے توقف اور انتظار کو سفاہت اور بے وقوفی سمجھا جاتا ہے اور یہی علامت ہے امور انتظامی کی۔ **کما مر انفًا**

بخلاف قیود ذکر رسول یعنی محفل مولود بہ ہیئت کذائیہ کے کہ بقول حضرت گنگوہیؒ نہایت سے نہایت مباح، اور کسی وجہ سے موقوف علیہ کسی امر مندوب کا بھی نہیں۔ بلکہ بعض امور اس میں حرام اور مکروہ، بعض وظیفۂ ذکر رسول سے خارج، لہٰذا محفل مولود کا قیاس مدارس وغیرہ پر قیاس مع الفارق ہے۔

اسی طرح تبلیغ مروجہ میں ‘‘تبلیغ’’ ہرگز ہرگز ہیئت کذائیہ پر موقوف ومنحصر نہیں تبلیغ دوسری صورتوں سے بھی ممکن ہے، کیا چلہ کے بغیر تبلیغ ناممکن ہے؟ کیا مطلق گشت یا گشت کذائی کے بغیر تبلیغ محال ہے؟ کیا دعا بالجہر والاجتماع پر تبلیغ موقوف ہے، کیا کثرتِ ذکر، دعا بالجہر والاجتماع وظیفۂ تبلیغ سے خارج نہیں ہے؟ اور کیا ایسی تقیید وتخصیص سے تبلیغ بدعت قرار نہیں پاتی۔

عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمرؓ فقال الحمد للّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ	حضرت نافع سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر کے پاس چھینک ماری اور کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ! حضرت

فقال ابن عمرؓ وانا اقول الحمد للّٰہ والسلام علی رسول اللّٰہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للّٰہ علی کل حال (ترمذی)

ابن عمر نے فرمایا میں بھی الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہتا ہوں، لیکن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح تعلیم نہیں دی ہم کو اس موقع پر یہ تعلیم دی ہے کہ ہم بہرحال الحمد للہ کہا کریں۔

حضرات علماء فرماتے ہیں کہ السلام علی رسول اللہ منجملہ اعمال مستحبہ وفاضلہ ہے مگر مطلق ہے اور وظیفۂ عطاس سے خارج ہے، اس لئے حضرت ابن عمر نے اس کو منکر وبدعت سمجھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس چیز کا جس قدر وظیفہ شارع علیہ السلام نے بتلا دیا، اس پر وہ اپنی رائے سے وہ اضافہ بھی جائز نہیں جو اگرچہ فی نفسہ مستحب اور عمل فاضل ہے مگر اس سے خارج ہے۔

ایک شخص نے حضرت گنگوہی سے سوال کیا کہ رمضان شریف کی نماز تراویح میں مسجد کے اندر بعد ادائے چار رکعت تسبیح معمولی اور دعا کے اگر تمام مصلی متفق ہو کر بہ نیت رونق وکیفیت وشوکت اسلامی ذکر "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ" باآواز بلند کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس طرح ذکر کرنا بعد جلسۂ تراویح کے صحابہ وتابعین سے منقول نہیں۔ لہٰذا یہ ہیئت بدعت ہے، **کما قال فی الواقعات قرأۃ الفاتحۃ بعد المکتوبۃ لاجل المہمات وغیرھا مکروھۃ لانھا بدعۃ لم ینقل عن الصحابۃ والتابعین،** انتہٰی (یعنی جیسا کہ واقعات میں کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا بعد فرائض کے مہمات وغیرہ کی وجہ سے مکروہ ہے کیونکہ بدعت ہے، صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں ہوا۔

اور بحر الرائق میں روایت ہے۔ **عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ انہ سمع قوما اجتمعوا فی المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جھراً فراح الیھم فقال ماعھدنا ذلک فی عھدہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین الخ** یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو مسجد میں باآواز بلند تہلیل کرتے اور درود شریف پڑھتے سنا تو ان کی جانب گئے اور فرمایا کہ زمانہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ہم نے ایسا نہیں کیا اور میں تو تمہیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں۔

ان دونوں سندوں سے دریافت ہوا کہ اگرچہ ذکر مطلقاً جائز ہے مگر جس موقع پر کوئی طرز خاص قرون ثلاثہ میں پایا گیا ہے اس کو دوسری طرح بدلنا بدعت ہے پس ہر چند کلمہ طیبہ جہراً جائز ہے، اپنے موقع جواز پر مگر جلسۂ تراویح میں اس طرح ثبوت نہیں، تو اسطرح ثبوت نہیں تو اسطرح کرنا بدعت ہوگا، مع ہذا عوام اس کو سنت سمجھ جائیں گے، اور جس مباح کو عوام سنت جانیں وہ بدعت ہوتا ہے۔ **قال فی العالمگیریہ، مایفعل عقیب الصلوۃ مکروہ لان الجھال یعتقدونہ سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فھو مکروہ، کذا فی الزاھدی** (یعنی کہا ہے عالمگیری میں کہ جو کچھ (سنت سے زائد) کیا جاتا ہے نماز کے بعد، وہ سب مکروہ ہے، کیونکہ انجان آدمی اس کو سنت یا واجب ہونے کا اعتقاد کرنے لگتے ہیں اور (یہ قاعدہ لکھا ہے کہ) ہر مباح جو یہاں تک پہونچائے وہ مکروہ ہے۔ ایسا ہی زاہدی میں ہے) بہرحال ذکر اسطرح کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ نفس ذکر کلمہ طیبہ کا جہر سے درست،

مگر اس موقع پر کہ قرون خیر میں اس ہیئت سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ یہ محل اخفاء کا ہے لہٰذا بدعت ہوا، اور نیز اس میں فساد عقیدہ عوام کا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تذکرۃ الرشید ۱/۱۰۱)

دیگر اعمال شرعیہ مستحبہ و مستحسنہ کو چھوڑ کر صرف انھیں اعمال کو تبلیغ کے ساتھ مخصوص کر لینے کی کیا وجہ ہے، کیا اس میں ہجران باقی اور ایہام تفضیل نہیں ہے جو کہ موجب کراہت و بدعت ہے، ائمہ ہدیٰ تو عوام کو تفضیل تو تفضیل، ایہام تفضیل سے بھی بچاتے ہیں اسی بناء پر مداومت مستحب کو مکروہ فرماتے ہیں۔

رہے گشت و اجتماعات وغیرہ، جن کو اگر امور انتظامی کہا جائے، تو انتظامی امور کا قانون یہ ہے کہ نہ تو ان کو دین سمجھا جائے اور نہ ضروری، اس کو محض وسیلوں میں سے ایک وسیلہ سمجھا جائے اور وسیلہ انتظامیہ و عادیہ کا قانون اور ان کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اگر مقصود کسی دوسرے وسیلہ سے حاصل ہو جائے تو اس کو لغو سمجھا جائے، مثلاً گشت کذائی سے جو مقصود ہے وہ اگر گشت مطلق یا کسی دوسرے وسیلے سے حاصل ہو جائے تو گشت کذائی کو لغو اور عبث سمجھا جائے اور دوسرے وسائل سے حاصل ہو سکنے کی صورت میں گشت کذائی کے انتظار میں تحصیل مقصود میں توقف نہ کیا جائے، اور دوسرے وسیلہ پر گشت کو ترجیح نہ دی جائے، اور موقع تعریف میں اس کا ذکر نہ کیا جائے، جیسا کہ زید، عمرو، دونوں نے تلاوت قرآن کیا لیکن عمرو نے بوجہ ضعف بینائی عینک لگا کر تلاوت کی، تو عمرو اور عمرو کی تلاوت کو ہرگز زید پر فضیلت نہیں، اگر کوئی کہے کہ سبحان اللہ عمرو نے عینک لگا کر تلاوت قرآن کیا تو یہ تعریف غلط ہوگی، اگر عمرو نے اس پر فخر کیا، اپنی تلاوت کو زید کی تلاوت سے افضل سمجھا تو بدعت کا حکم لگ جائے گا، یا عمرو نے نہیں سمجھا لیکن عوام اور انجان لوگ ایسا سمجھتے ہیں تو بھی بدعت ہو جائے گا، یا زید و عمرو دونوں نے وضو کیا، لیکن زید نے رسی اور ڈول سے پانی کھینچ کر وضو کیا اور عمرو نے

دریا یا نہر کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا تو دونوں یکساں ہیں، اگر ایک وسیلہ کو دوسرے وسیلہ پر ترجیح دی گئی تو یہ بدعت ہے، اس امر کو امر انتظامی سے نکال کر امر دینی قرار دیدیا گیا، یہ تغییر شرع ہے جو کہ بدعت ہے۔

مگر گشت کذائی کے ساتھ امر انتظامی کا سا معاملہ نہیں ہے تاکد و اصرار، تداعی و اہتمام، التزام مالا یلزم سب ہی کچھ ہے جس سے اس کا امر انتظامی نہ سمجھا جانا اور بدعت ہونا بالکل ظاہر ہے۔

الغرض مدرسہ اور تبلیغ مروجہ کے درمیان فرق بین ہے، تبلیغ مروجہ ہرگز مدرسہ کی نظیر نہیں، لہٰذا حمل النظیر علی النظیر ممکن نہیں، پس تبلیغ مروجہ کو مدرسہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ قیاس کی تقدیر پر تھا، اگر کوئی تبلیغ مروجہ کو مدرسہ پر قیاس کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ اول تبلیغ مروجہ کو بالتفصیل والتوضیح مدرسہ کا نظیر ہونا ثابت کرے، ساتھ ہی ساتھ محفل مولد مروجہ اور فاتحہ مرسومہ وغیرہ اور تبلیغ مروجہ میں فرق بھی ثابت کرے ودونہ خرط القتاد۔ ورنہ اکابر اسلاف رحمہم اللہ کی تحقیقات کی تغلیط و تردید اور ان سے دست بردار ہونے کیلئے تیار رہے۔

تبلیغ مروجہ متعینہ کے جواز و عدم جواز کا حکم کسی مقید و متعین بقیود و تعینات زائدہ وغیرہ زائدہ پر قیاس کر کے تھوڑا ہی ہے بلکہ قانون فقہی کلی شرعی کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ تبلیغ شریعت مقدسہ کا ایک مطلق حکم ہے اور شرعی قانون اس کا یہ ہے کہ المطلق یجری علی اطلاقہ۔ لہٰذا اس میں بدون اجازت شرع اپنی رائے سے کوئی قید و تخصیص فعلی ہو یا ترکی بدعت ہوگی۔

جیسا کہ مولف انوار ساطعہ نے جب صحابی رسول کے نماز میں سورۂ اخلاص کی

تخصیص پر قیاس کرکے ایصال ثواب وغیرہ میں تخصیصات کا جائز ہونا بیان کیا تو۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے براہین قاطعہ ص ۱۱۵۔ پر جو مفصل جواب ارشاد فرمایا وہ اوپر مذکور ہو چکا ہے، اس کا ایک جزو بقدر ضرورت یہاں نقل کر دینا مناسب ہے۔

> مقید کرنا کسی مطلق کا شرعاً بدعت اور مکروہ ہے جیسے کہ فقہاء نے اس قاعدہ کے سبب لکھا ہے کہ کسی نماز میں کسی سورت کو موقت نہ کرے، اگر ایسا کرے گا تو مکروہ و بدعت ہوگا، پس جب صلوۃ میں حسب اس قاعدہ کے تعیین سورت مکروہ ہوا، ایصال ثواب (ہکذا تبلیغ میں بھی) حسب اس قاعدہ کے تعیین وقت اور ہیئت کی بدعت ہوگی، خلاصہ دلیل مانعین کا یہ تھا جس کو مولف نے اپنے حوصلہ کے موافق نقل کیا، اب چونکہ مولف نے اس مسئلہ تعیین سورت میں اپنے حوصلۂ علم کو ظاہر کیا ہے تو سنو!
>
> ہدایہ میں لکھا ہے۔ یکرہ ان یوقت بشئی من القرآن بشئی من الصلوۃ لان فیہ ہجران الباقی وایہام التفضیل۔ سو یہ جزئیہ ایک کلیہ کا ہے اس میں تمام عبادات، عادات مطلقہ کا شارعؑ نے ممنوع کر دیا، ایک جزئی اس کی تعیین سورت بھی ہے، جیسا اوپر سے واضح ہولیا، تو مولف اس جزئیہ کو مقیس علیہ سوئم کے مسئلہ کو مقیس بمحض رائے سمجھ گیا کیا فہم ہے؟ نہیں جانتا کہ جب کلی امر کا ارشاد ہوا تو اس کے جملہ جزئیات محکوم ہوگئے، گویا ہر ہر فرد کا نام لے دیا، اور جب یا ایہا الناس فرمایا تو زید، عمرو، عبدالسمیع سب کو نام بنام حکم ہوگیا، کسی جزئی کو مقیس نہیں کہہ سکتے۔ ای طرح جب تقیید اطلاق کو منع کر دیا تو سب جزئیات اس کی خواہ تعیین سورت ہو خواہ تعیین روز سوم ہو خواہ تعیین بخود (خواہ تعیینات تبلیغ ہوں) سب ممنوع بالنص الکلی ہوگئے، مانعین بدعت کا کلام قیاس نہیں ... مولف کو عقل نہیں کہ کلیہ

کو اور قیاس کو امتیاز کر سکے، بسبب تطویل کے فرق دونوں کا یہاں نہیں لکھا کتب اصول میں جو چاہے دیکھ لے۔"

اور حضرت مولانا شہید ایضا الحق الصریح ص: ۲۲۔ پر فرماتے ہیں

حکمے کہ بقیاس فاسد مستنبط باشد از قبیل بدعات است، اگرچہ صاحب آں معذور باشد، نہ ازقبیل سنت حکمیہ زیراچہ انچہ قائس نظیر حکم خود فہمیدہ برآں قیاس کردہ است فی الحقیقت نظیر او نیست، پس در نفس الامر محدث باشد وقتیکہ حکم مذکور را ازاحکام شرعیہ شمردہ شد پس محدث در امر دین باشد وہمیں است معنی بدعت

جو حکم کہ قیاسِ فاسد سے نکالا گیا ہے وہ بدعات کی قبیل سے ہے اگرچہ اس کا نکالنے والا معذور ہو وہ سنت حکمیہ کی قبیل سے نہیں ہے اس لئے کہ جو کچھ قائس نے حکم کی نظیر سمجھ کر اس پر قیاس کیا ہے فی الحقیقت وہ اس کی نظیر ہی نہیں ہے۔ بس نفس الامر میں وہ محدث (بدعت) ہوگی، اور جب کہ حکم مذکور احکام شرعیہ میں سے سمجھا جائیگا اور شمار کیا جائے گا تو وہ امر دین میں محدث ہوگا۔ اور بدعت کے یہی معنی ہیں۔

آگے فرماتے ہیں

وشرط ثانی آنست کہ قائس از مجتہدین باشد نہ از مقلدین، ووجہش آنکہ ہرچند وجود نظیر شے در حکم وجود نفس آں شے است اما ادراک آں کہ فلاں چیز نظیر فلاں چیز است پس موقوف است بر فطانت بالغہ، زیراکہ مراد ازنظیر در مانحن فیہ مشارک اوست

دوسری شرط یہ ہے کہ قائس مجتہدین میں سے ہو، مقلدین میں سے نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ کسی شے کی نظیر کا وجود نص میں حکم میں اسی شے کے وجود کے ہے، لیکن اس بات کا ادراک کہ فلاں چیز فلاں چیز کی نظیر ہے، یہ فطانت بالغہ یعنی کامل عقل وفہم پر موقوف ہے، اس لئے کہ ہماری اس گفتگو میں مراد نظیر سے علت حکم میں مشابہ ہونا ہے،

در علت حکم نہ مشابہ در اوصاف باقیہ وملکۂ تمیز علت از سائر اوصاف عمدہ ارکان اجتہاد است چہ بسا می باشد کہ شخصے چیزے را نظیر چیز دیگر بسبب کمال مشابہت قرار دادہ حکم اصل را بر فرع جاری می نماید، حالاں کہ فی الحقیقت چیز مذکور نظیر او نیست بنا بر عدم مشارکت درعت حکم، پس اجرائے حکم برآں چیز فی الحقیقت از قبیل محدثات است، اگرچہ شخص مذکور آں را از قبیل سنت حکمیہ می شماد

باقی اوصاف میں مشابہ ہونا مراد نہیں ہے، اور تمام اوصاف میں سے علت کی تمیز اور معرفت جس پر حکم کی بنا ہے، عمدہ ارکان اجتہاد ہے، اسلئے کہ بسا اوقات ایک شخص ایک چیز کو دوسری چیز کی نظیر بہ سبب کمال مشابہت کے قرار دے کر اصل کا حکم فرع پر جاری کر دیتا ہے حالانکہ چیز مذکور اس کی نظیر نہیں ہوتی، بوجہ شریک نہ ہونے کے علت حکم میں پس اس چیز پر حکم جاری کرنا درحقیقت از قبیل محدثات ہے اگرچہ شخص مذکور اس کو از قبیلِ سنت حکمیہ شمار کرتا ہے

فائدہ:۔ بطور جملہ معترضہ افادۃً للناظرین وتبصرۃً لقارئین قیود و وسائل امور دینیہ مامور بہا کا قانون درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جسکے سمجھ لینے سے بہت سی الجھنیں دور اور مغالطات کافور ہو جانے اور کلام علماء کا سمجھنا سہل ہو جاتا ہے۔

وہ یہ کہ وسائل وقیود امور دینیہ دو قسم کے ہیں۔

اول: یہ کہ وہ وسیلہ اور قید خود مستقل بالذات از جنس ممدوحات شرعیہ یعنی امر دینی ہو، جیسے وضو کہ نماز کا وسیلہ بھی ہے اور خود ایک مستقل امر دین ہے محامد شرعیہ میں سے ہے اور جیسے تلاوت قرآن کہ وسیلہ تدبر ہے اور خود بھی ایک عبادت عظمٰی ہے۔

دوم:۔ وہ وسیلہ وقید خود تو عبادات کی جنس سے نہ ہو لیکن بنا بر نیت توسل بعبادت بالعرض طاعت ہو جاتا ہے، جیسے چلنا فی نفسہٖ مباح ہے نہ ثواب ہے، نہ معصیت لیکن مثلاً بہ نیت استماع وعظ چلنا طاعت ہے بالعرض، اور مثلاً بہ نیت ارتکاب حرام چلنا معصیت ہے، قاعدۂ شرعی یہ ہے کہ اگر علماً یا عملاً دوم کو اول قرار دیا جائے گا یعنی دین سمجھا جائے گا تو بدعت حقیقیہ اصلیہ ہو جائے گا۔

اب امور مباحہ کو وسیلہ بنانے کی بھی دو حیثیتیں ہیں۔

اول یہ کہ امر مباح وسیلہ بنایا جائے کمال اور حسن امر شرعی کا کہ بغیر اس وسیلہ اور قید کے دینی کام میں حسن وکمال نہیں پیدا ہو سکتا مثلاً غسل، تجدید لباس وتعطر برائے نماز جمعہ وعیدین، کہ یہ وسائل فی نفسہ مباح ہیں، لیکن مکمل نماز جمعہ وعیدین ہیں، یا جیسے تسویہ صفوف برائے جماعت، تحسین صوت برائے تلاوت کہ یہ سب عبادات مقصودہ کیلئے باعث تکمیل ہیں، نظر شارع میں ان وسائل کا فقدان باعث نقصان حسن مقاصد ہوتا ہے، ان وسائل کو مکملات امور شرعیہ اور متممات مقامات احسانی کہا جاتا ہے، اگر ان کو بجائے مکملات اور متممات کے مستقل امر دین سمجھ تو بدعت ہو جائیگا۔

دوم:۔ یہ کہ وہ وسیلہ وقید باعث تکمیل امر دین نہ ہو، یعنی وہ وسیلہ مکمل امر شرعی نہ ہو، اور اس وسیلہ کا فقدان کسی طرح کمال وحسن مقاصد کے نقصان کا باعث نہ ہو جیسے بوجہ ضعف بینائی عینک لگا کر تلاوت قرآن کرنا، رسی ڈول سے پانی کھینچ کر وضو کرنا، اور انھیں وسائل کو امور انتظامیہ وعادیہ کہا جاتا ہے۔

اس کا قاعدہ شرعی یہ ہے کہ علماً وعملاً اگر دوم کو اول قرار دیا جائے گا یعنی مکملات ومتممات شرعی میں سے سمجھا جائے گا، تو بدعت حقیقیہ وصفیہ ہو جائے گا۔

مزید تفصیل کا شوق ہو تو "ایضاح الحق الصریح" کا مطالعہ کیا جائے۔

قدتمت الفائدہ

بالجملہ یہ سب گفتگو تو اس تقدیر پر تھی کہ تبلیغ مروجہ کو مدرسہ پر قیاس صحیح ہے یا نہیں، سو اول تو قیاس کا محل نہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، لیکن اگر قیاس کر کے

مدرسہ کے حکم میں شریک کیا گیا تو یہ قیاس صحیح نہیں بلکہ فاسد ہے اور حکمیکہ بقیاس فاسد مستنبط باشد از قبیل بدعات است، سو ایک بدعت کا اور اضافہ ہوا، بہر حال یہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ مدرسہ محل قیاس اور محدث ہے، حالانکہ مدرسہ نہ محل قیاس ہے اور نہ محدث، بلکہ اس کی اصل زمن خیریت نشان میں ثابت ہے سرے سے وہ محدث اور بدعت ہی نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفا مقصد اول میں جہاں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت میں درباب نشر علوم توسط خلفا کی کیفیت بیان فرمائی ہے، لکھا ہے کہ

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ نہی متناول است جہاد را زیرا کہ اشد منکر کفر است واشد نہی قتال ومتناول است اقامت حدود را ورفع مظالم را وامر بمعروف متناول است احیاء علوم دینیہ را

اگر ان لوگوں کو ہم زمین میں حکومت دے دیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے، اور زکوٰۃ دیں گے، امر بالمعروف کریں گے اور نہی عن المنکر کریں گے، نہی عن المنکر شامل ہے جہاد کو، کیونکہ (نہی عن المنکر گناہوں سے روکنے کو کہتے ہیں) اور سب گناہوں سے زیادہ سخت کفر ہے اور گناہوں سے روکنے کا سب سے سخت طریقہ جہاد ہے اور (نیز نہی عن المنکر) شامل ہے، اقامت حدود کو، اور رفع مظالم کو، اور امر بالمعروف شامل ہے احیائے علوم دینیہ کو

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

واقوی وجوہ افضلیتِ (خلفا) واسطہ بودن است درمیان پیغمبر وامت او ودر ترویج علوم از قرآن وسنت وایں معنی در حضرات شیخین آشکارا است

یعنی حضرات خلفاء کی افضلیت کی زیادہ قوی وجہ پیغمبر کے اور امت کے درمیان علوم دینیہ یعنی قرآن وحدیث کی ترویج کا واسطہ بننا ہے اور یہ بات حضرات شیخین میں خوب ظاہر ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں

واجب است برخیفہ نگاہ داشتن دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم برصفتے کہ بسنت مستفیضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت شدہ واجماع سلف برآں منعقد گشتہ بانکار بر مخالف

واجب ہے خلیفہ پر دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح محفوظ رکھنا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مستفیضہ سے ثابت ہو اور سلف صالحین کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہو اسی کے ساتھ مخالف پر انکار کرنا

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

(واجب است کہ) احیائے علوم دین کند بنفس خود قدرے کہ میسر شود ومقرر سازد مدرسین را در بلدے چنانچہ کہ حضرت عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ را با جماعت در کوفہ نشاند ومعقل بن یسار وعبداللہ بن معقل را بہ بصرہ فرستاد

نیز خلیفہ پر واجب ہے کہ (جس قدر ہو سکے) بذات خود علوم دینیہ کو زندہ رکھے اور ہر شہر میں مدرسین مقرر کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود کو (صحابہ کی) ایک جماعت کیساتھ کوفہ میں (علم دین تعلیم کرنے کیلئے) مقرر کیا اور معقل بن یسار اور عبداللہ بن معقل کو بصرہ میں علوم دینیہ سکھانے کیلئے بھیجا۔

اور فرماتے ہیں

حق سبحانہ وتعالیٰ وعدہ فرمود کہ قرآن را علی مر الدھور حفظ فرماید قال تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ باز در آیہ دیگر صورت حفظ بیان فرمود اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ پس وعدۂ حق تعالیٰ حق است وحفظ لابد بودنی، لیکن حفظ او سبحانہ تعالیٰ در خارج بصفت حفظ بنی آدم اشیائے خود را یا مانند نقش بر حجر مثلاً ظاہر نہ شود، بلکہ صفت ظہور حفظ الٰہی در خارج آنست کہ الہام فرمودہ در قلوب صالحین از امت مرحومہ کہ بسعی ہر چہ تمامتر تدوین آں کنند بین اللوحین وجمیع مسلمین مجتمع شوند بر یک نسخہ وہمیشہ جماعات عظیمہ از قرا خصوصاً وسائر مسلمین عموماً بقرأت ومدار است آں مشغول باشند تا سلسلہ

حق سبحانہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قرآن کی ہمیشہ ہمیش حفاظت فرمائیں گے چنانچہ فرمایا وَانَّا لَهٗ لَحافِظُوْنَ (یعنی اور بیشک ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اور دوسری آیت میں اس حفاظت کی صورت بھی بیان فرمادی کہ ان علینا جمعہ وقرانہ (اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے) پس خدائے تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور حفاظت قرآن کی ضرور ہونی ہے، مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کی حفاظت کی صورت خارج میں ایسی نہیں ہوتی، جیسی بنی آدم اپنی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں، یا مثلاً اس طرح کہ پتھر میں نقش کردیا جائے بلکہ حفاظت الٰہی کی صورت خارج میں یہ ہے کہ اس نے امت مرحومہ کے نیک بندوں کے دل میں الہام فرمایا کہ وہ اپنی تمامتر کوشش سے اس کو دو دفتیوں کے درمیان میں جمع کریں، اور اس بات کے سامان پیدا فرمادیئے کہ تمام مسلمان ایک ہی نسخہ پر متفق ہوجائیں اور اس بات کی توفیق دی کہ بڑی بڑی جماعتیں قاریوں کی خصوصاً اور تمام مسلمانوں کی عموماً اس کے

تواتر از ہم گسیختہ نگردد بلکہ یوماً فیوماً متضاعف شود وہمیشہ جماعات دیگر در تفسیر وشرح غریب وبیان اسباب نزول آں سعی بلیغ بجا آرند تا در ہر زمانے جماعہ قیام کنند بامر تفسیر صورت حفظ ہمیں را معین فرمودند نہ نقش بر حجر

پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہیں۔ تا کہ سلسلہ تواتر کا ٹوٹنے نہ پائے بلکہ روز بروز بڑھتا جائے اور اس بات کی توفیق دی کہ ہمیشہ کچھ جماعتیں اس کی تفسیر اور حل لغات اور بیان اسباب نزول میں اعلیٰ درجہ کیکوشش کرتی رہیں، تاکہ ہر زمانہ میں کچھ لوگ تفسیر کی خدمت کرتے رہیں۔ (کار پردازان قضا وقدر نے) حفاظت کی یہی صورت تجویز کی نہ مثل اس کے کہ پتھر پر کوئی کندہ کردیا جائے۔

اور فرماتے ہیں کہ

باید دانست کہ جمع کردن شیخین قرآن عظیم را در مصاحف سبیل حفظ آں شد کہ خدائے تعالیٰ بر خود لازم ساختہ بود ووعدۂ آں فرمود وفی الحقیقت ایں جمع فعل حق است وانجاز وعدۂ اوست، کہ بر دست شیخین ظہور یافت وایں یکے از لوازم خلافت خاصہ است۔

جاننا چاہئے کہ شیخین کا قرآن عظیم کو مصاحف میں جمع کرنا قرآن کی اس حفاظت کا ذریعہ بنا جسکو خدائے تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم کیا تھا اور جس کا وعدہ فرمایا تھا۔ پس درحقیقت یہ جمع کرنا خدا کا کام تھا اور اسی کے وعدہ کا انجاز تھا، جو شیخین کے ہاتھوں سے ظاہر ہوا، (لہٰذا شیخین جارحۂ الٰہی ہوئے) اور یہ بات یعنی جارحۂ الٰہی ہونا خلافت خاصہ کے لوازم سے ہے۔

اور فرماتے ہیں

چوں آیت قرآن متشابہ اند، بعض آں مصدق بعض است وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبین قرآن عظیم است، حفظ قرآن کہ موعود حق است بایں صورت ظاہر

شد کہ جمع آں در مصاحف کنند و مسلمانان توفیق تلاوت آں شرقاً و غرباً لیلاً و نہاراً یابند و ہمیں است معنی لاتغسلہ الماء، باز جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ یعنی ایراد فرمودن و در وعدِ بیان کلمۂ ثُمّ کہ برائے تراخی ذکر نمودن می فہمانند کہ در وقت جمع قرآن در مصاحف اشتغال بتلاوت آں شائع شد و تفسیر آں من بعد ظہور آمد و در خارج ہم چنیں محقق شد۔

ترجمہ یعنی چونکہ آیات قرآنیہ متشابہ ہیں (یعنی اک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں) اور ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن عظیم کے حقیقی مبین اور مفسر ہیں (لہٰذا احادیث سے بھی تفسیر میں مدد لینی چاہئے) اور احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حفاظت قرآن جس کا وعدہ حق تعالیٰ نے کیا ہے اس طرح سے ظاہر ہوگی کہ لوگ اس کو مصاحف میں جمع کریں۔ اور تمام مسلمان کیا اہل مشرق کیا اہل مغرب رات دن اس کی تلاوت کی توفیق پائیں، چنانچہ حدیث لاتغسلہ الماء سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے۔

اور فصل چہارم احادیث خلافت میں حدیث **لاتنقطع الهجرة حتی تنقطع التوبة الحدیث** میں فرماتے ہیں۔

ومعنی دیگر انتقال از وطن خود برائے طلب فضیلت دینیہ از طلب علم و زیارت صالحین و فرار از فتن و ایں نیز از رغائب معنی است، ہر چند بہ نسبت معنی اول مفضول است۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

و ایں معنی تا قیامت منقرض نیست

ترجمہ اور دوسرے معنی ہجرت کے یہ ہیں کہ (مسلمان) اپنے وطن سے دینی فضائل حاصل کرنے کیلئے مثلاً طلب علم کیلئے یا بزرگوں کی زیارت کیلئے یا فتنوں

سے محفوظ رہنے کیلئے (کسی مقام) چلا جائے ہجرت کی یہ قسم بھی نہایت عمدہ ہے، گو باعتبار قسم اول کے کم رتبہ کی ہے۔ (ترجمہ شعر) آسمان عرش سے نیچا ہے مگر خاک کے ٹیلے کے سامنے پھر بھی نہایت بلند ہے، ہجرت کی یہ قسم ختم نہیں ہوئی۔ (نہ ہوگی)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں

قسم سوم افعالے کہ بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بظہور آید از قبیل تتمیم افعال جناب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام مثل برہم زدن ملت کسریٰ و قیصر و فتح بلدان و نشر علم و مانند آں

یعنی تیسری قسم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس (خلیفہ) سے وہ افعال صادر ہوں جو جناب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال کا تتمہ ہو، اور جو وعدے (منجانب اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئے تھے۔ وہ وعدے ان افعال سے پورے ہوں، مثلاً ملت کسریٰ و قیصر کے برہم کر دینے اور ممالک کے فتح ہو جانے کا اور علم دین کے شائع ہونے کا اور اسی کے مثل دوسری چیزوں کا وعدہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ یہ وعدے اس خلیفہ کے ہاتھ سے پورے ہوں، چنانچہ ہوئے)

اور مقصد ششم جلد دوم میں فرماتے ہیں

باز توسط بانواع بسیار می باشد بروایت کردن از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، و بنصب علماء در ہر شہرے تا روایت حدیث کنند و ترغیب قوم بر آں و تہیہ امورے کہ بآں گرفتن علم سہل گردد مثل بنائے مدارس و تعہد حال

یعنی پھر (صحابہ کرام) کے توسط کے طریقہ بکثرت ہیں، مثلاً قرآن و حدیث کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنا، ہر شہر اور ہر قریہ میں تعلیم حدیث

وقرآن اور قوم کو اس کی ترغیب وتحریص دینا، مدرسے بنانا، طلبہ کے حال کی نگرانی کرنا وغیرہ وغیرہ جمیع امور جو اشاعت اسلام سے تعلق رکھتے ہوں۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل الشہید نور اللہ مرقدہ ایضاح الحق الصریح ص ۵۸ پر فرماتے ہیں

> جمع قرآن وترتیب سور ونماز تراویح بہیئت مخصوصہ واذان اول برائے نماز جمعہ واعراب قرآن مجید ومناظرہ اہل بدعت بدلائل تقلید وتصنیف کتب حدیث وتجمیع قواعد نحو وتنقید رواۃ حدیث واشتغال باستنباط احکام فقہیہ بقدر حاجت ہمہ از قبیل ملحق بہ سنت است کہ در قرون مشہود لہا بالخیر مروج گردیدہ وبآں تعامل بلانکیر در آں قرون جاری شدہ چنانچہ بر مہرۂ فن تاریخ پوشیدہ نیست آرے ہر شے را از اشیاء ممدوحہ وشرعیہ مرتبہ است از مراتب مہمہ واہمیت وشرافت واشرفیت وحسن احسنیت کہ از تغیر آں مرتبہ بدعت لازم می آید قَدْجَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا

یعنی قرآن شریف کا جمع کرنا اور اس کی سورتوں کو موجودہ ترتیب کے ساتھ معین کرنا اور نماز تراویح اس خاص ہیئت کے ساتھ قائم کرنا اور نماز جمعہ کے واسطے پہلی اذان، اور اعراب قرآن مجید اور دلائل تقلیہ سے اہل بدعت سے مناظرہ اور کتب حدیث کی تصنیف ایسے ہی علم نحو کے قواعد اور تنقید رواۃ حدیث اور احکام فقہیہ کے استنباط میں مشغول ہونا بقدر حاجت یہ سب ملحق بالسنّت ہیں، یعنی سنت ہیں، اس لئے کہ قرون مشہود لہا بالخیر (زمانہ صحابہ، تابعین تبع تابعین) میں رواج پاکر شائع ہوئے ہیں، اور اس کے ساتھ تعامل بلانکیر اس زمانہ میں جاری رہا ہے چنانچہ ماہرین تاریخ سے یہ پوشیدہ نہیں ہے، ہاں البتہ اشیائے ممدوحہ شرعیہ میں سے ہر شئی کیلئے اہمیت ومہمیت، شرافت اور اشرفیت اور حسن

واحسنیت کے مرتبوں سے ایک مرتبہ اور درجہ ہے، ان مرتبوں اور درجوں کے بدل جانے یا بدل دینے سے بدعت لازم آتی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے واسطے ایک اندازہ اور درجہ مقرر فرما دیا ہے۔" گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

مولف انوار ساطعہ مولوی عبدالسمیع رامپوری نے اپنی کتاب انوار ساطعہ میں مدارس دینیہ کے طرز اور زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں طرز کا فرق، یعنی اس وقت استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اور اس زمانے میں اس کے برعکس ہونا، محکم بنا کے ساتھ مدرسہ کی تعمیر تعلیم پر اجرت لینا، صرف ونحو کی حدیں مقرر کرنا، منطق، فلسفہ، ہیئت کا داخل ہونا تحصیل چندہ، نمائش چندہ اور طباعت روئداد وغیرہ ذکر کرکے کہا کہ"

بیشک مدرسہ تعلیم علم دین کا اس ہیئت کذائی اور ہیئت مجموعی کے ساتھ ہرگز قرون ثلاثہ میں پایا نہیں گیا، لیکن بایں ہمہ جائز رکھتے ہیں، اس کو فقط اس بات پر نظر کرکے کہ گویا یہ عوارض اور لوازم سلف سے نہیں لیکن اصل تعلیم دین تو ثابت ہے، ان عوارض سے اس کی اصلیت باطل نہیں ہوتی، اور نہیں کہتے کہ یہ تعلیم جو اس ہیئت کذائی سے ہے، یہ بدعت وضلالت ہے، علیٰ ہذا القیاس عارض ہونے اس ہیئت کذائی سے محفل مولد شریف بھی سنت ہونے سے خارج نہیں ہوسکتی اور بدعت وضلالت ہونا اس کا لغو اور باطل ٹھہرا۔

تو اس کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ ص:۱۷۸۔ میں یوں دیا کہ

> مولف نے جو مثال امر لاحق کی دی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مولود میں (ہکذا تبلیغ مروجہ میں) جو امور لاحق ہوتے ہیں، یا خود مکروہ ہیں، یا لحوق وتغیر کے سبب مکروہ ہوگئے ہیں مگر بہر حال ایک امر زائد علی اصل ذکر ہکذا علی اصل تبلیغ

ہے اور اس مثال میں کوئی امر زائد تعلیم پر نہیں

پھر حضرت نے تعلیم کے دونوں طرز یعنی استاد کا پڑھنا اور شاگرد کا سننا اور اس کے برعکس کو سنت ثابت کرنے کے بعد فرمایا کہ

بہرحال مدارس ہندوستان کا طرز تعلیم حدیث کا خلاف زمان فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم وقرون سابقہ کے ہونا بالکل غلط ہے۔

دوسری مثال تعمیر مدارس کی۔ یہ بھی کم فہمی ہے۔ صفہ کہ جس پر اصحاب صفہ طالب علم دین وفقراء مہاجرین رہتے تھے، مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہذا سنت وہی ہے، ہاں تبدل مکان اور ہیئت کی ہوگئی ہے، سو مکان کی ہیئت مطلق ہے جس ہیئت پر مناسب وقت ہو بنانا جائز ہے المطلق یجری علی اطلاقہ۔ ہاں تشبہ کفار وغیرہ امور ممنوعہ عارض نہ ہوویں پس بناء محکم کہ خود امر جائز اور ضروری ہے کہ بار بار اس کا بنانا مشکل ہے پس کسی وجہ سے یہ مثال صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ عین سنت ہے، اور تغیر صورت کا جو ہے سو وہ باطلاق نص ثابت ہے خلاف امور لاحقہ ذکر مولود کے کہ وہ بالکل شے دیگر ہے متبائن۔

باقی استحکام مدرسہ میں ایسا کلمہ شاعری کا وہ ایمان مولف کا ہے کہ اس کی ہی زبان کو لائق ہے اور زمان فخر عالم میں عامل کو عمالہ ملتا تھا، والعاملین علیہا۔ سو وہی امر دینی پر لینا اب بھی ہے کوئی امر زائد نہیں، ہاں تغیر وصف ہوا ہے کہ اس وقت بطور رزق وکفایہ کے تھا اور رزق قضاۃ وولاۃ وغیرہ سب یہی قسم ہے اب بطور اجرت ٹھہر گیا اسی واسطے امام شافعی اجرت تعلیم کو جائز فرماتے ہیں، پس یہاں بھی کوئی امر زائد لاحق نہیں ہوا، تغیر وصف ہی ہے اور بضرورت ضروریہ اختیار ہوا ہے پس مثال مولف کی باطل ہے۔

اور صرف ونحو ومعانی وادب یہ سب باشارۃ النص سنت ہیں فرمایا علیہ السلام نے

علیکم بدیوان العرب جب آپ نے عرب کے اصل محاورات کو جاننا لازم کیا تو یہ فنون اس کو لازم ہیں یہ بھی کوئی ایجاد اور اپنی طرف سے زیادت نہیں، بلکہ حکم فخر عالم کا ہی ہے، مگر ذکر مولود میں کہیں حکم فرش مکلف اور شیرینی کے انتظام کا نہیں فرمایا۔ البتہ التزام کو مکروہ فرمایا ہے اطلاقات نصوص میں۔

اور علوم فلسفہ بوجہ مناظرہ کے اور رفع تشکیکات عقائد فلسفہ کے داخل ہوئے تھے کہ روافض ومعتزلہ حکما کے اصول سے متمسک ہوئے اور خلل دین میں آیا، اس کا رفع الزامی جواب سے اس کے ممکن نہ تھا سو یہ بھی بارشاد فخر عالم کے تھا۔ بقولہ جاہدوہم بایدیکم والسنتکم الحدیث۔ البتہ بلا حاجت اب اس کا پڑھنا حرام ہے، اور ہیئت وہندسہ حاجت دینیہ میں معین ہیں، حساب پر علم فرائض مبنی ہے اور ہیئت سے اوقات صلوٰۃ وغیرہ محقق ہوجاتے ہیں گو ضروری نہیں، (اگر ان کو دین اور ضروری نہ سمجھا جائے تو بدعت کا سوال نہیں پیدا ہوتا) غرض یہ سب اعتراضات مولف کے اور ان اشیاء کو امور عارض زائد غیر مامور بالحاق اس کا کہنا محض جہل دینیات سے ہے۔

اور چندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لیا ہے، غزوہ تبوک میں مثلاً ترغیب بار بار فرمائی۔ اور جب حضرت عثمانؓ نے چھ سو اونٹ دیئے تو مجمع عام میں مدح حضرت عثمان کرتے تھے، **ماعمل عثمان بعد هذا روه الترمذی ماضی عثمان ماعمل بعد الیوم مرتین**، رواہ احمد۔ سو جہاد وتعلیم دونوں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے موضوع ہیں، اس میں عندالحاجت چندہ لینا اور رغبت دلانا اور اظہار اس کا کرکے تحریض کرنا عین سنت ثابت بالحدیث ہے، اور صدقہ باخفا کو اب بھی کوئی منع نہیں کرتا، اور یہ حکم معطی کو ہے کہ باخفاء دیوے مگر آخذ کو اس کے اخفا کا حکم نہ معلوم مولف نے کس آیت اور حدیث میں پڑھا ہے

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ ہے ومن کتم فقد کفر، پس مولف کہ در پردہ یہ سب مطاعن حدیث پر کرتے ہیں۔ اور پھر فہم مولف کا دیکھو کہ صدقہ نفل کے اخفا کا حکم افضلیت کا ہے نہ وجوب کا اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ. پس اس کے اظہار کو موجب ملامت جاننا یا امر زائد جاننا ایک سخت جہل ہے کیونکہ وہ تو ایک مامور بہ ہے دوسرے اخفا افضل معطی کو ہے نہ آخذ کو چنانچہ معلوم ہوا۔

تیسرے یہ حکم صدقہ کا ہے اب بھی اگر کوئی طالب علم کو صدقہ کرجاتا ہے کسی کیفیت میں طبع نہیں ہوتا، مگر جو مجمع میں طلبہ کو دیتے ہیں وہ حسب رغبت معطی کے طبع ہوتا ہے کتب چندہ میں، اور چندہ صدقہ تو ہوتا نہیں، وہ تو مہتمم کو کہ متولی اور قیم ہے امانت دیتے ہیں کہ بموقع معلوم خرچ کرے یہ وکیل معطی کا ہے پس کیفیت میں وہ حساب لکھا جاتا ہے فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمال سے محاسبہ کرتے تھے یہ وہ امر ہے کہ خود شارع علیہ السلام نے کیا اور نیز باعث رفع تہمت کا ہے کہ سب کو حساب معلوم ہو جاوے، مہتمم پر تہمت نہ رکھیں اور رغبت دلاتا ہے کہ تمہاری امداد سے یہ نفع ہوا، اور یہ سب احادیث صحاح میں صراحۃ مذکور ہیں، افسوس کہ مولف کو اس قدر بھی علم نہیں اگر مشکوۃ کو بھی تمام دیکھ کر سمجھ لیتا تو کفایت کرتا مگر ہاں اس کے سینہ تابوت کینہ میں جو بغض مدارس دینیہ کا ہے یہ کلمات بے معنی وہ کہلا رہا ہے اور فرط جہل مزید برآں۔

اور درست ہے کہ مدارس سے شیطان کو سخت غیظ ہے افسوس کہ مولف نے سارے شکوک اس کے بیان نہیں کئے، اس کے سینہ میں خراش رہ گئی، اور ہم کو بھی اس کلام فضول پر یہ تحریر اجمالی اس واسطے لکھنی پڑی کہ مولف کا غیظ دوبالا ہو جائے کہ یہ امور سنت نکل آئے۔

مدارس اور اس کے مخالفین کا حال اس آیت سے خوب نکلتا ہے کزرع اخرج شطاہ الآیۃ۔ پس کیا ظاہر تفسیر کروں، بیشک تھوڑے علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں، قرون ثلاثہ میں موجود تھے۔ صراحۃً و دلالۃً اور علم فرض عین دین کا ہے اور تعلیم بھی فرض ہے اور اس کی تحصیل میں شارع کی وہ کچھ تاکیدات ہیں کہ کسی ادنی پر بھی مخفی نہیں اور جس ذریعہ مشروعہ سے بھی ممکن ہو اس کا کرنا فرض ہے، اگر اس میں کچھ زیادت بھی حسب زمانہ کی جاوے سنت اور مطلوب فی الدین اور مامور من اللہ تعالیٰ کا ہوگا۔ اور یہ قیود ملحقہ مولود کی (ہٰذا تبلیغ مروجہ کی) ہرگز اس باب سے نہیں، یہ محفل کچھ ضروری نہیں (اسی طرح یہ ہیئت کذائی تبلیغ کچھ ضروری نہیں) اگر ضروری ہوتی یا شعار دین ہوتا چھ سو سال (مولود مروجہ سے اور چودہ سو سال تبلیغ مروجہ سے) کیونکر اس سے خالی رہتے، اور اب بھی کوئی ترقی دین کی اس سے نہیں، ہاں تنزل ہے کہ طرح طرح کی بدعات کا ایجاد اور عبادات و فرائض کی سستی اور بے رغبتی کا باعث ہے، مولودیوں (اور تبلیغیوں) کے عقیدہ میں نجات کو یہی عمل کافی ہے، مولف اعمیٰ اگر حق سے اعمیٰ ہو جائے تو اس کا کیا علاج یہ سب امور مشاہد ہیں اور علم پر اس ذکر (وغیرہ) کو قیاس کرنا محض جہل مرکب ہے، نماز جمعہ پر قیاس کرنا تھا کہ بہت ظاہر ہے۔ استغفر اللہ

اللّٰھم انی اعوذبک من علم لاینفع

پس اگر علم دنیا سے اٹھ جاوے اس کا فساد سب پر روشن ہے اور جو مولود اٹھ جاوے، (اور تبلیغ کے یہ قیود زائدہ اٹھ جاویں) کچھ دین میں تغیر نہیں، اس کا قیاس اس پر کرکے بزعم فاسد خود بدعت کو جائز کہنا اور سنن مامورات شارع کو تحصیل دین میں مقیس علیہا امور مبتدعہ مولود (تبلیغ مروجہ) کا بنانا کس قدر جہل

عن قواعد الدین ہے، معاذ اللہ۔

غرض فساد وفہم مولف کا اور بطلان اس کے قیاس مزعوم کا ہر شخص پر ظاہر ہوگیا خلاصہ یہ کہ عبادات مسنونہ لحوق امور مکروہہ سے مکروہ اور لحوق امور محرمہ سے حرام ہو جاتی ہیں بلا اختلاف مگر مولف کو ہرگز علم نہیں اس کا یہ قول کہ امر سنت لحوق مکروہات سے سنت ہی رہتا ہے محض سفسطہ ہے یوں نہیں بلکہ مجموعہ سنت وحرام کا حرام ہی ہوتا ہے گو وہ نفس جز سنت کا سنت ہے۔ انتہی

کتاب الابداع فی خطبة الوداع جو جناب مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب کے نام سے شائع ہوئی ہے مگر فی الحقیقت اسکے مصنف طبیب حاذق سرتاج الاطباء مولانا حکیم جمیل الدین بجنوری ثم غازیپوری ہیں اس کے ص/ ۴۸ پر ہے۔

سائل نے اپنے زعم باطل میں مدارس کے امور کے ساتھ مجھ پر معارضہ کا ایک ایسا پہاڑ کھڑا کر دیا ہے کہ جس کو وہ اپنے حق میں بڑا تبحر سمجھ رہے ہیں، اور درحقیقت اہل علم کے نزدیک وہ پرکاہ سے بھی زیادہ اخف اور اہون ہے، جس کی طرف متوجہ ہونا مدارس دینیہ کا مبتدی بھی باعث ننگ سمجھتا ہے۔ مگر چونکہ اہل حق کی زبان سے بدعت کا رد سن کر عوام کالانعام بھی اسی قسم کے ہذیان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور سائل بھی انھیں کے ترجمان ہیں اس لئے جوابا کچھ لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

پھر حضرت مجیب نے اصول اور نصوص کلیہ سے اس کا جواز بر تقدیر احداث ثابت کرنے کے بعد فرمایا کہ" ان مذکورہ امور کے دلائل تو یہ بھی موجود ہیں۔ سنو!

سند ودستار دینے کا ماحصل یہ ہے کہ استاد کا اپنا پڑھایا ہوا بالتفصیل یا بالاجمال لکھ کر شاگرد کو دیتا ہے اور ایسی علامت ساتھ کر دیتا ہے جس سے نزدیکان باخبر کے قلوب اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ اور شہادت سے دوران بے خبر کو بھی معلوم ومتیقن ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی تعلیم معتبر ومستند ہے وہ لوگوں کی نگاہ میں ایسا باوقعت ومعتمد ہو جاتا ہے کہ اوامر ونواہی یعنی احکام الٰہی کے متعلق جو کچھ وہ کہتا ہے اور بتلاتا ہے صحیح اور قابل قبول سمجھا جاتا ہے چنانچہ حواریوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نزول مائدہ کے لئے درخواست کی تو ماحصل مذکور کو یوں ادا کیا۔ **قَالُوا نُرِيْدُ اَنْ نَاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ اى نشهد عليها عند من لم يحضرها** (بیضاوی)

اور سنت اللہ ہمیشہ سے جاری ہے کہ خواص معتمدین کو ضرور سند دیجاتی ہے، جو لوگوں میں ان کے اعتماد اور وثوق کو پیدا کرتی ہے اور بڑھاتی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں معجزہ کہتے ہیں، انبیاء کے لئے اور اولیاء کے لئے کرامت اور کتاب وصحیفہ بھی، اور یہی سند ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین مبارک بطور سند دیکر یہ فرمایا کہ جاؤ باغ کے باہر جو ایسا شخص تم کو ملے جو حق تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا یقین قلب سے شہادت دے تو اس کو جنت کی بشارت دیدینا۔ یہ قصہ بطولہا مسلم شریف میں موجود ہے امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ **اما اعطاء النعلين فلتكون علامة ظاهرة معلومة عندهم يعرفون بها انه لقي النبي صلى الله عليه وسم ويكون اوقع في نفوسهم لما يخبرهم عنه صلى الله عليه وسلم "** پھر فرماتے ہیں۔ **فيه ارسال الامام والمتبوع الى اتباعه بعلامة يعرفونها ليزدادوا بها طمانية،** اور یہی ماحصل ہے سند ودستار دینے کا، ایک دفعہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں ایک خطبہ پڑھا، ایک صحابی

ابوشاہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجئے، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ ابوشاہ کے لئے یہ تحریر لکھدو۔

عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب فذکر قصۃ فی الحدیث فقال ابوشاہ اکتبوا لی یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکتبوا لابی شاہ وفی الحدیث قصۃ (رواہ الترمذی)

اب اساتذہ کرام اپنا پڑھایا ہوا لفظاً لفظاً لکھ کر شاگردوں کو نہیں دیتے کیونکہ وہ علوم بصورت کتاب مدون ہو گئے ہیں، البتہ ان علوم کی کتابوں کا نام بالتفصیل سند میں لکھدیتے ہیں اور یہ بھی لفظاً لفظاً لکھدینے کا قائم مقام ہے، درۃ المعارف میں طبرانی سے منقول ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایولی والیا حتی یعممہ ویرخی سدلہا من جانب الایمن نحو الاذن۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو والی وحاکم بنانا چاہتے تو اس کے سر پر پہلے عمامہ باندھ دیا کرتے تھے۔

اور یہ کسی باخبر سے مخفی نہیں کہ اس وقت کے ولاۃ وحکام معلم بھی ہوتے تھے، اور مذکر وواعظ بھی، مفتی بھی ہوتے تھے اور حاکم بھی۔

یہی دستاربندی علماء میں بھی مروج ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مجمع عام میں امراء امصار کو بھیجتے وقت خطبہ پڑھا جس میں یہ الفاظ بھی تھے، الی اشہد کم علی امراء الامصار انی لم ابعثہم الا لیفقہوا الناس فی دینہم (کتاب الخراج)

(وفی الاستعاب) بعث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعودؓ الی الکوفۃ مع عمار بن یاسر وکتب الیہم انی قد بعثت الیکم بعمار بن یاسر امیراً وعبداللہ بن مسعود معلماً ووزیرًا وہما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اہل بدر فاقتدوا بہما واسمعوا من قولہما وقد آثرتکم بعبداللہ علی نفسی الخ

عن ابن ابی فراس من جملۃ خطبۃ عمرؓ الا واللہ انی لا ارسل عمالی لیضربوا ابشارکم ولالیاخذوا اموالکم ولکنی ارسلتہم الیکم لیعلموکم دینکم وسنتکم الخ۔ رواہ احمد

دیکھو اس وقت کے ولاۃ محض حاکم ہی نہیں ہوتے تھے، بلکہ معلم ومفتی بھی ہوتے تھے، اور یہ بھی دیکھو کہ حضرت فاروق اعظمؓ جس کو دوسرے مقامات پر تعلیم دین کے لئے بھیجنا چاہتے تو مجمع عام میں اس کی قابلیت واہلیت اور اس کا معتبر ومستند ہونا ظاہر فرما کر بھیجتے تھے اور ساتھ ساتھ بطور سند کے لکھ کر دیا بھی کرتے تھے کہ جن کو میں بھیجتا ہوں وہ اس پایہ کے صاحب علم وفضل وکمال ہیں، تم سب ان کی اقتدا کرنا اور جو وہ کہیں اس کو قبول کرنا۔

جلسہ دستاربندی اور سند میں اس سے زیادہ کیا ہوتا ہے باقی یہ کہنا کہ شارع علیہ السلام نے قرآن وحدیث پڑھا کر کبھی روپیہ نہیں لیا، اب مدرسے کر کے روپیہ لینے کا عدم جواز خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ظاہر ہو گیا، اور علمائے متاخرین کا فتویٰ اس بارہ میں غیر مسموع ہونا چاہیے۔

تو یہ اعتراض بھی جہالت اور بے علمی پر مبنی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمال کو عمالہ دیا ہے، اسی طرح معلمین علم دین وقرآن کو بیت المال سے رزق ملا کرتا تھا۔

عن عمر قال عملت علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فعملني (رواه ابوداؤد)

عن عائشة لما استخلف ابوبكر الصديق قال لقد علم قومي ان حرفتي لم تكن تعجز عن مؤنة اهلي وشغلت بامر المسلمين فيأكل آل ابي بكرٍ من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه

(رواه البخاری)

عن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان كانا يرزقان المؤذنين والائمة والمعلمين. (سيرة العمرين)

وفي الاستيعاب توفي يزيد بن ابي سفيان واستخلف اخاه معاوية على عمله فكتب اليه عمر بعهده على ما كان يزيد يلي من عمل الشام ورزقه الف دينار في كل شهر.

یہ جو کچھ عمال، ائمہ، معلمین کو عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں دیا جاتا تھا، رزق وکفاف وہدیہ کے طور پر تھا، مگر جب انقراض خیر القرون کے بعد یہ بند ہوگیا، اور عوام کو تحصیل علم کی طرف ایسی رغبت نہ رہی، کہ وہ معلم کی خدمت گذاری بطور ہدیہ کے کرتے ادھر معلمین کی یہ حالت ہوگئی کہ اگر وہ فقدان مایحتاج سے پریشان ہوکر کسب معیشت کرتے ہیں تو علم مفقود ہوتا ہے، اور اگر تعلیم اوقات کو مشغول رکھتے ہیں تو وجہ کفاف حاصل کرنے کو وقت نہیں ملتا، اور فرض دونوں تھے، تعلیم دین بھی اور وجہ کفاف بھی لہٰذا اس تنگی کیوجہ سے ہدیہ مذکور کو اجرت کے طور سے دینے کی اجازت دی گئی، علاوہ بریں امام شافعیؒ کے نزدیک اجرت تعلیم لینے کی اصل شرع سے ثابت ہے، لہٰذا وہ اس کو صاف جائز فرماتے ہیں، پس یہ مسئلہ مجتہد فیہ بھی ہوا، اور مجتہد فیہ مسئلہ میں جو توسع ہوتا ہے وہ کسی ذی علم سے مخفی نہیں۔

رہا مدرسہ اور دار الحدیث کا سنگ بنیاد رکھنا تو کون مسلمان نہیں جانتا کہ حدیث رسول کا پڑھنا پڑھانا عبادت ہے اس وجہ سے کہ وہ وحی غیر متلو ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ قرآن مجید کی شرح نبوی ہے، اور حدیث شریف کا تدارس بحسب المعنی قرآن مجید کا تدارس اور سراسر عبادت ہے، بنابریں یہ کہنا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے دار الحدیث کا سنگ بنیاد کبھی نہیں رکھا، یا حدیث کی روایت کے لئے کوئی مکان مخصوص نہیں فرمایا، بعینہٖ ایسا ہے جیسے کوئی احمق جاہل کہنے لگے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی دار العبادت کا سنگ بنیاد رکھا نہ عبادت کے لئے کسی مکان کو مخصوص فرمایا، حالانکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا اور وہی آپ کا دار الحدیث تھا اور حالانکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکان میں عبادت کی جگہ مخصوص کی گئی اور نیز خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما بھی دیا، **عن عائشة قالت امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المسجد في الدوران وان ينظف ويطيب** (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ) یعنی گھروں میں عبادت کی جگہ مخصوص کرنے کا حکم دیا۔ اسی بناپر تعلیم حدیث کے لئے کہ وہ بھی عبادت ہے، کسی جگہ کا مخصوص کرلینا بھی جائز اور مستحب ہے۔

حدیث مذکور میں بناء المسجد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کی جگہ مخصوص کرکے سنگ بنیاد رکھنے کا حکم ہے۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما اجتمع قوم في بيت من بيوت اللّٰه يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الانزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم فيمن عنده. رواہ ابوداؤد

اگرچہ بیوت اللہ کا ترجمہ مساجد کیا جاتا ہے، مگر کوئی جرأت کرکے کہہ سکتا ہے کہ اگر مساجد کے علاوہ کسی اور مقام پر کتاب اللہ کا تدارس ہوگا تو وہاں رحمت وسکینہ کا نزول نہ ہوگا، لہٰذا اشتراک علت واطلاق لغت بیوت اللہ کا لغوی معنی لینا کتاب اللہ کی عز وشرف کے زیادہ مناسب ہے۔

مع ہذا جس طرح کل مساجد وقف علی ملک اللہ ہوتی ہیں اسی طرح اکثر مدارس اسلامیہ بھی اور مدرسہ دیوبند بھی وقف علی حکم ملک اللہ ہے پس اس اعتبار سے بیوت[1] اللہ کا اطلاق اکثر مدارس دینیہ موقوفہ پر شرعاً بھی نہایت صحیح ہے، اور جب تدارس حدیث کا بھی حکم ویسا ہی ہے جیسے تدارس کتاب اللہ کا کما مر۔

تو ہر بیت خواہ ابتداء تدارس کتاب اللہ کے لئے بنایا گیا ہو یا بنے بنائے میں تدارس اختیار کرلیا ہو، ضرور نزول رحمت وسکینہ کا مستحق ہوگا، اور در صورت موجود نہ ہونے کے اس کا سنگ بنیاد رکھنا اور بنانا ضرور مسنون اور عند اللہ مقبول ہوگا۔

ہجرت سے پہلے جو لوگ مدینہ منورہ میں مشرف باسلام ہوچکے تھے ان کی تعلیم کے لئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے حضرت مصعب بن عمیر کو بھیجا، انھوں نے مدینہ میں پہنچ کر تعلیم قرآن وحدیث کے لئے بنی ظفر کا ایک

---

[1] (ملا علی قاری مرقات میں بیوت اللہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "والعدول عن المساجد الی بیوت اللّٰہ لیشمل کل مایبنی تقربا الی اللّٰہ تعالی من المساجد والمدارس والربط" مسجد کے بجائے بیوت اللہ فرمانا اسلئے ہے تاکہ شامل ہوجائے ہر اس مکان کو جو تقرب الی اللہ کیلئے بنایا گیا ہو، مسجدیں ہوں یا مدرسے اور خانقاہیں اور الترغیب والترہیب کے محشی فرماتے ہیں۔ بیوت اللّٰہ تشمل المساجد ومعاهد الدرس وکل امکنة طاهرة نظیفة یعنی بیوت اللہ مساجد، مدارس، اور ہر پاک وصاف مکان کو شامل ہے)

مکان مخصوص کیا، جس میں بیٹھ کر وہ وہاں کے مسلمانوں کو تعلیم دیتے تھے، جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت مصعب بن عمیر کے اس فعل سے کچھ تعرض نہیں فرمایا، پس روایت حدیث کیلئے مکان مخصوص کرنا تقریر شارع علیہ السلام سے ثابت ہوگیا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ!

کلام الٰہی سنئے، وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ یعنی اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا۔ (ترجمہ شاہ عبد القادر)

حق تعالیٰ اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت دیتا ہے، جس میں جان ومال دونوں کا خرچ ہے، اس کے بعد آیت مذکورہ میں قتال کے منافع بیان کرتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قتال میں منفعت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے عبادت گاہیں اور مدارس دینیہ ڈھا دینے سے محفوظ ہوجاتے ہیں، اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مساجد ومعابد کی طرح مدارس دینیہ بھی نہایت ضروری الوجود اور عظیم بالشان ہیں، جن کے حفظ وبقا کے لئے جان ومال لٹا دینا ذروہ سنام اسلام ہے، اور جب مدارس دینیہ کا

---

[2] ملا علی قاری یتدارسونہ پر لکھتے ہیں التدارس قرأة بعضهم علی بعض تصحیحاً لالفاظه او کشفا لمعانیه ویمکن ان یکون المراد بالتدارس المدارسة المتعارفة" یعنی تدارس ایک کا دوسرے کے سامنے پڑھنا الفاظ کے صحیح کرنے کیلئے یا معانی سمجھنے اور واضح کرنے کیلئے ہے، اور تدارس سے مدرسہ متعارفہ بھی مراد ہوسکتا ہے، پھر فرماتے ہیں "والاظهر انه شامل لجمیع مایناط بالقرآن من التعلیم والتعلم" یعنی زیادہ ظاہر ہے کہ تدارس شامل ہے ان تمام چیزوں کی تعلیم وتعلم کو جو قرآن سے تعلق رکھتی ہوں۔

ڈھا دینا شعار کفر اور عند اللہ ایسا سنگین جرم ہے جس کی روک تھام کیلئے قتال فرض کیا جاتا ہے، تو اس کا سنگ بنیاد رکھنا بالبداہت شعار اسلام اور مقتضائے ایمان اور باعث رضائے رحمٰن جل وعلا شانہ ہوگا، گویا حق تعالیٰ اپنے دست قدرت سے مدارس دینیہ کا سنگ بنیاد رکھتا اور اس کو کانہ بنیان مرصوص بتاتا ہے اسی طرح آیت مذکورہ سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہے کہ درس حدیث کے لئے کسی مکان کو مخصوص کرلینا جس کو مدرسہ کہتے ہیں امور دینیہ اور شعار اسلام میں داخل ہے، جیسے صوامع اور صلوات، پس کون مسلمان کہہ سکتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدارس دینیہ کا کبھی سنگ بنیاد نہیں رکھا، اگر سنگ بنیاد کے لغوی معنی لئے جائیں تو وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کیونکہ مسجد نبوی کا سنگ بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دست مبارک سے رکھا گیا ہے، اور وہی حضور کا دارالحدیث تھا، خاص دارالحدیث کہنا تو بلحاظ کثرت شغل حدیث کے ہے نہ کہ اس لحاظ سے کہ اس میں دوسرا شغل نہ ہوگا، یا ناجائز سمجھا جائے گا، جس طرح دارالکتب، بیت المال، دارالمشورہ وغیرہ میں علاوہ کتب، مال اور مشورہ کے بہت سی اشیاء ہوتی ہیں۔

اور اگر سنگ بنیاد بمعنی مجاز متعارف لیا جائے یعنی کسی کام کا شروع کرنا تو یہ ایسا بدیہی الثبوت ہے جس سے کوئی مخالف اسلام بھی انکار نہیں کرسکتا۔ فضلا عمن یدعی الاسلام

بنابریں دارالحدیث اور مدارس دینیہ کے سنگ بنیاد رکھنے والے حسب ارشاد "وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ" حق تعالیٰ کے ناصر اور معین ہیں اور ان کے مخالفین کو دارین میں بجز خیبت وخسران وخذلان کے کچھ نصیب نہیں ہوسکتا۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ۔

یہاں دو امر قابل اظہار ہیں۔

اول یہ کہ آیت مذکورہ میں بیچ کا ترجمہ دیگر مفسرین نے بجائے مدارس کے معابد نصاریٰ کیا ہے، مگر ہمارے مدعا کے یہ بھی خلاف نہیں، کیونکہ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا۔ نے ہمارے طریق استدلال کو ایسا صاف اور روشن کردیا ہے کہ سخت ترین معاند ومکابر کے خس وخاشاک اوہام کو بھی اس میں گنجائش نہیں ہے، یعنی محل ذکر اللہ لائق احترام اور مستحق حفظ وبقا ہے۔ خواہ معبد نصاریٰ ہو یا معبد یہود، مساجد ہوں یا مدارس یا خانقاہیں۔

امر دوم: یہ کہ عبادت کیلئے جگہ مخصوص کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عبادت بجز اس جگہ کے دوسری جگہ جائز ہی نہ ہو کیونکہ یہ ازروئے قواعد وشواہد شرعیہ صریح البطلان ہے، مسجدیں نماز کے لئے مخصوص ہیں مگر دوسری جگہ بھی نماز پڑھنا جائز ہے اسی طرح مسجد میں علاوہ نماز کے اور اعمال خیر بھی جائز ہیں، پس دارالحدیث میں علاوہ علوم دینیہ کے توابع ووسائل علوم مذکورہ کا پڑھانا بھی جائز ہے، اسی طرح علاوہ دارالحدیث کے دوسری جگہ بھی روایت حدیث جائز ہے ... علوم دینیہ کی درس وتدریس فرض ہے جس کیلئے کتب سماویہ نازل ہوئیں ہزاروں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے کفار اس معاملے میں سنگ راہ ہوئے، قتل کیا، آگ میں ڈالا، ایذائیں دیں، اور سخت سخت تکلیفیں پہونچائیں (فقر وفاقہ کا سامنا کرنا پڑا عیش وعشرت کو خیرباد کہنا پڑا) مگر وہ (دین حق کے متوالے) خدا کے سچے بندے تعلیم سے نہ رکے پر نہ رکے، اور فرض تبلیغ وتعلیم اسی ہمت اور جوش وخروش سے ادا کرتے رہے، ایسے ضروری اور مہتم بالشان (اور) فرض قطعی کی مداومت ہر زمانے میں اور ہر جگہ بطریق فرض کفایہ ہر شخص پر اشد ضروری ہے ..... ولتکن منکم الآیۃ تدریس وتعلیم کو فرض فرماتی ہے اور فلولا نفر (الآیۃ) درس وتعلم کو فرض فرماتی ہے..... (یا

ایھا الرسول بلغ الآیۃ) بلغوا عنی ولو آیۃ. ولو فلیبلغ الشاھد الغائب طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم، انما شفاء العی السوال وغیرہ وغیرہ قرآن وحدیث اس مضمون سے مالا مال ہیں۔

بالجملہ درس وتدریس کے سلسلہ کو جاری رکھنا ہر زمانہ میں مسلمانوں پر واجب ہے۔ جن خوش نصیب مسلمانوں کو ایسی حکومت میسر ہو جاوے جو سلسلہ تعلیم وتعلم کے ابقا کی خود متکفل ہو فطوبی لھم ثم طوبی لھم اور جہاں حکومت کو اس کی طرف التفات نہ ہو وہاں بطور خود مسلمانوں کو اس سلسلہ کے باقی رکھنے کا انتظام واجب ہے اور یہ موقوف ہے تعاون وتناصر پر تو یہ بھی بمقتضے تعاونوا علی البر والتقوی واجب وضروری ہے دواماً۔ اور اس تعاون کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ ایک پڑھاتا ہے ایک چندہ دیتا ہے، ایک وصول کرتا ہے ایک جمع کر کے صحیح مصرف میں خرچ کرتا ہے۔

وھلم جرًا الی خدمات المدارس الاسلامیۃ انتہی

اور جب مدارس اسلامیہ کا مسنون ہونا اور شرعی وجود ثابت ہو گیا، تو مدرسہ سے الزام دینا صحیح نہیں ہے۔

اور تبلیغ مروجہ کا نہ مسنون ہونا ثابت نہ وجود شرعی ثابت لہٰذا بدعت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

اور اصل بنیادی تبلیغ یہی ہے، خصوصی بھی ہے اور عمومی بھی، وعظ وتذکیر، اصلاح وارشاد کا حصہ، درحقیقہ ہے اور اس کی فضیلت اور عز وشرف میں شریک ہے، کوئی ممتاز اور متخصص ومتعین مستقل جماعت اور پارٹی مدارس وخوانق کے مدمقابل بنا کر اس کی مستقل فضیلت بیان کرنا جزو کو کل سے اشرف اور افضل قرار دینا، بالکل غلط اور فساد غرض پر مبنی ہے، چہ جائے کہ، جز کے مقابلے میں کل کی تنقیص وتحقیر وتنفیر وتحذیر جو ”یکے برسر شاخ وبن می برید“ کا مصداق ہے، والعجب کل العجب کہ حضرات علماء ومشائخ کامل تعلیم وتبلیغ کریں، تو وہ ناقص یا مفضول اور جہلاء جو ناقص تبلیغ کریں تو وہ صحیح اور کامل اور افضل ہو۔

حجیتِ تجربہ

س تبلیغ مروجہ بہ ہیئت کذائیہ کی صحت تجربہ سے ثابت ہے جس طرح اذکار واشغال صوفیہ کا تحصیل احسان میں موثر ہونا تجربہ سے ثابت ہے اور جیسے مدارس میں ضرورۃً محض افہام وتفہیم کے خیال سے موجودہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تو یہی جواب جماعت کے سلسلہ میں ہے کہ اس وقت اسی انداز سے تبلیغ ہو سکتی ہے تجربہ نے اس کو ثابت کر دیا ہے اور یہ کہنا کہ حجت شرعی نہیں ہے، ہم مانتے ہیں کہ دلائل شرعیہ اور ہیں، لیکن تجربہ کا انکار بھی سرے سے نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھو قرآن میں **یحکم بہ دوا عدل منکم** الآیۃ میں شہادت کا مدار لوگوں کی صواب دید پر رکھا گیا ہے۔

دوسری مثال: ناپاک کنویں سے نزح ماء میں صاحب تجربہ کا اعتبار ہے اور بھی کتنی چیزوں میں شریعت نے تجربہ کو معتبر قرار دیا ہے۔

ج تبلیغ مروجہ کی صحت کے تجربہ سے ثابت ہونے کے معنی اگر یہ ہیں کہ بدون ہیئت کذائیہ کے نفس تبلیغ کا وجود اور وقوع نہیں ہو سکتا تو یہ بداہۃً باطل ہے، اور اگر یہ معنی ہیں کہ فائدہ وثمرۂ تبلیغ بغیر مروجہ تبلیغ کے نہیں ہو سکتا تو یہ بھی صحیح نہیں، دیگر طرق سے بھی فوائد کا حصول متصور ہے۔

بشرط تسلیم جواب یہ ہے کہ تبلیغ خود مامور بہ ہے، فائدہ اور ثمرہ مامور بہ نہیں، مامور بہ کی ادائےگی مطابق شریعت ہونی چاہئے، اس میں تغییر جائز نہیں، ثمرہ حاصل ہو یا نہ ہو، اور اذکار واشغال مشائخ وسیلہ ہیں، تحصیل احسان مامور بہ کا، حسب تجربہ

طبیبان باطن موقوف علیہ ہیں، لہٰذا بحوائے مقدمة الواجب واجب حكما خود بھی مامور بہ ہیں۔ فافترقا

رہے امور مدارس تو اول تو وہ باصلہ ثابت ہیں، سرے سے محدث ہی نہیں، بشرط تسلیم بعض امور موقوف علیہ ہیں، تعلیم و تعلم مامور بہ کے اور بعض امور انتظامیہ ہیں کما ذکر سابقاً فی موضعہ، مفصلاً، لہٰذا اس میں بدعت کا دخل نہیں، پس تبلیغ مروجہ کا اذکار مشائخ اور امور مدارس پر قیاس قیاس مع الفارق ہے۔

اور یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی امر کے صحیح اور غلط ہونے میں تجربہ اور رائے کو بالکل دخل نہیں، صرف دلائل شرعیہ اربعہ ہی کے ذریعہ سے صحت و سقم کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اور بس، اگر دلائل شرعیہ اربعہ کے علاوہ تجربہ یا کسی امر کو دلیل حکم شرعی قرار دیا جائے گا تو باب فساد و ضلالت مفتوح اور نظام دامن شرع شریف درہم برہم ہو جائیگا۔

كما قال الشاطبى فى الاعتصام ۲/۱۵۱

لوفتح هذا الباب لبطلت الحجج وادعى كل واحد من شاء ماشاء، واكتفى بمجرد القول فالجأ الخصم الى الابطال وهذا يجر فسادًا لاخفاء له وان سلم فذالك الدليل ان كان فاسدا فلاعبرة به وان كان صحيحا فهو راجع الى الادلة الشرعية فلاضرر فيه.

یعنی یہ دروازہ کھول دیا جائیگا تو دلائل باطل ہو جائینگے اور انکی کوئی حیثیت نہ رہ جائیگی، اور ہر شخص جو چاہیگا دعویٰ کریگا اور محض اپنے قول پر اکتفا کریگا اور خصم اسکے ابطال پر مجبور ہوگا، اور یہ جیسا کچھ فساد برپا کریگا وہ مخفی نہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ دلیل فاسد ہے تو پھر اس کا اعتبار ہی کیا اور یا اگر صحیح ہے تو ادلہ شرعیہ کی طرف راجع ہے اور یہ مضر نہیں۔ (حاصل یہ کہ تجربہ اگر دلیل شرع کے موافق ہے تو قبول ہے مگر بے فائدہ ہے اور اگر خلاف ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں)

یہ صحیح ہے کہ تجربہ کا سرے سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت مقدسہ نے جہاں کہیں تجربہ کو معتبر قرار دیا ہے وہ کسی حکم شرعی کے اثبات کیلئے نہیں بلکہ مناط حکم شرعی کی تعیین کیلئے معتبر قرار دیا ہے اور مناط حکم کی تعیین میں تجربہ، عقل اور فہم کی ضرورت پڑتی ہے وہاں نہ دلیل شرعی کی ضرورت ہے نہ اجتہاد کی نہ علم کی۔

علامہ شاطبی الاعتصام ۲/۱۶۱ پر فرماتے ہیں۔

فاعلم ان كل مسئلة تفتقر الى نظرين نظر فى دليل فى دليل الحكم ونظر فى مناطه فاما النظر فى دليل الحكم لايمكن ان يكون إلّا من الكتاب والسنة اوما يرجع اليهما عن اجماع او قياس اوغيرهما. ولايعتبر فيه طمانينة النفس ولانفي ريب القلب الا من جهة اعتقاد كون الدليل دليلا او غير دليل ولايقول احد الا اهل البدع الذين يستحسنون الامر باشياء لادليل عليها او يستقبحون

جاننا چاہئے کہ ہر مسئلہ دو نظروں کا محتاج ہوتا ہے ایک وہ نظر جو حکم کی دلیل میں ہوتی ہے اور ایک نظر حکم کے مناط میں ہوتی ہے جو نظر دلیل حکم میں ہوتی ہے وہ سوائے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے اور ہو ہی نہیں سکتی اس میں طمانیت نفس اور نفی ریب قلب معتبر نہیں ہوتی الا یہ کہ ان امور کے دلیل یا غیر دلیل ہونے کا اعتقاد کرے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں سوائے ان اہل بدعت کے جو ایسی اشیاء کے استحسان کے قائل اور معتقد ہوتے ہیں کہ جن پر کوئی دلیل نہیں ہوتی ایسے ہی کسی امر کے قبیح ہونے کے بھی بلا دلیل قائل ہوتے

كذالك من غير دليل الاطمانينة النفس ان الامر كما زعموا وهو مخالف لاجماع المسلمين.

واما النظر في مناط الحكم فان المناط لايلزم ان يكون ثابتاً بدليل شرعي فقط بل يثبت بدليل غير شرعي او بغير دليل فلايشترط فيه بلوغ درجة الاجتهاد بل لايشترط فيه العلم فضلا عن درجة الاجتهاد الا ترى ان العامي اذا سئل عن العمل الذي ليس من جنس الصلوة اذا فعل المصلي هل تبطل به الصلوٰة ام لا فقال العامي ان كان يسيراً فمغتفر وان كان كثيراً فمبطل لم يختفر في اليسير الى ان يحققه له العالمُ بل العاقل يفرق بين الفعل اليسير والكثير فقد ابتنىٰ ههنا الحكم وهو البطلان او عدمه على مايقع بنفس العامي وليس واحد من الكتاب والسنة لانه ليس ماوقع بقلبه دليلا على حكم وانما هو مناط الحكم. فاذا تحقق له المناط باي وجه تحقق فهو المطلوب فيقع عليه الحكم بدليله الشرعي.

ہیں، سوائے اسکے کہ انکا نفس اس بات پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ امر ایسا ہی ہے جیسا انکا گمان ہے اور یہ خلاف اجماع مسلمین ہے۔

رہی مناط حکم میں نظر تو مناط کا صرف دلیل شرعی سے ثابت ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ غیر شرعی دلیل یا بلا دلیل ثابت ہوتا ہے اس میں درجہ اجتہاد تک پہنچنا شرط نہیں ہے درجہ اجتہاد تو دور رہا اس میں علم بھی شرط نہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ کسی عامی سے اگر کسی ایسے فعل کے بارے میں پوچھا جائے جو جنس صلوٰۃ میں سے نہ ہو اور مصلی اس کا مرتکب ہو جائے کہ آیا اس سے نماز باطل ہوگئی یا نہیں تو عامی کہے گا کہ اگر فعل یسیر وقلیل ہوگا تو مغتفر ہے اور اگر فعل کثیر ہوگا مبطل صلوٰۃ ہوگا، فعل یسیر اسوقت تک مغتفر نہیں ہوگا جب تک کہ اسکی نظر میں یسیر ہونا محقق نہ ہو جائے عالم بلکہ عاقل قلیل وکثیر میں فرق سمجھ لیتا ہے غرض جو بھی نفس عامی میں واقع ہوگا اس پر حکم بطلان یا عدم بطلان جاری ہوگا، اس قلیل یا کثیر کا سمجھنا نہ کتاب سے ثابت ہو نہ سنت سے، اسلئے کہ اسکے قلب میں جو واقع ہوا وہ کسی حکم کی دلیل نہیں ہے وہ تو مناط حکم ہے جب اس کے نزدیک مناط محقق ہوگیا کسی طرح بھی تو بس مطلب حاصل ہوگیا اب اس پر اپنی دلیل شرعی سے ثابت شدہ حکم اس پر واقع ہو جائے گا۔

تو جس طرح نماز میں فعل یسیر وکثیر کے فرق کا سمجھنا مبتلی بہ خواہ عامی ہی ہو، کی رائے پر موقوف ہے کیونکہ یہ منجملہ محسوسات ہے، اسی طرح فرق ماء کثیر وقلیل طہارت میں تمیز کافر ومومن ادائے جہاد میں، تمیز کفر وایمان زوج وامام نکاح وامامت میں وغیرہ، تمیز جزو وکل نزع ماء بیر میں، تمیز قیمت مثلی غیر مثلی جنایت احرام میں وغیرہ بوجہ محسوسات میں سے ہونے کے مبتلی بہ کی رائے وتجربہ پر منحصر ہے۔ اور رائے مبتلی بہ کو شارع کی نص اور فقیہ کی رائے اجتہادی سے کوئی علاقہ نہیں۔ رائے اجتہادی تو بجز عالم فقیہ کے کسی اور کو نصیب نہیں اور یہ رائے وتجربہ جس کا یہاں ذکر ہے یعنی جو مناط کی تعیین کیلئے ہے۔ فقیہ غیر فقیہ اور عوام سب کو حاصل ہے۔ اور مبتلی بہ کے حق میں خواہ عالم ہو یا جاہل ایسی دلیل ہوتی ہے جسکا خلاف ہرگز جائز نہیں۔ قیاس فقہی کا بھی اسکے مقابلے اور معاملے میں اعتبار نہیں۔

اور ہر مبتلی بہ اپنی رائے پر عمل کرنیکا مکلف ہے۔

مثلاً ایک آدمی ایک فعل کو فعل یسیر سمجھتا ہے۔ دوسرا اسی فعل کو کثیر تو ہر شخص کا حکم جداگانہ ہوگا۔ ایک کے حق میں بوجہ قلت فعل مغتفر ہوگا۔ اور دوسرے کے حق میں بوجہ کثرت فعل ابطال صلوٰۃ کا حکم ہوگا۔

بحرالرائق میں ہے:

فاستكثار واحد لايلزم غيره بل يختلف باختلاف مايقع في قلب كل وليس هذا من قبيل الامور اللتي يجب فيها على العامي تقليد المجتهد.	یعنی ایک آدمی کا کثیر سمجھنا دوسرے پر لازم نہ ہوگا بلکہ ہر ایک کے قلب میں مختلف مناط کے واقع ہونے کی وجہ سے حکم مختلف ہوگا۔ اور یہ ان امور میں سے نہیں کہ جس میں عامی پر مجتہد کی تقلید واجب ہوگی۔

پس اگر مروجہ تبلیغ کے قیود وتعینات کے بشرط عدم انضمام مکروہات لعینہ یا لغیرہ تبلیغ کے مفید یا موقوف علیہ ہونے کا تجربہ کسی کو ہو تو بیشک یہ قیود وتعینات بدعت ہونے سے اس کے حق میں خارج ہوجائیں گے۔ مگر اس میں ہر مبتلی بہ مکلّف ہے اپنے تجربہ کا، دوسرے کا تجربہ اور رائے اس پر لازم نہیں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ کہ:

> ہر عالم کو تبلیغ کا اختیار ہے کسی کی طرف منسوب کرنے کیا معنی؟
>
> (رسالہ معرفت حق محرم الحرام ۱۳۹۰ھ)

حاصل یہ کہ ہر داعی اور مبلغ حسب حال ومقام ووقت جو طریقہ مفید اور مناسب سمجھے اختیار کرے اور یہ طریقہ سلف سے لے کر خلف تک جاری ہے۔

اور جب تبلیغ مروجہ کے قیود وتعینات کے غیر موقوف علیہ ہونے، غیر ضروری کو علماً یا عملاً ضروری قرار دینے، پابندی واصرار، تاکد والتزام، تداعی واہتمام اور **"مفضی الی افساد عقیدۃ العوام"** اور مکروہات کے انضمام کی بنا پر بدعت ومکروہ

ہونا ثابت ہوگیا۔ تو پھر اس کا ترک کردینا ضروری ہے۔ خواہ اس سے کتنا ہی فائدہ ہو اور وہ فوائد تجربہ سے ثابت ہوں یا بلا تجربہ اور اگر کسی فعل کا بدعت ہونا محقق ہوجائے تو پھر اس کا ایک مرتبہ کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

حدود وقوانین الٰہیہ اور اصول وقواعد شرعیہ کو توڑ کر دین کو بگاڑ اور نقصان پہنچا کر دین کی خدمت اور فائدہ کا حصول کس کام کا۔

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

> داعی عوام کا سماع ذکر کی طرف ہونا اس وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ ہو، ورنہ رقص وسرود زیادہ تر دواعی ہیں اور روایات موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کی جاتی ہیں، پس کون ذی فہم بعت دعوت عوام ان کا مجوز ہوجائے گا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

> کام کم ہو مگر صحیح طریقے سے ہو تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا اور اگر غلط طریقے سے ہو تو اس پر مواخذہ ہوگا۔

نیز فرماتے ہیں۔

> اگر کسی امر خلاف شرع کرنے سے کچھ فائدے اور مصلحتیں بھی ہوں جن کا حاصل کرنا شرعاً ضروری نہ ہو، یا اس کے حاصل کرنے کے اور طریقے بھی ہوں، اور ایسے فائدوں کے حاصل کرنے کی نیت سے وہ فعل کیا جاوے یا ان فائدوں کو دیکھ کر عوام کو ان سے نہ روکا جائے تو یہ بھی جائز نہیں، نیک نیت سے تو مباح عبادت بن جاتا ہے اور معصیت مباح نہیں ہوتی، خواہ اس میں ہزاروں مصلحتیں اور منفعتیں ہوں، نہ اس کا ارتکاب جائز نہ اس پر سکوت کرنا جائز، اور یہ قاعدہ بہت ہی بدیہی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے غصب اور ظلم کرکے

مال جمع کرے کہ محتاجوں اور مسکینوں کی امداد کریں گے، تو ہرگز ہرگز ظلم اور غصب جائز نہیں ہوسکتا خواہ لاکھوں فائدوں کے مرتب ہونے کی اس پر امید ہو۔ (اصلاح الرسوم)

خلاصہ یہ کہ اگر تبلیغ کے وجود وقوع کا مروجہ طریقہ پر موقوف ہونا تجربہ سے ثابت ہے تو یہ بدیہۃً باطل ہے، اور اگر تبلیغ کے مفید ہونے کا مروجہ طریقہ پر موقوف ہونا تجربہ سے ثابت ہے تو یہ بھی تسلیم نہیں، اصول ستہ، خروج مصطلح، گشت کذائی، چلہ، دعا بالجہر والا اجتماع وغیرہ غرض ہیئت ترکیبیہ اجتماعیہ مخترعہ پر فائدہ ہرگز ہرگز موقوف نہیں ہے، اور اگر فائدہ خاص کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو خاص ہو یا عام، فائدہ پر جواز کی بنا نہیں ہے، کیونکہ وہ مامور بہ نہیں ہے، بلکہ جواز کی بنا دلیل شرعی پر ہے، اگر دلیل شرعی سے طریقہ مروجہ کا جائز ہونا ثابت ہو تو بہتر ہے، اور اگر دلیل شرعی سے ناجائز ہونا ثابت ہو تو خواہ لاکھوں فائدے ہی کیوں نہ حاصل ہوں ناجائز ہی رہے گا، لاجرم اس کا ترک کردینا ضروری ہوگا۔

اگر دلیل شرعی سے یہ ثابت ہو کہ فلاں طریقہ اگر تجربہ سے مفید ثابت ہو تو جائز ہے اور تجربہ سے غیر مفید ثابت ہو تو ناجائز ہے تو اس میں البتہ مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہوگا مگر ایک کی رائے دوسرے پر حجت نہ ہوگی۔

اور دلیل شرعی سے ہیئت کذائیہ کا ناجائز ہونا ثابت ہے پس کسی ایک ہی طریقہ کی ہر جگہ اور ہر موقع پر پابندی نہیں کرنا چاہئے، اور بالکل ترک کردینا چاہئے، جائز طریقوں میں سے جو طریقہ جس موقع پر مفید اور مناسب ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

☆☆☆

الکلام البلیغ

فی

احکام التبلیغ

یعنی

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

حصہ دوم

حضرت العلامہ مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد (یوپی)

سوال یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ کہ عنایت الٰہی اس تحریک کی طرف متوجہ ہے، جو مبشرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس جماعت کے متعلق تواتر سے نقل کئے جا رہے ہیں، اور حضور کی طرف سے لوگوں کو اس میں شرکت کے واسطے ترغیبات وتاکیدات خوابوں میں کثرت سے کی جارہی ہیں، جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد **أرى رؤياكم قدتواطات في السبع الاواخر** (الحدیث) کی روشنی میں کثرت سے حضور کا خوابوں میں حمایت کرنا جواتنی کثرت سے سننے میں آرہا ہے کہ جن کا احصاء دشوار ہے، اس بنا پر اس جماعت کی مخالفت خطرناک ہے۔

جواب جب تبلیغ مروجہ کا بدعت ہونا ثابت ہو چکا تو اب خواب کچھ نافع نہیں، احکام شرعیہ خواب وکشف سے ثابت نہیں ہوتے، ہاں دلائل شرعیہ کے ساتھ رویائے صالحہ کے موافق ہونے سے طبعی طور پر تسلی واطمینان تشفی اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔

علی قاری حدیث **من رآني في المنام فقد رآني فان الشيطان لايتمثل في صورتي او كما قال** کے تحت فرماتے ہیں۔

اى فكانه قد رآني في عالم الشهود والنظام لكن لايبتني عليه الاحكام ليصير به من الصحابة وليعمل بما سمع به في تلك الحالة كما هو مقرر في محله.

(مرقات۴/۵۳۶)

یعنی اس نے گویا مجھ کو عالم شہود ونظام میں دیکھا لیکن اس پر کوئی حکم شرع مبنی نہیں ہوگا مثلاً اس خواب میں دیکھنے والا صحابی نہیں قرار پائے گا اور نہ جو کچھ اس حالت میں سنے گا اس پر عمل کرے گا جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ مقرر اور ثابت ہو چکا ہے۔

امام شاطبی الاعتصام۱/۲۶۰ میں فرماتے ہیں۔

واضعف هولاء احتجاجا قوم استندوا في اخذ الاعمال الى المقامات المنامات واقبلوا واعرصوا بسببها فيقولون رأينا فلانا الرجل الصالح فقال لنا اتركوا كذا واعملوا كذا. ويتفق مثل هذا كثيرا. للمترسمين برسم التصوف. وربما قال بعضهم رأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الوم فقال لي كذا وامرني بكذا. فيعمل بها ويترك بها معرضًا عن الحدود الموضوعة في الشريعة. وهو خطأً لان الرويا من غير الانبياء لايحكم بها شرعاً

ان اہل بدعت میں دلیل اور حجت کے اعتبار سے سب سے زیادہ کمزور وہ قوم ہے جو اعمال کے اختیار کرنے میں خوابات سے استناد کرتے ہیں، اور اسی کے سبب سے قبول واعراض کرتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں رجل صالح کو ہم نے خواب میں دیکھا ہے انھوں نے ہم سے فرمایا کہ ایسا مت کرو اور ایسا عمل کرو، یعنی فلاں عمل کو ترک کرو اور فلاں عمل کو اختیار کرو، اور ایسا اتفاق زیادہ تر ان لوگوں کو ہوتا ہے جو رسوم تصوف کے ساتھ مترسم ہوتے ہیں، اور بسا اوقات ان کے بعض کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پس حضور نے مجھ سے یوں فرمایا اور فلاں بات کا مجھ کو حکم دیا اور اسی خواب ہی کی بناء پر وہ عمل بھی کرتا ہے اور ترک بھی کرتا ہے اور شریعت میں وضع کئے ہوئے حدود اور قوانین سے کچھ مطلب نہیں رکھتا، تو یہ خطا ہے۔ اس لئے کہ غیر نبی

على حال الاان تعرض على ما في ايدينا من الاحكام الشرعية فان سوغتها عمل بمقتضاها والا وجب تركها والاعراض عنها. وانما فائدتها البشارة والنذارة خاصة واما استفادة الاحكام فلا واما الرويا التي يخبر فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم الرائي بالحكم فلابد من النظر فيها ايضا لانه اذا اخبر بحكم موافق لشريعته فالحكم بما استقر وان اخبر بمخالف فمحال. لانه صلى الله عليه وسلم لاينسخ بعد موته شريعته المستقرة في حياته لان الدين لايتوقف استقراره بعد موته على حصول المرائي النومية لان ذالك

کا خواب کسی حال میں حکم شرعی کا موجب نہیں ہوتا، الا یہ کہ وہ خواب ان احکام شرعیہ پر پیش کیا جائے جو ہمارے ہاتھ میں ہیں، اگر موافق ہو فبہا، ورنہ اس کا ترک اور اس سے اعرض واجب ہے، پس اس خواب کا فائدہ بشارت اور نذارت ہے صرف باقی احکام کا استفادہ تو خواب سے نہیں ہو سکتا۔ رہا وہ خواب کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رائی (خواب دیکھنے والے) کو کوئی حکم دیا ہو تو اس میں بھی غور کرنا ہوگا اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے موافق حکم دیا ہے تب تو یہ وہی حکم ہے جو ثابت بالشرع ہو چکا ہے، اور اگر خلاف شرع حکم دیا ہے تو یہ ناممکن اور محال ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے بعد زندگی ہی میں قرار پائی ہوئی شریعت کو منسوخ نہیں فرما سکتے، اس لئے کہ دین کا استقرار بعد آپ کے وصال کے خوابات کے حصول پر موقوف نہیں ہے کیونکہ یہ بالاجماع باطل ہے۔

باطل بالاجماع فمن رأى شيئاً من ذالك فلاعمل عليه وعند ذالك نقول ان روياه غير صحيحة اذ لوراه حقا لم يخبره بما يخالف الشرع.

لہٰذا جس شخص نے خواب میں ایسا کچھ دیکھا تو اس پر عمل جائز نہیں ایسی صورت میں ہم کہیں گے کہ اس کا خواب صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس نے آپ کو واقعۃً دیکھا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف شرع ہرگز حکم نہ دیتے۔

پھر آگے الاعتصام ہی میں علامہ شاطبی نے ذکر کیا ہے۔

سئل ابن رشد عن حاكم شهد عنده عدلان مشهوران بالعدالة في قضية فلما نامه الحاكم رأى النبي صلى الله عليه وسلم فقال له ماتحكم بهذه الشهادة فانها باطلة. فاجاب بانه لايحل له ان يترك العمل بتلك الشهادة لان ذالك ابطال لاحكام الشريعة بالرويا وذالك باطل لايصح ان يعتقد.

قاضی ابن رشد سے ایک ایسے قاضی کے بارے میں پوچھا گیا جس کے سامنے کسی معاملے میں دو مشہور بالعدالت عادلوں نے گواہی دی تو جب قاضی سویا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو اس گواہی پر فیصلہ نہ کرنا، کیونکہ یہ گواہی باطل ہے تو ابن رشد نے جواب دیا کہ قاضی کو اس شہادت پر عمل ترک کرنا حلال نہیں، اس لئے کہ یہ خواب کی وجہ سے احکام شرعیہ کا ابطال ہے اور یہ باطل ہے اس کو صحیح سمجھنا صحیح نہیں۔

پھر آگے حدیث **من رأنی** (الحدیث) کی حقیقت اور تاویلات ذکر کی ہیں، جس کو شوق ہو، وہ کتاب الاعتصام کا مطالعہ کرے۔

اہل بدعت واہواء بھی اپنی بدعتوں کے جائز ثابت کرنے کے لئے بہت ہاتھ پیر مارتے ہیں، اور جب کوئی مستند شرعی ان کو نہیں ملتا تو خواب جیسی دلیلوں کو پیش کرتے ہیں، مگر ہمارے اہل حق اکابر نے ایسی دلیلوں کی حیثیت وحقیقت بیان کرنے میں مداہنت سے کام نہیں لیا، اور شریعت حقہ کی حفاظت کے لئے ایسے مزعومات کے ابطال میں کوئی کسر نہ رکھی۔

چنانچہ مولوی عبدالسمیع مولف انوار ساطعہ نے جب خواب اور مکاشفہ میں منجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفل مولد کی تائید کا ذکر کیا تو۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ ص: ۲۰۴ پر فرمایا کہ

> معلوم ہونے کے طریق معتبر دین میں تین ہیں، یا حواس، سو وہ تو یہاں نہیں، دوسری عقل، سو ظاہر ہے کہ وہ بھی یہاں مفقود ہے، کیونکہ یہ امر عقل سے ثابت نہیں ہو سکتا، تیسری خبر رسول، وہ بھی اس باب میں غیر موجود، پس مدعا پر دلیل کس طرح ہو سکتی ہے اور خود محقق ہے کہ دین میں علی الخصوص اعتقاد میں رویا اور کشف کا اعتبار نہیں، اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا، خصوصاً مسئلہ عقائد کا تو اب سب ارباب عقل غور کریں کہ فقط مدار عقیدہ مولف کا خوابوں اور مکاشفات پر ہے۔ حقیقت انکشاف کی یہ ہے کہ ارباب قلوب صافی کے تخیلہ میں تمثل ہوتا ہے، ور خود آپ بجائے خود ہیں، اور کشف الغطاء میں لکھا ہے کہ یہ سب منام میں دیکھنا مشاہدۂ تمثال ہے نہ عین حقیقت آپ کی، پس سب تفوہ مولف کی ہدم اور باطل ہوگئی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فتاوی امدادیہ جلد چہارم کتاب العقائد والکلام ص ۱۰۲ پر فرماتے ہیں۔

> تمام ادلہ قطعیہ واجماع متفق ہیں کہ کشف ومنام گو لاکھوں آدمیوں کا ہو، دلائل شرعیہ کتاب وسنت واجماع وقیاس پر تعارض کے وقت راجح نہیں، اگر ان میں تعارض ہوگا تو اگر مدعی غیر ثقہ ہے تو اس کو کاذب ومفتری کہیں گے، اور اگر صالح ہے اشتباہ والتباس کے قائل ہوں گے، جیسا کسی نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا "**اشرب الخمر**" علمائے مصر نے بالاتفاق یہ کہا تھا کہ اس کو شبہ ہو گیا ہے، آپ نے کچھ اور فرمایا ہوگا، اور اس کا تعجب کیا ہے، جب بیداری میں ایسے اشتباہات احیاناً واقع ہو جاتے ہیں تو خواب کا کیا تعجب، بالخصوص جب کہ خواب دیکھنے والا متہم ہو کسی عقیدہ فاسدہ کے ساتھ تو اس کا کذب یا اشتباہ دونوں غیر بعید ہیں اس تقریر سے سب منامات ومکاشفات کا جواب ہو گیا، اور بعض علماء کا یہ بھی قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا حق اس وقت ہوتا ہے جب کہ آپ کو اصل حلیہ میں دیکھے، تو اس شرط پر دائرہ جواب کا اور وسیع ہوگا، علاوہ اس کے علمائے باطن نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک برزخ میں مثل آئینہ کے ہے کہ بعض اوقات دیکھنے والے خود اپنے حالات وخیالات کا آپ کے اندر مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

بہرحال اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے دلائل شرعیہ صحیحہ کو چھوڑنا کیسے ممکن ہے۔

اور تربیت السالک ص. ۱۰۲۰ پر فرماتے ہیں کہ

خواب حجت شرعیہ نہیں اور نہ قطعی ہے، جس کی بنا پر کسی سے مناظرہ کیا جائے مگر رویائے صالحہ بنص حدیث مبشرات میں سے ہے، جس کی خاصیت طبعاً تسلی اور فرحت ہے، اور دلائل شرعیہ کے ساتھ موافق ہونے سے اس کے صدق کا پہلو

راجح ہوجاتا ہے"

ص یہ تبلیغی تحریک عالمگیر ہورہی ہے دنیا میں مقبول ہورہی ہے، علما کی کثیر تعداد اس کی موید اور اس میں شریک ہے۔

ج تمام دنیا میں پھیل جانا کوئی دلیل مقبولیت عنداللہ اور صحت کی نہیں ہے، شریعت کے مطابق ہونا چاہئے، خواہ وہ بہت قلیل ہی لوگوں اور جگہ میں مقبول و محدود ہو، علی الخصوص جب تبلیغ مروجہ مجموعہ بہیئت کذائیہ کا بدعت ہونا محقق ہوگیا تو علماء کا موید ہونا اور شریک ہونا کچھ نافع نہیں، علماء کی تائید سے اگرچہ کثیر ہوں اور مشہور ہوں کوئی ناجائز امر جائز نہ ہوجائے گا، یہ تو اہل بدعت واہواء کا طریقہ ہے کہ اپنی بدعت کی تائید میں کوئی دلیل شرعی نہیں پاتے تو عوام الناس کی تسلی کے لئے عام مقبولیت اور مشہور و معروف صالح شخصیتوں کی تائید کا ذکر کرتے ہیں۔ **کما قال الشاطبی فی الاعتصام**

ولذالک تجد المبتدع ینتصر لبدعته بامور تخیل التشریع ولو بدعوی الاقتداء بفلان المعروف منصبه فی اهل الخیر.	اور اسی لئے تم مبتدع کو پاؤگے کہ وہ اپنی بدعت کی تائید ایسے امور سے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جن سے اس بدعی عمل کا شرعی عمل ہونا ذہن نشیں ہوجائے، اور نہیں تو کم از کم یہی دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں فلاں دینداروں اور نیک لوگوں میں مشہور و معروف شخصیت کی پیروی ہے۔

مگر اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ محض علماء کی تائید کوئی حجت شرعیہ نہیں۔

دیکھئے مولف انوار ساطعہ نے مروجہ محفل میلاد کے بارے میں جب یہ کہا کہ علی قاریؒ نے کہا ہے کہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً اور ملک مصر اور ملک اندلس اور ممالک مغربی اور ملک روم اور ملک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام واحتشام سے ہوتی ہے محفل مولد شریف کی الخ۔

تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ نے براہین قاطعہ ص ۱۹۵ پر فرمایا کہ

تمام بلاد میں اشتہار اس کا کوئی دلیل شرعی نہیں، صلوۃ لیلۃ البرات اور رغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی اور بدعت ہی رہی، پس اشتہار غیر مشروع کا موجب جواز کا نہیں (لہذا) علی قاری کا لکھنا کہ تمام بلاد میں یہ رائج ہے کوئی حجت شرعیہ نہیں۔

اور جب مولف انوار ساطعہ نے لکھ کہ محققان بالغ نظر نے جائز رکھا ان امور مستحسنہ کا جواز کلام علمائے ربانی میں موجود ہے اور اس سلسلے میں علی قاری اور سبط ابن الجوزی وغیرہ کا نام پیش کیا اور لکھا کہ سبط الجوزی نے لکھا ہے۔ **یحضر عنده فی المولد اعیان العلماء والصوفیه وغیره**

تو براہین قاطعہ ص:۱۵۸ پر جواب دیا کہ

مانعین علماء تو کلیات نصوص اور جزئیات مجتہدین سے منع کو ثابت کرتے ہیں، اور مولف کے پاس بجز اس کے کہ علماء دین نے جائز رکھا محققان بالغ نظر نے درست جانا، فلاں شریک ہوا فلاں کرتے رہے اور کچھ حجت نہیں اور یہ قول بعد ثبوت ہرگز حجت شرعیہ نہیں ہوسکتا اپنا دل خوش کرلو، مگر اہل علم کے نزدیک کوئی دلیل نہیں۔

پھر فرمایا کہ

جب نصوص اور اقوال مجتہدین سے بوجہ تقیید وتعیین کے بدعت سیئہ ہونا ان امور کا ثابت ہوگیا تو بمقابلہ اس کے علی قاری کا قول یا کسی کا قول قابل تعویل نہیں سب فضول ہے، خود علی قاری حدیث ابن مسعود میں فرماتے ہیں **من اصر علی مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من**

الاصلال فكيف مس اصر علي بدعة ومكر. (یعنی جو اصرار کرے کسی مندوب پر اور اس کو ضروری قرار دے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو اس سے شیطان نے گمراہی میں حصہ پالیا پس جو بدعت اور منکر پر اصرار کرے تو وہ کیسا ہوگا)

اور ص ۲۳۶ پر ہے

خلاف نص کے کثیر کیا تمام دنیا کا بھی تعارف معتبر نہیں اور سواد اعظم سے مراد اہل سنت ہیں اور جم غفیر کا جب قول معتبر ہوتا ہے کہ فریقین کے پاس کوئی دلیل نہیں محض رائے ہے تو اکثر کا قول معتبر جانتے ہیں، اور نص کے ہوتے جو موافق نص کے کہے اگر چہ دو تین ہوں لاکھوں کے مقابلہ میں تو یہ دو سہ جم غفیر اور سواد اعظم ہوگا۔

پھر ص: ۱۶۵ پر فرماتے ہیں

قرآن وحدیث سے کچھ ثبوت ہی نہیں پس سب آپ کے علماء کا فتویٰ لایعبأ ب ہوگیا، اور بدعت ہونا مقرر ہوگیا، اور حاضر ہونے سے مشائخ اور علماء کے کچھ حجت جواز کی نہ ہوئی، اگر کروڑوں علماء بھی فتویٰ دیویں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں اگر کچھ بھی علم وعقل ہو تو ظاہر ہے، پس قول سبط ابن الجوزی کا **يحصر عنده في المولد اعيان العلماء والصوفية**" بمقابلہ نص کے ہرگز ملتفت الیہ نہیں۔

آگے فرماتے ہیں

جو ایک دو عالم موافق نصوص شرعیہ کے فرماوے اور اس کی تمام دنیا مخالف ہو کر کوئی بات خلاف نصوص اختیار کرے تو وہ ایک دو عالم مظفر ومنصور اور عند اللہ مقبول ہوویں گے۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايزال طائفة من امتي على الحق منصورين لايضرهم مس خالفهم حتى**

یاتی امر اللہ (الحدیث) طائفہ خود قطعہ شے کا ہوتا ہے اور قلت پر دلالت کرتا ہے پس خود ارشاد فخر عالم ہے کہ جو موافق کتاب وسنت کے کہے وہ طائفہ قلیلہ اگرچہ رجل واحد بھی ہو وہ علی الحق اور اس کے مخالف تمام دنیا بھی ہو تو مردود ہے اور یہاں خود مبرہن ہوگیا کہ یہ مجلس مروج ادلہ اربعہ شرعیہ کے خلاف ہے اور ادلہ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہے، فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ اب مولف ممالک کی شمار کرکے اپنی کرم کہانی کہے جاوے، بندۂ احقر پہلے ہی عرض کرچکا کہ مولف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علماء کرتے رہے، اور یہ بشرط ثبوت وتسلیم کوئی حجت شرعیہ نہیں، حجت وہ ہے کہ ادلہ اربعہ سے پیدا ہووے۔

اور ص: ۱۹۳ پر فرماتے ہیں

اور اگر قید وتاکید کو یہ علماء بدعت نہیں کہتے تو ہرگز ان کا قول معتبر نہیں بلکہ بمقابلہ نصوص مردود ہوگا۔

اور مولف انوار ساطعہ کے اس لکھنے کے جواب میں کہ یہ عمل بہت ہی خیر وبرکت کا موجب ہے، چنانچہ ابوسعید بورانی وسخاوی، وعلی قاری وغیرہم نے اس عمل کے کرنے سے برکات خاص حاصل کیے ہیں اور حصول منافع دینی دنیوی کیلئے اس عمل کو بہت اہل اسلام وبلادِ اسلامیہ میں کرتے ہیں۔

اس کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں یہ دیا کہ

خصوصیت اعمال اخروی وعبادت کی شارع کے ارشاد سے معلوم ہوتی ہے، عقل کو دخل نہیں، ثواب وعقاب اور حدود وتعظیم اور محال توقیر کما وکیفا سب خلاف قیاس ہیں، شارع کے امر کے بغیر معلوم ہرگز نہیں ہوسکتے اگرچہ صحابی ہو عقل سے نہیں کہہ سکتے پس یہ خصوصیت اس وقت خاص میں کس نص سے معلوم ہوئی،

مولف بتادے تمام نصوص تو اس کی تخصیص کو بدعت بتلا رہی ہیں، پس اس کی خصوصیت رائے سے کس طرح ثابت ہو جاوے گی، بالآخر جب کچھ کام نہ چلا تو موف پاے بندی تجویز اس عمل میں کہتا ہے کہ یہ عمل خیر وبرکات کا ہے پس اگر محض دنیا کی زیادت کا عمل ہے تو قصہ طے ہے اور جو مرکب ہے تو پھر بوجہ آخرت کے عمل ہونے کے خصوصیت کے واسطے نص واجب ہے   اور پھر آخر میں مولف نے علمائے کرام کو اپنی کم فہمی کا شریک بنایا، اور وہی فعل علماء کی حجت لایا کہ بدوں اس کے کوئی چارہ ومفر اس کو نہیں ملتا، اور نہ کوئی اس کے پاس دلیل سوائے اس کے ہے۔

اور حضرت تھانویؒ اصلاح الرسوم ص:۹۲ میں فرماتے ہیں

کثرت سے علماء کے جواز کی طرف جانے کا جواب یہ ہے کہ اول تو کسی نے دنیا بھر کی علما شماری نہیں کی دوسرے یہ کہ جس خرابی کیوجہ سے ممانعت کیجاتی ہے اس خرابی کو کون سے علمائے کثیر بلکہ قلیل نے جائز کیا ہے، فتویٰ تو استفتاء کے تابع ہوتا ہے مستفتی اپنا عیب کب کھولتا ہے، بلکہ ہر طرح اپنی خوش اعتقادی وخلوص کو جتلا کر پوچھتا ہے اس کا جواب بجز جواز کے کیا ہوگا۔

پھر فرماتے ہیں

بڑے بڑے علماء مثل سیوطی وابن حجر وعلی قاری وغیرہم نے اگر اس کا اثبات کیا ہے تو اس وقت علماء نے ان سے اختلاف کیا تھا اور قطع نظر اس کے ان کے زمانے میں مفاسد مذکورہ پیدا نہ ہوئے تھے، اس وقت انھوں نے اثبات کیا، اب مفاسد پیدا ہو گئے ہیں، وہ حضرات بھی اس زمانہ میں ہوتے اور ان مفاسد کو ملاحظہ کرتے تو خود منع فرماتے، اس لئے اب نفی کی جاتی ہے جیسا کہ قاعدہ چہارم میں بیان کیا گیا ہے۔ جس عمل کو جن عقائد ومفاسد کیوجہ سے ہم روک رہے ہیں ان مفاسد کا اظہار سوال میں کرنے کے بعد فتویٰ منگا دو، اس وقت تمہارا یہ شبہ معقول ہو سکتا ہے اس وقت جواب ہمارے ذمہ ہوگا۔

پھر فرماتے ہیں ص:۹۳ پر

خیر خیرات اور احتشام اسلام وتبلیغ احکام کے جب اور طریقے بھی مشروع ہیں تو غیر مشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی اور ان کے حاصل کرنے کے لئے ان نامشروع طریقوں کے اختیار کرنے کی شرعاً کب اجازت ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ قاعدہ پنجم میں بیان ہو چکا ہے۔

ابن القیم ’’اعلام الموقعین‘‘ میں فرماتے ہیں۔ **إِنَّ فَضْلَهُمْ لايُوجب قبول تحمّلِ ماقالوا**’’ بے شک علما کا فضل اس کا موجب نہیں کہ جو کچھ وہ کہیں اس کو قبول کر لیا جائے۔

صاحب مجالس الابرار فرماتے ہیں

ومن ليس من اهل الاجتهاد ومن الزهاد والعباد فهو في حكم العوام لاعتد بكلامه الا ان يكون موافقاً للاصول الكتب المعتبره	اور جو اہل اجتہاد میں سے نہیں ہے، خواہ وہ زہاد اور عبادہی میں سے کیوں نہ ہوں وہ عوام کے حکم میں ہے اس کا کلام قابل شمار نہیں الا یہ کہ اس کا کلام اصول کتب معتبر کے موافق ہو۔

صاحب ردّ المختار علامہ شامی ص.۴۹ پر فرماتے ہیں

وقد قال العلامة القاسم لاعبرة بأبحاث شيخنا يعني ابن الهمام اذا خالف المنقول	بے شک علامہ قاسم نے فرمایا کہ ہمارے شیخ یعنی ابن ہمام کی بحثوں کا اعتبار نہیں جب کہ منقول کے خلاف ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا

لاعبرة بالعرف الحادث اذا خالف النص لان التعارف ـما يصح دليلا على الحل اذا كان عاما من عهد لصحابة والمجتهدين كما عمر حوابه.

یعنی کسی نئی چیز کے رواج پا جانے کا کوئی اعتبار نہیں، جب کہ وہ نص کے مخالف ہو، رواج پا جانے کے جائز ہونے کی دلیل ہے کہ وہ عمل عہد صحابہ ومجتہدین سے رواج عام پائے ہوئے ہوں، جیسے کہ فقہا نے اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ شاطبی الاعتصام ۲/۳۶۲ پر فرماتے ہیں

ن الحق هو المعتبر دون لرجال اتباع الرجال شان هل الضلال ص: ۳۵۰ الحق هو المقدم على آراء لرجال.

بے شک حق کا اعتبار ہے رجال (لوگوں) کا اعتبار نہیں آدمیوں کی اتباع تو اہل ضلال کی شان ہے آدمیوں کی رائے پر حق مقدم ہے۔

ص: ۳۴۷ پر فرماتے ہیں

اقوام خرجوا بسبب الاعراض عن الدليل ولاعتماد على الرجال عن جارة الصحابة والتابعين واتبعوا اهوائهم بغير علم فضلوا عن سواء السبيل.

بہ سبب دلیل سے اعراض اور بڑے آدمیوں پر اعتماد کے قومیں صحابہ اور تابعین کے راستہ سے نکل گئیں اور بغیر علم کے اپنی خواہشات کی اتباع کرنے لگے، پس سیدھے راستے سے بھٹک گئے

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں

ـع طرق الهدى ولايضرک قلة السالكين واياک وطرق الضلالة ولاتغتر بكثرة الهالكين.

ہدایت کے طریقوں کی پیروی کرو، ہدایت پر چلنے والوں کی تعداد کی کمی تم کو مضر نہ ہو اور گمراہی کے راستوں سے بچو، گمراہوں کی کثرت تعداد سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

غنیۃ الطالبین میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لاتنظروا الى احوال الصالحين والعالهم بل الى ماروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والاعتماد عليه حتى يدخل العبد ى حالته ينفرد بها عن غيره

صالحین کے احوال وافعال کی طرف مت دیکھو بلکہ اس کی طرف دیکھو کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہو اور اسی پر اعتماد ہو، خواہ بندہ تنہا اور منفرد ہی اس کی وجہ سے رہ جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار ص ۹۳ پر فرماتے ہیں۔

مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب وسنت می باید۔ ''مشرب پیر حجت نہیں ہے دلیل کتاب وسنت سے چاہئے۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

نیست حجت قول وفعل وشیخ وپیر
قول حق وفعل احمد را بگیر

حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانوی کو حضرت حاجی صاحب کی اتباع کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ

> پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ مامور و منہی عنہ کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہل علم کا کام نہیں لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق اور یہ امر بھی عام ہے اس سے کوئی مخصوص نہیں، اور اگر کسی عالم نے اس کے خلاف کیا ہے تو بہ سبب فرط

محبت اور جنون عشقیہ کے کیا ہے سو وہ قابل اعتبار کے نہیں، اور ہم لوگ اپنے آپ کو اس درجہ کا نہیں سمجھتے۔

بے مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

انھیں لوگوں کی شان میں ہے

اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ”فعل مشائخ حجت نباشد“ آپ نے سنا ہوگا، اور سلطان المشائخ کا یہ فرمایا کہ ”نصیر الدین درست می گوید“ تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل الشہید دہلویؒ ایضاح الحق الصریح میں فرماتے ہیں

مسائل اجماعیہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیمات در قرنِ کہ بوجود آید ہمہ از قبیل مطلق سنت است چہ مستند آں مسائل در نفس الامر سنت حقیقیہ است یا ملحق بالسنت یا سنت حکمیہ وآں ہم از قبیل مطلق سنت است ولیکن دریں مقام نکتہ است، بس باریک کہ ایضاح آں دریں خبر وزماں پر ضرور است وآں ادراک امتیاز است دریں مقام اجماع

امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے اجماعی مسائل جس زمانہ میں بھی ظاہر ہوں اور وجود میں آئیں وہ سب مطلق سنت کے قبیل سے ہیں کیونکہ حقیقت میں اس کی سند سنت حقیقی ہی ہے، یا ملحق بالسنّت یا سنت حکمیہ ہے، اور یہ بھی مطلق سنت کے قبیل سے ہے لیکن اس مقام پر ایک بہت باریک نکتہ ہے کہ جس کو واضح کر دینا اس زمانہ کے لحاظ سے بہت ضروری ہے اور وہ اجماع اور رواج کے درمیان میں فرق وامتیاز کو جان لینا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ بعض اوقات میں بعض محدثات از قسم علوم

ورواج بیانش آنکہ در بعضے احیان بعضے از محدثات از قسم علوم ورادات یا افعال واقوال بنا بر مصلحت وقت در اہل زمان بہ طریق عادت رائج می گردد، اخلاف ایشاں آں را از اسلاف خود بطریق رسم تلقی می نمایند وہمچنیں برآں مدت طویلہ می گذرد وبعد مرورِ دہور شدہ شدہ آں امر در رسم مسلمہ خواص وعوام مندرج می گردد وبرتارک آں طعن اخوان وملامت اقران متوجہ می گردد، پس جمہور انام برخوف لحوق طعن وملامت در محافظت آں جد وجہد می نمایند وبعد انقضائے مدت مدیدہ چوں در تفتیش اصل آں از شرع کلام واقع می گردد غیر از رواج مذکورہ ہیچ اصلے بدست نمی آید وچوں منشائے رواج تفتیش کردہ می شود غیر از استحسان بعضے از اسلاف ہیچ واضح نمی گردد حالانکہ

اور واردات یا از قسم اقوال وافعال مصلحت وقت کی بناء پر اہل زمانہ میں عادت کے طور پر رائج اور شائع ہو جاتے ہیں، اور ان کے اخلاف (بعد کے لوگ) اس کام اور عمل کو اپنے اسلاف سے بطور رسم کے قبول کر لیتے ہیں، اور اسی طرح اس مدت دراز گذر جاتی ہے اور زمانوں کے گذرنے کے بعد شدہ شدہ وہ کام خواص اور عوام کے مسلم اور مقبول رسموں میں داخل ہو جاتا ہے ان اس کے تارک پر ہمسروں اور ہمعصروں کی طعن وملامت متوجہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اکثر لوگ طعنہ زنی کے خوف سے اس رسم کی حفاظت کرنے میں بہت جد وجہد اور کوشش کرتے ہیں اور جب مدت دراز کے گذر جانے کے بعد اس رسم کی اصلیت معلوم کرنے میں شریعت کی روشنی میں کلام اور گفتگو کی جاتی ہے تو سوائے رواج مذکورہ کے (یعنی تمام دنیا میں پھیل گئی اور مقبول ہوگئی ہے سوائے اس دلیل کے) شریعت سے اس کی کوئی اصل نہیں ملتی، اور جب اس رسم اور رواج کا منشاء اور سبب معلوم کیا جاتا ہے تو سوائے بعض اسلاف کے مستحسن سمجھ کر ایجاد کرنے کے کچھ ظاہر اور معلوم نہیں ہوتا، حالانکہ زمانے کے

حکم شرعی آں بحسب اختلاف زمان مختلف گردیده چه در زمان اسلاف بمرتبہ التزام ورواج نه رسیده بود ودرزمان اخلاف بسبب التزام واشتہار بحد بدعت حقیقیہ یا حکمیہ رسیده وہمیں معنی رواج را رواج می گوئیم ودر بعضے احیان امرے جدید پیش می آید واہل زمان درپے تفتیش اصل آں از دلائل دینیہ وتحقیق آں از معالم شرعیہ بہ نظر استقلال می افتد بعد تامل وتفکر در اصول دینیہ دلیلے صحیح از دلائل شرعیہ کہ بر حکم شرعی آں امر دلالت داشتہ باشد بر جمیع اہلِ زمان واضح می گردد وبناء بر وضوح آں دلیل بر ثبوت حکمے از احکام شرعیہ بر آں ہمہ مجتہدان آں زمان اتفاق می نمایند ای اتفاق را اجماع می گوئیم

بدل جانے سے اس رسم کا شرعی حکم بدل چکا ہوتا ہے یعنی اس وجہ سے کہ سلف کے زمانے میں لزوم والتزام اور رواج دینے کے مرتبہ تک نہیں پہنچا تھا، اور اب اخلاف کے زمانے میں لازم والتزام اور شہرت ورواج دینے تک پہنچ جانے کی وجہ سے بدعت حقیقیہ یا حکمیہ کی حد تک پہونچ گیا ہے، اسی معنی کو ہم رواج کہتے ہیں اور بعض اوقات کوئی امر جدید پیش آتا ہے اور جاری ہوجاتا ہے اور اس وقت کے لوگ اسکی اصلیت معلوم کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں دینی اور شرعی دلیلوں سے اور اس کے حکم کی تحقیق میں معالم شرعیہ سے بہ نظر استقلال پڑجاتے ہیں، اور دین کے اصولوں میں بعد فکر وتامل دلائل شرعیہ میں سے کوئی صحیح دلیل جو کہ اس کے حکم شرعی ہونے پر دلالت اور رہنمائی کرتی ہو اس زمانہ کے تمام لوگوں پر روشن اور واضح ہوجاتی ہے اور اس دلیل کے احکام شرعیہ میں سے کسی حکم پر واضح طور پر دلالت کرنے کی بناء پر اس زمانہ کے مجتہدین اس کام کے صحیح ہونے پر اتفاق کرلیتے ہیں، تو ہم اسی کو اجماع کہتے ہیں

چوں ایں مقدمہ ممہد شد پس باید دانست کہ مجرد رواج چیزے کہ در زمان بعد قرون ثلاثہ تحقق شدہ باشد آں چیز را از حد بدعت خارج نمی گرداند بخلاف اجماع کہ انعقاد اجماع در ہر قرن کہ واقع شود مسئلہ اجماعیہ را در دائرہ سنت داخل می گرداند، انتہی

جب یہ مقدمہ ممہد ہوچکا تو اب جاننا چاہئے کہ کسی عمل کا محض رواج پاجانا، عالمگیر ہوجانا اور مقبول خاص وعام ہوجانا جو کہ قرون ثلاثہ کے بعد تحقق اور ثابت ہوا ہو اس چیز کو حد بدعت سے خارج نہیں کرتا (جیسا کہ تبلیغ مروجہ) بخلاف اجماع کے کہ اجماع کا منعقد ہونا خواہ کسی زمانے میں واقع ہو (شرائط مذکورہ کے ساتھ) تو یہ اجماع مسئلہ اجماعیہ کو دائرہ سنت میں داخل کردیتا ہے (جیسا کہ مدارس اسلامیہ اوراذکار مشائخ)

محترم ناظرین! اب امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے دل ودماغ کو روشن کردینے والا بصیرت افروز ارشاد سنیں، مکتوبات جلد دوم کے مکتوب ص:۵۴۔ ص:۱۰۳ پر فرماتے ہیں

اجتناب از اسم رسم بدعت تا از بدعت حسنہ دررنگ وروشِ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جان او نرسد وایں معنی امروز متغیر است کہ عالم دردریائے بدعت غرق گشتہ است وبہ ظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال کہ دم از رفع بدعت زند بہ احیائے سنت لب کشاید، اکثر

بدعت کے نام اور رسم یہاں تک کہ بدعت حسنہ سے بھی جب تک اس طرح اجتناب کرے گا جس طرح کہ بدعت سیئہ سے احتراز کرتا ہے تب تک اس کے مشام جان کو اس دولت (سنت) کی بو بھی نہ پہنچے گی افسوس کہ یہ حقیقت اس زمانے میں متغیر ہوچکی ہے، کہ عالم دریائے بدعت میں غرق ہوچکا ہے اور بدعت کی تاریکی

علمائے ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند محو کنندگانِ سنت، بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ بہ استحسان آں فتوی دہند، ومردم را بہ بدعت دلالت میں نمایند، چہ میگویند اگر ضلالت شیوع پیدا کند وباطل متعارف شود تعامل گردد مگرنمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملے کہ معتبر است، ہماں است کہ ازصدر اول آمدہ است تا بہ اجماع جمیع مردم حاصل گشتہ کما ذکر فی الفتاویٰ الغیاثیہ **قال الشیخ الامام الشہید رحمۃ اللہ علیہ لاناخذ باستحسان مشائخ بلخ بل انما ناخذ بقول اصحابنا المتقدمین رحمہم اللہ سبحانہ لان التعامل فی بلدۃ لایدل علی الجواز وانما یدل علی**

میں اطمینان کا سانس لے رہا ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم بھر سکے اور سنت کے زندہ کرنے کے لئے لب کھول سکے اس زمانے کے اکثر علماء بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے محو کرنیوالے ہیں، پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل خلق جان کر اس کے جواز بلکہ اس کے استحسان کا فتویٰ دے رہے ہیں، اور لوگوں کو بدعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں، کیا کہیں گے یہ علماء کہ ضلالت اور گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف اور رواج پا جائے تو کیا یہ تعامل ہو جائے گا شاید یہ علماء نہیں جانتے کہ محض تعامل اور رواج دلیل استحسان نہیں ہے جو تعامل معتبر ہے وہ وہی ہے جو کہ صدر اول سے چلا آرہا ہو، یہاں تک تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہو، جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے کہ الشیخ الامام الشہید نے فرمایا کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو نہ لیں گے ہم تو

الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فیکون ذالک دلیلاً علی تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما اذا لم یکن کذالک لایکون فعلہم حجۃ الا اذا کان ذالک عن الناس کافۃ فی البلدان کلہا لیکون اجماعًا والاجماع حجۃ الا تری انہم لو تعاملوا علی بیع الخمر وعلی الربوا لایفتی بالحل وشک نیست کہ علم بہ تعامل کافۂ انام وبہ عمل جمیع قری وبلدان از حیطۂ بشر خارج است باقی ماند تعامل صدر اول کہ فی الحقیقت تقریر است وزاں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام وراجع بہ سنت اور علیہ السلام بدعت کجا است وحسن بدعت کدام

اپنے اصحاب متقدمین کے قول کو اختیار کریں گے اللہ سبحانہ اپنی رحمت ان پر نازل فرمائے اس لئے کہ تعامل کسی شہر کا جواز پر دلالت نہیں کرتا، جواز پر دلالت وہ تعامل کرتا ہے جو صدر اول سے برابر ہمیشہ چلا آرہا ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے ثابت ہوگا لہٰذا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے ثابت مانا جائے گا لیکن اگر ایسا نہ ہوگا تو لوگوں کا یہ فعل حجت نہ ہوگا الا یہ کہ تمام کے شہروں کے تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہوتا کہ اس کو اجماع کہا جا سکے اور اجماع حجت ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر بیع خمر اور سود پر لوگ تعامل کریں تو اس کی حلت کا فتویٰ ہرگز نہیں دیا جا سکتا، اور اس میں شک نہیں کہ تمام کے تمام لوگوں کے تعامل اور جمیع قری اور بلدان کے عمل اور اتفاق کا علم حیطۂ بشر سے خارج ہے، باقی صدر اول کا تعامل تو وہ دراصل آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ہے اور سنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدعت کجا اور حسن بدعت کدام۔

اور مکتوبات دفتر اول کے ص ۳۵۳ پر مکتوب ص ۲۶۱ میں فرماتے ہیں

عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نہ کنیم وامر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم، ایں جا قول ابی حنیفہ وامام ابو یوسف وامام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی وابو حسن نوری الخ	حلال وحرام ہونے میں عمل صوفیہ سند نہیں ہے یہی غنیمت ہے کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کے معاملہ کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کردیں، اس جگہ قول ابی حنیفہ وابی یوسف وامام محمد معتبر ہے، ابو بکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل معتبر نہیں ہے

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء کی ایک بڑی تعداد اس تبلیغی جماعت میں شریک نہیں ہے، احقر راقم السطور کو بڑے اور چھوٹے بہت سے علمائے کرام سے اس سلسلے میں گفتگو کا اتفاق ہوا ہے ان میں سے اکثر کو تبلیغ مروجہ سے شاکی اور خلاف پایا، متعدد حضرات کی تنقیدات وشکایات رسائل وجرائد میں دیکھنے میں آئیں اور بعض حضرات نے تو مستقل رسالے ہی شائع کئے ہیں۔

ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ کے ماہنامہ الفرقان میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ

۱۸/ جون کے ”صدق“ میں مندرجہ ذیل مراسلہ شائع ہوا ہے اس میں محترم مدیر صدق کو مخاطب کرکے لکھا گیا ہے کہ

> آپ سے درخواست ہے کہ خود تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوں اور معتبر علماء کو شرکت پر آمادہ کریں، اور بڑے اجتماعات ہی نہیں چھوٹے اجتماعات میں شرکت کریں، اور مبلغین کرام کی تقریریں بغور سماعت فرما کر ہم کم علموں کی رہنمائی فرمائیں کہ آیا ان کی تقریریں قابل سماعت ہیں یا نہیں، اب تو کھل کر ہر تقریر میں تبلیغ میں نکلنے کے استدلال میں جہاد کی آیات پڑھی جارہی ہیں، اور اس تبلیغ سے تعلق نہ رکھنے والوں کے لئے جہاد سے گریز کرنے والوں کی وعیدیں سنائی جارہی ہیں، اگر تبلیغ میں عمر کے چار چلے، سال کا چلہ، مہینے کے تین دن نکلنا شرعاً ضروری ہے تو آپ حضرات اس کو چھپا کر ہم عوام کو کیوں جہنم کی طرف دھکیل رہے ہیں، اور اگر یہ جزو دین نہیں ہے تو براہِ کرام اس کی وضاحت فرمائیں لکھنے کو تو بہت دل چاہتا ہے لیکن نہ میرا وہ مقام ہے نہ اتنی جرأت ابتہ یہ آپ حضرات کا کام ہے مجھ میں تو اتنی جرات بھی نہیں کہ اپنا نام ظاہر کروں اس لئے کہ سارے متعلقین تبلیغی ہیں اور سارے مخدوم حضرات اس سے وابستہ ہیں، نکلنا دشوار ہو جائے گا“

> پھر حضرت مولانا نعمانی نے اس مراسلہ پر تبصرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ افسوس ہے کہ صاحب مراسلہ نے اپنے اس تاثر کے اظہار میں اس عاجز کے نزدیک بڑی بے احتیاطی اور دین کی خادم ایک پوری جماعت کے حق میں سخت تعدی ہوئی ہے۔

پھر خود ہی تبلیغی جماعت کی پوری مدافعت فرمائی، بخوف طوالت یہاں اس کو نقل نہیں کیا جس کو شوق ہو رسالہ مذکورہ ملاحظہ کرے۔

حضرت مولانا نعمانی کے جواب کا جواب جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ۲۳/ جولائی ۱۹۷۱ء کے اخبار صدق میں شائع فرمایا جو حسب ذیل ہے

> ۱۸/ جون ۷۱ء کے صدق جدید میں ایک مراسلہ ”تبلیغی جماعت میں غلو سے

متعلق شائع ہوا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مراسلہ نگار نے ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے بالکل صحیح نشاندہی کی ہے، جولائی کا الفرقان (نگاہ اولیں) دیکھ کر تعجب ہوا جس میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے مدافعت میں اپنا پورا زور صرف کیا ہے اگر مولانا اجازت دیں گے تو پھر کسی وقت غلو کے بارے میں مفصل گفتگو کروں گا، اگرچہ کسی خاص فرد و جماعت کو نشانہ بنا کر گفتگو کرنا میرے مزاج اور مسلک کے خلاف ہے۔

اس وقت صرف اتنی گذارش ہے کہ میرے نزدیک مولانا محترم کی مدافعت خود غلو کا نتیجہ ہے جس کی توقع مولانا جیسے قامع بدعت سے نہ تھی، میری مخلصانہ رائے ہے کہ بہ حیثیت مجموعی تبلیغی جماعت کا جو مزاج بنتا جا رہا ہے اس سے علی میاں ندوی اور مولانا منظور نعمانی صاحبان بری نہیں قرار دیئے جاسکتے، میں تبلیغی جماعت کا خیر خواہ اور قدر دان ہوں، وقتاً فوقتاً اجتماعات میں شریک ہوتا (پہلے تقریر بھی کرتا تھا) اور مرکز میں حاضری بھی دیتا ہوں یونیورسٹی کی مناسبت سے میں نے کوشش کی کہ اس کے پروگرام میں درس قرآن کا اضافہ ہو اور مولانا ندوی اور مولانا نعمانی کی بھی کتابیں پڑھی جایا کریں لیکن ہماری ملی زندگی کا یہ سانحہ کس قدر روح فرسا ہے کہ جہاں کوئی معمولی بات کسی فرد یا جماعت کے خلاف کی گئی، بس نیاز مندوں کی ایک فوج میدان میں اتر آئی، اور پھر وہ دین وملت کی سب سے بڑی خدمت سمجھ کر کہنے والے کی سرکوبی میں مصروف ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر فرد جماعت (بلا استثناء) کے بارے میں سنجیدہ غور وفکر اور صلاح ومشورہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے صرف نیاز مندوں کی فوج باقی رہ گئی ہے، اللہ سے دعا ہے کہ ملت کو نادان دوستوں اور اجارہ داروں سے محفوظ رکھے۔ آمین (یہ مضمون ۲۷/ جولائی ۷۱ء کے اخبار سیاست میں شائع ہوا جو کہ اخبار

صدق سے منقول ہے)

حضرت مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہم العالی کا ایک مضمون ۴۸ء کے کسی ماہ الفرقان میں شائع ہوا اس کے بعد ابھی حال ''البلاغ'' کراچی میں شائع ہوا اس مضمون میں اس جماعت کے بارے میں فرمایا کہ

> سب سے مشکل چیز اعتدال ہے، انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجۂ اتم ہوتا ہے، ہم صاف کہتے ہیں کہ یہ بالکل امکان ہے کہ پچیس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحب نظر بھی ہوں، اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق بھی ہو اور ہمارے اس طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں، اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت ہمارا نام لے کر محض اس بناء پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا، اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری اس تحریک میں ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء کے لئے ہمیشہ کی واسطے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے جب تک اس مخصوص طریقہ پر تقریر نہ ہو اسی خاص ڈھنگ پر اور ان ہی ساری پابندی پر گشت نہ ہو اور اجتماعات میں مقررہ طریقے سے دعوت نہ دیجائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہے، یہ بے اعتدالی ہے اور رویہ خطرناک ہے، اسلئے اس طرز عمل کیوجہ سے مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے ہیں، اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہونچایا ہے کہ ہر تقریر کے بعد جہد وعمل کی دعوت ضرور دیجائے، ہر بستی میں ایک مرکزی اجتماع ضرور ہو، رات کو مساجد میں قیام ہو وغیرہ وغیرہ، پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی

ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہئے، لیکن اگر ہفتہ کا اجتماع ہمارے شہر لکھنؤ کی نوچندی جمعرات کی طرح ایک رسم بن جائے، رات کا قیام رت جگا کی طرح رسمی ہو جائے اور دین کے کام کے لئے چلنا ایک رسم بن جائے تو یہ اک مذہب بن جائے گا اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی، اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ ان کے خلاف جدوجہد کریں، اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقاصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں، ایسے مواقع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا تفقہ فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا ہے

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

جناب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی فرماتے ہیں، اخبار الجمعیۃ ۲۴/ مارچ ۷۳ء

دینی کارکن ہونے کے ناطے ہمارے علماء اور طلباء کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مسلم معاشرہ کے سدھار کے لئے وقت نکالا کریں، اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول پر نظر رکھا کریں، آخرت میں سب سے پہلے ہم سے اپنے ماحول اور اپنی بستی کے سدھار کی جواب طلبی ہوگی، ماں باپ کی حیثیت سے سب سے پہلا سوال اولاد کے بارے میں ہوگا، استاد کی حیثیت سے پہلا سوال شاگردوں کے متعلق ہوگا، امام مسجد کی حیثیت سے پہلا سوال اس مسجد کے مقتدیوں کے متعلق ہوگا۔

اصلاح و دعوت کے لئے ہم لمبے چوڑے خواب دیکھتے ہیں اور ایران و توران کے پروگرام بنانے کا شوق ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے، لیکن ہمارا ماحول ہماری توجہ کا پہلا مستحق ہوتا ہے، داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس کے عوام کو ہوشیار کرنا آپ کی پہلی ذمہ داری ہے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی نے انگلینڈ سے آئے ہوئے اس سوال کے جواب میں کہ مدارس اسلامیہ کے معلم کو تعلیم چھوڑ کر تبلیغ میں وقت صرف کرنا اور از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں۔

جو ارشاد فرمایا، خلاصہ کے طور پر حسب ذیل ہے۔

قال تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ (الی) الْحِجَارَۃُ وقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الا کلکم راع (الحدیث) آیت کریمہ کا مفاد اور مفہوم یہ ہے کہ مذہب اور دین کی بنیادی تعلیم یعنی عقائد اور فرائض کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا جس طرح اپنے حق میں فرض عین ہے تاکہ دوزخ کی آگ سے بچ سکے ایسے ہی گھر والوں کے حق میں بھی فرض عین ہے، کہ ان کو تعلیم دے اور دینی باتیں سکھائے اور جہاں تک اس کے امکان میں ہو عمل کرائے اور سدھارنے کی کوشش کرے تاکہ وہ دوزخ کی آگ سے بچ سکیں، حدیث شریف نے اس کی وضاحت کر دی کہ یہ امر اپنی ذات اور گھر والوں ہی تک محدود نہیں بلکہ ہر صاحب اقتدار کا فرض ہے کہ وہ اپنے زیر اقتدار کو سکھائے اور تربیت کرے کوتاہی پر بارگاہ رب العزت میں جواب دہ ہوگا اور جب جواب دہی ہر ایک پر لازم تو بصورت اختیار و اقتدار فرض عین ہوگا پس آیت کریمہ اور حدیث شریف کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ وہ معلم اور اساتذہ جن کو بچوں کی دینی تعلیم دلانا سپرد کیا جاتا ہے، ان کے حق میں سپرد شدہ بچوں کی تعلیم و تربیت فرض عین ہو جاتی ہے اگر اس میں کوتاہی کریں گے تو خدا کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔

قرآن اور دین کی تعلیم دے کر بچوں کو دین و ایمان سے آشنا کرنا دین و ملت کی سب سے زیادہ ضروری اور اہم بنیادی خدمت ہے اور سب سے افضل بھی ہے

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام خیرکم من تعلم القرآن وعلمه وفی روایة ان افضلکم من تعلم الخ وقالؐ ان اللہ وملئکته واهل السموات والارض حتی النملة فی حجرها حتی الحیتان فی البحر علی معلم الناس الخیر (ترمذی)

ظاہر ہے کہ قرآن شریف اور عقائد وعبادات کی تعلیم جو بچوں کو دیجاتی ہے خیر ہی نہیں بلکہ خیر عظیم ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں عالمٌ عامل ومعلم تدعی کبیرا فی ملکوت السموات غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینا اور ناواقف مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرنا اور احکام اسلامی کی پابندی کی ہدایت کرنا بھی ایک فریضہ ہے کما قال تعالیٰ وَالْتَكُنْ مِّنْكُمْ (الآیۃ) وقالؐ بَلِّغُوْا عَنِّیْ (الحدیث) مگر یہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کما قال تعالیٰ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ الی یحذرون

خصوصاً دوسرے مقامات کے مسلمانوں کو تعلیم دینا، جہاں کے مسلمان حدیث مذکورۃ الصدر کے بموجب آپ کی رعیت نہیں، نہ قرابت کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری آپ پر ہے نہ سپردگی کے لحاظ سے کہ جس طرح بچوں کو معلمین کے سپرد کیا جاتا ہے نہ وہاں کے مسلمانوں کو آپ کے سپرد کیا گیا ہو، نہ آپ کے منصب کے لحاظ سے کہ آپ حاکم اور امام ہوں، ایسے غیر متعلق اور اجنبی مسلمانوں کو تلقین وتبلیغ جو تبلیغی (مروجہ تاقل) جماعت کا موقف ہے (اگر صحیح طریقہ اور حدود شرع کے مطابق ہو ۱۲ ارناقل) تو یہ صرف فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے فرض عین کی حیثیت یقیناً نہیں رکھتی۔

پس بچوں کے دینی تعیم کے فرض کو جو اس معلم کے حق میں جس کے سپرد یہ بچے

> کیے گئے ہیں فرض عین کی حیثیت رکھتا ہے اور افضل ترین دینی خدمت ہے اس کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں وقت صرف کرنا یقیناً ناجائز ہے بلکہ تبلیغ کے مبارک عنوان پر ظلم ہے، ایسے ہی معلم عنداللہ جواب دہ ہوں گے، اور جو بچے ان کی بے اعتنائی کے باعث محروم رہیں ان کی محرومی کا وبال ان معلمین پر ہوگا، جو تبلیغ کے نام پر ادائے فرض میں کوتاہی بلکہ خیانت کر رہے ہیں۔
>
> تعجب ہے تبلیغی جماعت کا نام لینے والے معلمین کس طرح ایسے چلہ کا جواز نکالتے ہیں، جس سے ان بچوں کی تعلیم برباد ہوتی ہے جن کی تعلیم وتربیت ان کے حق میں مذکورہ بالا نصوص کے علاوہ اس عہد وپیمان کے لحاظ سے بھی ضروری ہے جو ملازمت کے وقت عملاً یا عرفاً کیا جاتا ہے در حقیقت ایثار کی صورت یہ ہے کہ حضرات مدرسین ومعلمین اپنے حق کا وقت تبلیغ (نہ کہ مروج تبلیغ ۱۲ ارناقل) میں صرف کریں نہ یہ کہ مدرسہ کے حق کے وقت کو کسی تاویل سے حاصل کریں اور تبلیغ کا نام کریں۔ (اخبار الجمعیۃ یکم مئی ۱۹۶۸ء)

ایک رسالہ جماعت تبلیغی بستی نظام الدین کے سلسلے میں معروضات ومکاتبات کے نام سے جناب صوفی محمد حسین صاحب مدظلہ العالی مرادآبادی کی طرف سے شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے اکابر علماء کے مکاتیب درج کیے ہیں اس رسالہ کے ص ۸۰ پر ہے کہ

> آج کل اس تحریک (یعنی تبلیغی جماعت) میں ایسی کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں جیسا کہ پہلے بھی دین انبیاء میں چند روز کے بعد تحریفات ہو جایا کرتی تھیں اور اصل دین مسخ ہو کر رہ جایا کرتا تھا، مبادا یہ تحریک ان غلط روش کے نام نہاد مبلغین کی سازشوں سے بجائے دینی نفع کے بددینی کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔
>
> صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں

حضرات علماء جو تفسیر، حدیث وفقہ اور دوسرے علوم کی درسگاہوں میں بیٹھ کر اشاعتِ دین کر رہے ہیں، فتاویٰ کے ذریعہ ہزاروں مسائل کے روزانہ جواب تحریر فرماتے ہیں وعظ اور مناظروں کے ذریعہ دین نبوی کو نکھارتے رہتے ہیں اور نہ صرف نماز روزہ کی تبلیغ کرتے ہیں بلکہ دین کے ہر شعبے کو باطل سے نکھار کر قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں، مخالفین کا علمی مقابلہ کرتے رہتے ہیں کیا یہ تبلیغی جماعت صرف نماز وروزہ کے ترغیبی فضائل سنا کر خروج اور چلے دینے سے ان کے ہم پلہ ہوگی، اور ان سے مستغنی کر سکتی ہے، اور کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اصل دین خروج ہے اور علماء کوئی چیز نہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس جہل مرکب سے نجات عطا فرمائے، اور خروج جس کو وہ سب سے اعلیٰ دینی تبلیغی خدمت سمجھتے ہیں موجودہ نوعیت کے ساتھ اس کی فرضیت کہیں قرآن وحدیث سے ثابت کر سکتے ہیں۔

حضرت مولانا الیاس صاحب نے بعض علاقوں کے لئے اس طریقہ کو مفید سمجھ کر جاری فرمایا تھا جس کے نافع ہونے کا انکار نہیں، لیکن کیا اس کو اپنے حدود سے بڑھا دینا التزام مالایلزم اور احداث فی الدین نہیں ہے۔

ص ۲ مکتوب نمبر ۲ میں ہے

یہ تبلیغی خدمت بہت اہم خدمت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا مگر اس وقت جب تک صحیح طریقہ سے اپنے حدود کے اندر اصول وشرائط کے مطابق ہو۔ قاعدہ ہے کہ ہر شئ اپنے حدود کے اندر اصول وشرائط کے مطابق مقبول ہوتی ہے ورنہ لغو ہو جاتی ہے اذا جاوز الشي عن حده فلغا. جب شے اپنے حد سے متجاوز ہو جاتی ہے تو لغو ہو جاتی ہے۔

ص:۲۱ پر ہے کہ

یہ طریقہ تو اہل زیغ اور گمراہوں جماعتوں کا ہے کہ عوام کو پھانسنے کے لئے کرامتوں کے نام سے ایسے واقعات بیان کیا کرتے ہیں کہ جن کی وجہ سے حق پوشیدہ ہو جائے اور بدعات ورسوم غالب ہو کر ایک نیا مسلک اور مذہب بن جائے۔ تبلیغ کی دن دونی ترقی اور عالمگیر اشاعت کو بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے، جو لوگ دور دراز سے تبلیغ کے لئے آتے ہیں، ان کا خاص طور سے مظاہرہ کیا جاتا ہے جو مفاد اس مظاہرے سے پیش نظر ہیں کسی درجہ میں صحیح ضرور ہیں لیکن خود بیان کرنے والوں پر اور تبلیغ کے لئے آنے والوں پر اس کا جو ایک باطنی ضرر ریا اور تفاخر وغیرہ مضرت رساں ہے وہ قابل احتراز ہے اور ہمارے بزرگوں کے بھی اصول کے خلاف ہے اور ان کا یہ عمل درآمد ان معتبر فضائل سے گذر کر جو واقعی اور معتبر ہیں ان خود ساختہ فضائل کے بیان پر محول ہوتا جا رہا ہے جس سے بالخصوص عوام میں گمراہی کا اچھا خاصا دروازہ کھل گیا ہے۔

ص:۲۵ پر ہے

یہ بات صحیح ہے کہ تبلیغ انبیاء علیہم السلام کا کام ہے مگر یہ بتلایا جائے کہ جو طرز عمل اس کے لئے اختیار کیا جا رہا ہے وہ کہاں سے ثابت ہے، وہ مقامات جہاں پر اسلام کی تبلیغ نہ پہنچی ہو وہاں تو پہنچانا یقیناً فرض ہے، لیکن جہاں تبلیغ ہو چکی اور تعلیمات اسلام پہنچ چکیں وہاں اس کی تجدید صرف مستحب رہ جاتی ہے، اس کو فرض کہنا دوسرے فرائض پر اس کو ترجیح دینا اور فرض جیسا اس کا اہتمام کرنا بدعت سیئہ اور احداث فی الدین نہیں تو کیا ہے؟

صفحہ ۲۸ پر ہے

لفظ خروج کی کثرت سے رٹ لگانے کا کیا مطلب ہے، اگر یہی مطلب ہے کہ گھر چھوڑ کر چلے لگاؤ تو یہ بات جواب طلب ہے کہ اس خروج کا ماخذ کیا ہے،

قرآن وحدیث میں نظر دوڑانے کے بعد کہیں بھی اس کی فرضیت کا ثبوت نظر نہیں آتا اور اگر آیت کریمہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس سے اس کی فرضیت پر استدلال کیا جاتا ہے تو صحیح نہیں، اس واسطے کہ اس اخرجت کے کسی مفسر نے خلقت کے معنی لکھے ہیں، اور کسی نے اظہرت کے، پس یہ لفظ خروج مصطلح کے معنی میں زیادہ سے زیادہ محتمل ہے پس جب خروج مصطلح کی فرضیت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں تو خود سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس کا استحباب کا درجہ ہے پھر یہ خروج بایں معنی احداث فی الدین نہیں تو کیا ہے؟

ص:۶ پر مکہ معظمہ سے ایک صاحب کے نام آئے ہوئے خط میں لکھا ہوا ہے۔

> تبلیغی جماعت کے متعلق احقر نے پھر غور کیا ان میں بعض لوگ مخلص بھی ہیں، مگر ان کا طریقہ کار بالکل غلط ہے اور ان کو اپنے معاملات میں غلو بہت ہے، لہٰذا مخلص لوگوں کا خلوص بھی کام نہیں دیتا یہ اپنی مساعی کو علماء اور صوفیہ کی مدد اور مشوروں سے بالاتر سمجھتے ہیں، اور اپنے زعم میں اپنے خلوص اور ایثار کو اتباع سنت اور اہتمام عظمت دین سے بے نیاز سمجھتے ہیں ان کے لئے کوئی مشورہ اور علماء یا صوفیہ کا تنبیہ بھی کارگر نہ ہوگا، کیونکہ یہ لوگ اپنے کو اس سے بالاتر سمجھتے ہیں اور علمائے شریعت اور صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ لوگ بے عمل ہیں، حالانکہ صریحاً اس جماعت کے لوگ اپنے اخلاص کو کسی عالم باطن سے صحیح اور نافع بنانے کا بھی اہتمام کرلیں، ہر شخص کو خصوصاً جن کے ذمہ معاش اور اہل وعیال کی نگرانی کی ذمہ داری ہے، یا جن کو تبلیغ کا سلیقہ اور قابلیت نہیں ہے اور نہ انکا جذبہ تبلیغ صحیح طور پر تربیت یافتہ ہے اس جماعت میں شریک نہ ہونا چاہئے ورنہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوگا۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خلیفہ اول واجل اور معتمد خصوصی نیز حضرت محمد یوسف صاحبؒ کے ماموں تھے، جنکی ساری عمر مولانا الیاس صاحبؒ کے رفیق کار کی حیثیت سے تبلیغی خدمات میں گذری اور اس سلسلے میں موصوف نے متعدد کتابیں بھی لکھیں، ایک کتاب "بندگی کی صراط مستقیم" تصنیف فرمائی، اس کے آخر میں "ایک ضروری انتباہ" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے اس مضمون میں فرمایا کہ:

> نظام الدین کی موجودہ تبلیغ میرے علم وفہم کے مطابق نہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق ہے جو علماء کرام اس تبلیغ میں شریک ہیں ان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کام کو قرآن وحدیث، ائمہ سلف اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق کریں چونکہ ایک چیز دین کے نام سے پھیل رہی ہے، یہی میرے نزدیک تمام آفات وبلایا کے نزول کا اصل باعث ہے، اسی ضرورت نے مجھے اس رسالے کی اشاعت پر مجبور کیا، تاکہ علمائے کرام اس کی طرف توجہ فرمادیں اور ان خرابیوں کا انسداد فرمادیں، جن کی وجہ سے ملت تباہی اور بربادی میں مبتلا ہورہی ہے، یہی اصل مقصود ہے میری عقل وفہم سے یہ چیز بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف بدعت حسنہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس کو اب انتہائی بے اصولی کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جارہا ہے۔ اور اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعت حسنہ بھی نہیں کہا جاسکتا، میرا مقصد صرف اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ صاحب مدظلہ دہلوی کتاب "اصول دعوت وتبلیغ"

ص ۵۱ پر فرماتے ہیں کہ

بہت سے حضرات نے فضائل تبلیغ میں کتابیں لکھی ہیں اور تعلیم میں انھیں کو سنایا جاتا ہے اس سے بڑا مغالطہ ہو رہا ہے عام طور سے لوگ ان تمام فضائل کا مصداق اس تحریک کو سمجھتے ہیں حالانکہ سخت ضرورت ہے کہ مولفین اس میں امتیاز پیدا کریں، یہ بہت بڑی تلبیس ہے اور اگر اس تحریک کو واقعی اس درجہ کا سمجھتے ہیں کہ یہ سب سے افضل ہے اور یہ سنت ہے تو اس پر قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل قائم فرمائیں اور جب یہ سنت ثابت ہو جائے تو یہ بھی بتائیں کہ اول سے لے کر آج تک یہ سنت متروک رہی ہے تو کیا سب علماء وصلحاء اور مجددین امت کو تارکین سنت سمجھیں؟ اس کا انطباق ضرور فرمائیں، عجیب تضاد ہے کہیں تو اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں، کہیں اس کا بانی ومحرک حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ کو قرار دیتے ہیں، میں تو اس سے یہی سمجھتا ہوں کہ کسی کے نزدیک بھی اس کی حیثیت متعین نہیں ہے، کیف ما اتفق اس کو افضل قرار دینے کی دھن ہے اور تحت الشعور یہ بات دبی ہوئی ہے جب یہ کام افضل ثابت ہوگا تو ہماری افضلیت خود بخود ثابت ہو جائیگی۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوذُبِکَ مِن شُرُوْرِ اَنفُسِنَا

کتاب ”حیات شیخ الاسلام (حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ) کے نایاب گوشے“ کے ص ۳۴ پر ہے کہ

اسی سفر مدارس کے بعد قاری اصغر علیؒ نے دوسری مجلس میں حضرت مدنی سے ایک سوال کیا کہ حضرت! جماعت تبلیغ کے بارے میں بہت سے لوگ شکایات بھیجتے رہتے ہیں حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ کیا؟ قاری صاحب نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ گشت کی صورت میں جماعت والے ناپاک

کپڑوں کا عذر کرنے والوں کو یہ کہتے ہیں کہ آج انھیں کپڑوں سے نماز ہو جائے گی، مسجدوں میں تشکیل کے وقت جبراً نام لکھوا کر بھیجنے کی کوشش کرتے ہیں، اس قسم کے ہمارے پاس خطوط آتے رہتے ہیں، لیکن مجھے اس معاملہ میں معلومات نہیں ہیں اس وجہ سے جواب کی طرف زیادہ التفات نہیں کرتا ہوں، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا ہاں شکایات تو ہمارے پاس بھی آتی ہیں، میں نے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو سمجھایا تھا کہ اس کام کو عوامی سطح پر لانے میں لااعتدالیاں بھی سرزد ہوں گی، لیکن مرحوم کی سمجھ میں نہیں آیا۔ میری تحریریں اور اس جماعت کے متعلق حمایتیں نہ ہوتیں تو میں اس طرز کی مخالفت کرتا، لیکن اب کیا کیا جائے، عوام خرابطہ میں پھنس جائیں گے، اس کے بعد ارشاد فرمایا، اس تبلیغی پروگرام سے اس زمانہ میں بھی کچھ علمائے بالکلیہ متفق نہیں تھے، میں نے ہی نہیں، میرے علاوہ دوسرے علماء ومشائخ مولانا عاشق الٰہی مرحوم وغیرہ نے بھی اس بارے میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے گفتگو کی تھی، لیکن مولانا نے اس سلسلہ کو جاری کر ہی دیا۔

س جب تبلیغ مروجہ سے عظیم الشان فائدہ ہو رہا ہے بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیے، کتنے بے نمازی نمازی ہو گئے، کتنوں کے عقائد درست ہو گئے، اور موجودہ زمانے میں دین سے جو غفلت وبے گانگی بے پرواہی اور آزادی ہے وہ بھی مخفی نہیں، اور موجودہ صورت وہیئت کا فائدہ تجربہ سے معلوم ہو گیا تو ایسے اہم اور مفید کام کو ترک نہ کیا جائیگا، بلکہ عوام کی علمی وعملی غلطیوں کی اصلاح کی جائے گی، نہ ان کی غلطی سراہا جائے گا، نہ ان کی غلطی کی وجہ سے تبلیغ سے بددل ہو کر کام کو چھوڑا جائے گا، نہ تبلیغ کے فوائد سے صرف نظر کیا جائیگا، بلکہ خود غلطی سے بچتے ہوئے دوسروں کو غلطی سے بچانے کی کوشش کی جائیگی۔

ج غلط ہے، جب تبلیغ مروجہ کا غیر موقوف علیہ قیود وتعینات سے مقید ومتعین ہونے، غیر

> ضروری کو علماً یا عملاً ضروری قرار دینے، پابندی واصرار، تاکد والتزام اور مفضی الی فساد عقیدۃ العوام ہونے اور لحوق مکروہات کی بنا پر بدعت اور مکروہ ہونا ثابت ہوگیا تو پھر اس کا ترک کر دینا واجب ہے خواہ اس سے کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو، اور وہ فائدے تجربہ سے ثابت ہوں یا بدون تجربہ کے

حدود وقوانین الہیہ اور اصول وقواعد شرعیہ کو توڑ کر دین کو بگاڑ کر اور نقصان پہنچا کر دین کی اشاعت وتبلیغ کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا، تبلیغ کی اہمیت تسلیم ہے، خوب خوب کی جائے لیکن مقید ومتعین مخترع اور مروجہ تبلیغ کو بوجہ اوصاف مذکورہ ترک کر دیا جائے شریعت مطہرہ وملت بیضاء کی حفاظت اسی میں ہے، ورنہ خواہ کتنی ہی نکیر کیوں نہ کی جائے قول سے ہرگز سد باب فتنہ نہیں ہوسکتا، اسی لئے حامیان شرع متین اور ناصران دین مبین حکمائے اسلام اور فقہائے امت نے امور مکروہہ کی کراہت کے فتویٰ کے ساتھ ساتھ وجوب ترک کا بھی فتویٰ دیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

> کام کم ہو مگر صحیح طریقہ سے ہو تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا اور اگر غلط طریقہ سے ہو تو اس پر مواخذہ ہوگا۔

نیز فرماتے ہیں

> اگر کسی امر خلاف شرع کرنے سے کچھ فائدے اور مصلحتیں بھی ہوں، جن کا حاصل کرنا شرعاً ضروری نہ ہو یا اس کے حاصل کرنے کے اور طریقے بھی ہوں اور ایسے فائدوں کے حاصل کرنے کی نیت سے وہ فعل کیا جائے یا ان فائدوں کو دیکھ کر عوام کو ان سے روکا نہ جائے تو یہ بھی جائز نہیں نیک نیت سے مباح تو عبادت بن جاتا ہے اور معصیت مباح نہیں ہوتی، خواہ اس میں ہزاروں مصلحتیں اور منفعتیں ہوں نہ اس کا ارتکاب جائز، نہ اس پر سکوت کرنا جائز، اور یہ قاعدہ بہت ہی بدیہی ہے مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے غصب اور ظلم کرکے مال جمع کرے کہ محتاجوں اور مسکینوں کی امداد کریں گے تو ہرگز ہرگز ظلم اور غصب جائز نہیں ہوسکتا خواہ لاکھوں فائدے اس پر مرتب ہونے کی امید ہو۔ (اصلاح الرسوم)

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں

> دعیٰ عوام کا سماع ذکر ولادت کی طرف ہونا اس وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ ہو، ورنہ رقص وسرود زیادہ تر دواعی ہیں اور روایت موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کی جاتی ہیں، پس کون ذی فہم بعلت دعوت عوام ان کا مجوز ہوجائیگا، یہ امر یقینی ہے کہ جو امر خیر بذریعہ غیر مشروعہ حاصل ہو وہ امر خیر نہیں اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہوجاوے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو جائز الحصول نہ ہوگا۔ (تذکرۃ الرشید)

مولف انوار ساطعہ نے جب یہ سوال قائم کیا کہ تعین کی کیا حاجت ہے؟ تو خود ہی جواب دیا کہ صحابہؓ کے دل میں خود شوق تھا کسب خیرات وحسنات کا، وہ اپنے ولولہ اور عشق دلی سے امور صالحہ کرتے تھے، ان کو یہ کسی تاکید کیفرورت تھی نہ تعین کی، نہ یاد دلانے کی، جب وہ دور گذر چکا، لوگوں کے دلوں میں بے رغبتی امور صالحہ کی پیدا ہوگئی، اس کیلئے علمائے دین نے بنظر اصلاح دین فتویٰ واحکام پیدا کیے، مثلاً اجرت بر تعلیم قرآن وزینت مساجد واذکار مشائخ وغیرہ۔

تو اس کا جواب مولف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ص ۱۳۶۰ پر یہ دیا کہ

کلیات نصوص اور جزئیات وکلیات فقہ سے ثابت ہولیا کہ یہ تعین بدعت ہے اور تغیر کرنا حکم شرع کا ہے، تو ہرگاہ کہ شرع سے ضلالت اور مکروہ ہونا ان کا ثابت ہولیا اب اس کی جواز واباحت کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی اور ہرگز کسی عالم کو اجازت نہیں کہ اس کو جائز رکھے اور ہرگز کسی عالم نے ان تعینات کو جاری نہیں کیا، بلکہ ہر روز مخالفت کرتے چلے آتے ہیں، بزازیہ، منہاج اور فتح القدیر اور دیگر کتب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعینات کو منع کرتے رہے، خود فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تحذیر فرما چکے ہیں، بقولہ ایاکم ومحدثات الامور اور دیگر بہت سی احادیث جو بدعت کی تقبیح اور امتناع میں وارد ہیں، اور یہ مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب (وامثالہ) فقط مستحسن ومندوب ہے، نہ سنت موکدہ نہ واجب، پس ترغیب مستحب کے واسطے احداث بدعت کسی عاقل ومتدین کا کام ہے، اور کون عالم ذی فہم اس کو جائز کہہ سکتا ہے، ہاں جاہل جو چاہے کہے، خود فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر سنت سے بدعت لازم آوے تو سنت بھی ترک کردیوے، شامی نے بحرالرائق سے نقل کیا۔ اذا تردد بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحاً علی فعل البدعة یعنی ایک امر میں ایک وجہ سے سنت کا احتمال ہو اور ایک وجہ سے بدعت ہونے کا احتمال ہے تو اس سنت کا ترک کرنا راجح ہے بدعت ہے۔

اور طریقہ محمدیہ میں ہے ثم اعلم ان فعل البدعة اشد ضرراً من ترک السنة بدلیل ان ان الفقهاء قالوا اذا تردد فی شئ بین کونه سنة وبدعة فترکه لازم واما ترک الواجب هل هو اشد من فعل البدعة ام علی العکس فیه اشتباه حیث صرحوا فیمن تردد بین کونه بدعة او واجباً انه یفعله وفی الخلاصة مسئلة تدل علی

خلاصہ، یعنی پھر یہ بات جانو کہ بدعت کرنے میں زیادہ ضرر ہے بہ نسبت سنت ترک کرنے کے، اس وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ جس امر میں دو وجہ پائی جائیں ایک سنت ہونے کی اور ایک بدعت ہونے کی تو اس امر کا ترک واجب ہے اور جس امر میں واجب اور بدعت ہونے کا تردد ہو اور احتمال ہو تو اس کے ترک میں اشتباہ ہے، کیونکہ فقہاء لکھتے ہیں کہ اس کو ترک نہ کرے اور کتب خلاصہ میں ایک مسئلہ اس کے خلاف مذکور ہے، پس غور کرو کہ فقہاء تو اتفاقاً وجزۃً بدعت کے اندیشہ سے سنت موکدہ ترک کراتے ہیں اور واجب میں بھی بعض واجب کو مرجح بتلاتے ہیں اور مولف کو یہ جرأت کہ امر مندوب کے واسطے علماء پر تہمت ایجاد بدعت کی لگاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے نہیں شرماتا، اور پھر دیکھو کہ فقہاء تو احیاناً وقوع بدعت میں یہ حکم ترک سنت کا دیتے ہیں اور مولف مندوب کے احیاء کیواسطے بدعت کو طریقہ بنانا اور اجراء ودوام کو کرنا جائز کہہ رہا ہے نہایت جہل مرکب ہے اور غفلت قواعد شرعیہ اور احکام وضعیہ سے ہے۔ معاذاللہ

مولف کو اپنے جہل کے سبب دھوکہ ہوا ہے وہ (امور مذکورہ فی السوال یعنی اجرت تعلیم قرآن وغیرہ) ہرگز بدعات نہیں کہ اس پر قیاس کرسکے۔"

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اپنے وعظ "اکمال الصوم والعید" میں فرماتے ہیں

بدعات کی مصلحتیں بیان کرنا من وجہ خدا اور رسول پر اعتراض ہے اس کا بیان یہ ہے کہ جب بعض بدعتیں بھی بوجہ مصالح (وفوائد) مطلوب ہوئیں تو گویا کہ اس شخص کے نزدیک کتاب وسنت کی تعلیم ناتمام ہوئی، کہ بعض مصالح ضروریہ کی تعلیم میں فروگذاشت ہوگئی، کیا کوئی اس کا قائل ہوسکتا ہے اور اسی لئے رسول

> اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو ضلالت فرمایا ہے، اور بعض بدعت کے حسنہ ہونے سے اگر شبہ ہو تو درحقیقت وہ بدعت ہی نہیں کیونکہ اگر یہ معنیٰ سنت مان لیا جاوے تو سلف میں اس کی نظیر ضرور ہوتی، پھر بعد عرق ریزی کے اگر دور کی نظیر نکالی بھی جاوے تو دوسرے مانع کا کیا جواب ہوگا، کہ عوام کے التزام سے بدعت ہو گیا، اور بدعت بھی بدعت ضلالت جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نار کی وعید فرما رہے ہیں، اور حضور کا ارشاد عین ارشاد حق ہے تو ایسے امر کا التزام اور اس میں مصلحتیں نکالنا خدا و رسول پر اعتراض بھی ہے اور خدا و رسول سے مزاح بھی ہے۔

اور وعظ تقویم الزیغ میں فرماتے ہیں

> فقہ حنفیہ کا مسئلہ ہے کہ خواص کے جس مستحسن امر سے جب کہ وہ مطلوب عندالشرع نہ ہو عوام میں خرابی پھیلے خواص کو چاہئے کہ اس کو ترک کر دیں ہاں اگر وہ مطلوب عندالشرع ہو اور اس میں کچھ منکرات مل گئے ہوں، تو منکرات کو مٹانے کی کوشش کریں گے، اور اس امر کو نہ چھوڑیں گے، جیسے ایصال ثواب میں دو امر ہیں، ایک تعین دوسرا ایصال ثواب، ان میں سے تعین مطلوب عندالشرع نہیں اگرچہ (فی حد ذاتہ) مباح ہے اور چونکہ تعین سے عوام میں خرابی پھیلتی ہے اس لئے ہم تعین کو ترک کر دیں گے۔

اسی طرح تبلیغ میں دو امر ہیں، ایک تبلیغ دوسرا تعین اور ہیئت مجموعی، تعین اور ہیئت کذاء مطلوب عندالشرع نہیں گرچہ بالفرض فی نفسہ مباح ہوں اور اس تعین سے عوام میں خرابی پھیلتی ہے اس لئے یہ واجب الترک ہیں، اور ترک بھی ایسا کہ اب ایک دفعہ بھی کرنا جائز نہیں

چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب براہین قاطعہ ص ۱۸۹ پر فرماتے ہیں۔

> التزام واصرار اور وہ دوام کہ عوام کو مضر ہے بدعت ہے اور عمل بدعت کا ایک دفعہ کرنا بغض الی اللہ ہوتا ہے۔

صاحب الابداع فرماتے ہیں

> مباح کو سنت مقصودہ سمجھنے یا کسی محذور شرعی کے معارض ہو جانے سے اس پر مداومت کرنا تو درکنار ایک دفعہ بھی کرنا ناجائز ہو جاتا ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو البتہ اس پر مداومت کرنا ناجائز نہیں بشرطیکہ اس دوام سے عوام کا عقیدہ فاسد نہ ہوتا ہو، اور اگر مندوب و مستحب ہو تو اس پر بھی مداومت جائز ہے بشرطیکہ فسادِ عقیدہ کا ضرر عوام کو نہ پہنچتا ہو۔

مناسب ہوگا کہ جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی خلف الرشید حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم العالی کے اس بصیرت افروز مضمون کا کچھ اقتباس تائیداً پیش کر دیا جائے جو موصوف نے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت ربیع الاول ۱۳۷۸ھ میں اسی قسم کے نظریہ کی تردید میں سپرد قلم فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں،

> ہدم دین کرتے ہوئے اقامتِ دین کا خواب یوں بھی ایک دیوانے کا خواب ہے، اور اللہ اس سے بے نیاز بھی ہے کہ اس کے نام کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے اس کے قائم کردہ اصول پس پشت ڈال دیئے جائیں، اس طریق کار کے نتیجے میں اس جماعت کا اقتدار تو قائم ہو سکتا ہے جو دین کا نام لے کر برسرِ پیکار ہو، لیکن دین بھی اپنے صحیح معنوں میں قائم ہو جائے یہ نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے یہ صورت حال کہ یا فلاں برائی کو اختیار کرو یا دین کی ترقی میں سست رفتاری اور تعویق کو گوارا کرو؟ تو بالکل طے ہے کہ برائی کو اختیار نہیں کیا جائے گا، خواہ دین کے غلبہ میں کتنی ہی دیر لگ جائے، یہی دین حق کی اسپرٹ ہے اور یہی ہدایت

ربانی ہے معبود برحق کا دین اپنی اقامت کے لئے ایسی حکمت عملی کو دور سے سلام کرتا ہے جو اس کے اصولوں کی قربانی مانگتی ہو، کیونکہ انھیں اصولوں کا نام تو دین ہے اگر اپنے اختیار سے (دین کا نام لیوا جتھا) دین کے اصول کو توڑتا رہا ہے اور اپنی کامیابی کے لئے اپنی حامی پبلک سے بھی پارٹ ادا کرتا رہا ہے تو پھر نہایت رنج و ملال کے ساتھ اس کا یقین کر لینا چاہئے کہ کسی ملک میں اس جتھے کا اقتدار صحیح دینی انقلاب کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اسوۂ نبوی اور اسوۂ صحابہ سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے، اور اس سے فتنہ اور تلاعب فی الدین کا ایک خطرناک دروازہ کھلتا ہے ہمارے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اسوہ ہے جس کی ہدایت اللہ رب العالمین نے آپ کو قرآن مجید میں کی ہے، فرمایا۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (انعام ع ۶) یعنی اور مت دور کر (اپنے پاس سے) ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، چاہتے ہیں اس کی رضا۔ مفسر خازن بحوالہ مسلم شریف اس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ہم چھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، کہ مشرکین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان لوگوں کو ہٹا دیجئے کہ یہ ہم پر جری نہ ہو جائیں، اس کے بعد سعدؓ (اپنے ساتھیوں کے نام گنا کر) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہی، اور آپ اس کی طرف راغب ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور کلبی کا قول ہے کہ سرداران قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ایسا کیجئے کہ ایک دن ہمارے لئے خاص کر دیجئے ایک دن ان کے لئے آپ نے فرمایا نہیں، اس پر انھوں نے کہا، اچھا تو ایسا کیجئے کہ جب ہم

آئیں تو رخ ہماری طرف کیجئے اور پشت ان کی جانب کیجئے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

سرداران قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر کان دھرنا کتنی بڑی مصلحت تھی، اس کے بعد ہی ان کے ایمان کی توقع کیجا سکتی تھی، اور ان کا ایمان لانا گویا سارے عرب کے مشرف بہ اسلام ہونے کی کنجی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، زحد فکر تھی کہ کسی طرح سرداران قریش کے دل میں اسلام اتر جائے اور ان کی طرف سے بات کرنے کی شرط صرف یہ تھی کہ ہماری سطح سے کمتر قسم کے لوگ ہماری مجلس میں شریک نہ ہوا کریں، یہ کم از کم مجلس میں ہمیں کچھ امتیاز حاصل رہے، کتنی معمولی سی بات تھی، ایمان کا ذائقہ چکھ لیتے تو خود ہی اس خناس کو بھول جاتے مگر اس عظیم مصلحت کے باوجود جو سرداران قریش کے اسلام سے وابستہ تھی اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان کا یہ مطالبہ ٹھکرا دو، بلکہ ان روایات کے اس جز کی روشنی میں کہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس مطالبہ کو قبول کرنے کا رجحان ڈالا، اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے سے روکا ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے یہ بات صاف کر دینا منظور تھی کہ دین کی مصلحت کے لئے کسی ایسی بات کی گنجائش نہیں ہے جو محض دینی روح اور اس کے عام مزاج کے کچھ مختلف ہو، چہ جائے کہ دین کے متعین اصول اور احکام وہی اللہ جو ایک جان بچانے کے لئے اپنی محرمات کو حلال کر دیتا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ اس بات کا روادار نہیں ہے کہ دین جلدی سے پھیل جانے اور آسانی سے غالب ہو جانے کے لئے چند دن کے واسطے بھی اسلامی اسپرٹ کے بلند مقام سے ذرا نیچے اتر جانے کی اجازت دیدے۔

حد ہوگئی! اللہ کی شان بے نیازی تو اپنے دین کے بارے میں اس انتہا کو پہنچی

ہوئی ہے کہ اسے اسلام کی اشاعت وتقویت کی خاطر یہ بھی گوارہ نہیں کہ اس کا رسول کسی مومن کی ناوقت آمد اور "دخل در معقولات" پر اس سے بے اعتنائی کا رویہ اختیار کرے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ مشرکین کے کسی بڑے اہم فرد یا وفد سے معروف گفتگو تھے کہ ایک نابینا صحابی (عبداللہ بن ام مکتوم) وارد ہوئے اور اپنی طرف متوجہ کرنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزاج کے اعتبار سے تو اس سے کوسوں دور تھے کہ اپنے کسی صحابی کی ادنی دل شکنی بھی روا رکھیں، مگر اسلام کی مصلحت کے خیال سے آپ کو ان کی یہ ناوقت مداخلت کچھ گراں ہوئی اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہیں فرمائی، اس پر پروردگار عالم نے اپنے رسول کو کس انداز میں ٹوکا، فرمایا۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَائَهُ الْاَعْمٰی. چہرہ پر ناگواری آئی اور روگردانی کی اس بات پر کہ ایک نابینا ناوقت آگیا۔

حالانکہ اسی اللہ کو اپنے رسول کی گرانی طبع کا اتنا خیال تھا کہ سورۂ حجرات میں مسلمانوں کو صاف صاف تنبیہات کی ہیں کہ وہ اس کے آرام کے اوقات میں خلل انداز نہ ہوا کریں اس کے یہاں دعوت ہوا کرے تو فارغ ہوتے ہی اٹھ کر آجایا کریں۔ وغیرہ وغیرہ

(۲)

خلافت صدیقی کے آغاز میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ رونما ہوا، یہ ایسا نازک اور پر آشوب دور تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر پھیلتے ہی قبائل عرب میں جنگل کی آگ کی طرح ارتداد پھیل پڑا تھا، اسلام کا شیرازہ اس طرح منتشر ہو رہا تھا جیسے موسم خزاں میں پت جھڑ ہو رہا ہو، مدینہ کے چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی، مسلمان دم بخود تھے کہ دیکھئے کب مدینہ پر چاروں

طرف سے یلغار ہو جائے، ایسا وقت تھا جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منع زکوٰۃ کی خبر پا کر ان قبائل پر لشکر کشی کا عزم فرمایا جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، مصلحت اور حالات کا تقاضا کیا تھا، وہ تھا جو تمام اہل الرائے صحابہ یک زبان ہو کر حضرت صدیق اکبرؓ سے کہہ رہے تھے، کہ یہ وقت اس برائی کے خلاف لڑنے کا نہیں ہے، اس وقت اس کو نظر انداز فرمائیے اس وقت تو یہی بہت ہے کہ اسلامی اسٹیٹ کا مرکز (مدینہ) محفوظ رہ جائے، اس وقت ہم کسی اقدام کی پوزیشن میں نہیں ہیں، اور اگر ہم ایک برائی کے مٹانے کی خاطر ایسا کر بیٹھے تو خطرہ ۹۹ فیصد خطرہ ہے کہ سرے سے اس اسٹیٹ ہی کی جڑ کٹ جائے جس کی بقا پر نظام زکوٰۃ کی بقا کا انحصار ہے۔

یہ تھی مصلحت اور مقتضائے حالات کی ترجمانی، اس کا جواب ابوبکر صدیق نے کیا دیا، کیا حالات کی اس منطق کو غلط ٹھہرایا، جس کی بناء پر آپ کے ساتھی مانعین زکوٰۃ کو ڈھیل دینے کا مشورہ دے رہے تھے، کیا مصلحت کے اس تقاضے کو غلط اندیشی اور عدم تدبیر کا نتیجہ بتایا جو آپ کے اہل مشورہ آپ کے سامنے رکھ رہے تھے تاریخی بیانات بتاتے ہیں کہ اس پہلو سے آپ نے اس مشورہ پر کوئی گفتگو نہیں کی، آپ کا جواب ایک اور صرف ایک تھا کہ۔ تَمَّ الدِّیْنُ وَانْقَطَعَ الْوَحْیُ اَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ یعنی دین پورا نازل ہو چکا ہے اور وحی منقطع ہو گئی ہے، کیا ہو سکتا ہے کہ میں زندہ رہوں اور دین میں قطع و برید ہو۔ کوئی نہیں جاتا تو میں تنہا جاؤں گا اور ان سے اس وقت تک جہاد کروں گا جب تک وہ زکوٰۃ کے حق کی ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں گے۔

ہمارے نزدیک حضرت صدیق کی تائید میں صحابہ کرام کے متفقہ فیصلہ نے ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ دین کے کسی جز کو حکمت عملی کے طور پر مصلحت کی

کسی قربان گاہ پر بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا، دینی اسٹیٹ قائم کرنا تو الگ رہا دینی اسٹیٹ کو باقی رکھنے کے لئے بھی ایسی حکمت عملی کی گنجائش نہیں ہے، جس میں دین کے کسی اصول سے دستبردار ہونا پڑے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اپنی کتاب اشاعت اسلام میں فرماتے ہیں

اسلام کی اسی حالت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی انہیں تدبیروں کی طرف اشارہ کرکے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں۔ **لقد قمنا بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاماً كدنا نهلك فيه لالوان الله اعانا بابى بكر** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم پر ایسا وقت آگیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکر سے ہماری امداد نہ فرماتا تو ہم بالکل غارت ہوجاتے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ارشاد و عمل سے ہم کو اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں ہے کہ دین کے معاملہ میں مداہنت کرنے سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوجاتی ہیں اور یہ کہ اسلام کے کسی جزو کا انکار کرنے کا اثر بھی وہی ہوتا ہے جو کل ارکان کے انکار کا، اور یہ کہ اگر کوئی قوم متفق ہوکر کسی رکن کو چھوڑ بیٹھے تو امام وقت کو فہمائش کے لئے ان سے مقابلہ کرنا چاہئے۔

آگے مولانا سنبھلی فرماتے ہیں

(۳)

غسان مسلمہ طور پر عرب عیسائیوں کا ایک نہایت طاقتور، کثیر التعداد اور جنگ آزما قبیلہ تھا، ان کا مسکن عین رومی سرحدوں کے قریب تھا، عہد فاروقی میں رومی اور اسلامی فوجیں فیصلہ کن لڑائیاں لڑ رہی تھیں، اسی کشمکش کے وقت تاجدار غسان جبلہ بن ایہم اسلام لے آیا، اور اسطرح ایک زبردست سرحدی طاقت

اسلامی کیمپ میں آگئی، مگر ہونے والی بات جبلہ حج کے لئے (بہمراہی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم) مکہ آیا، طواف کے دوران اس کی تہبند ایک غریب بدو کے پاؤں کے نیچے آگئی، جس سے تہبند کھل گئی۔

نیا نیا اسلام لے آیا تھا، شاہانہ نخوت ابھی دماغ میں باقی تھی یہی کیا کم تھا کہ عام آدمیوں کے شانہ بشانہ طواف کر رہا تھا تہبند والی بات برداشت نہ کرسکا اور اس بدو کے ایک تھپڑ رسید کردیا (جس سے اس کی ناک ٹیڑھی ہوگئی اور آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے) وہ فوراً حضرت عمر کی خدمت میں پہنچا اور دادخواہ ہوا، جبلہ کو بلایا گیا، اقرار جرم پر قانون قصاص کی متعلقہ دفعہ کا حکم جاری ہوگیا، جبلہ کی جاہلی رگ ایک بار (پھر پھڑک اٹھی) کہا یہ کیسا اندھا قانون ہے کہ میں ایک ریاست کا تاجدار، اور یہ بدو بدلہ میں میرے منھ پر طمانچہ مارے، کہا گیا کہ اسلام کا قانون عدل یہی ہے، اسلامی قانون میں شاہ و گدا سب برابر ہیں، اس نے کہا (پھر تو میں عیسائی ہوجاؤں گا امیر المومنین نے فرمایا تو اب تیرا قتل ضروری ہوگا کیوں کہ مرتد کی سزا یہی ہے) جبلہ نے کہا مجھے رات بھر کی مہلت دیجئے، مہلت دیدی گئی، اور جبلہ رات کو لشکر سمیت خفیہ مکہ سے نکل بھاگا اور قسطنطنیہ پہنچ کر نصرانی بن گیا، ایک چھوٹی سی برائی تھی (کہ اسلام کا ایک قانون ٹوٹ رہا تھا) لیکن حضرت عمر نے ایک عظیم تر مصلحت اور بڑی بھلائی، (اور فوائد کثیرہ) کو بے دریغ قربان کردیا اور ادنی لچک کے روادار نہیں ہوئے، جبلہ کا رویہ اور اس کی جاہلی حمیت کا پارہ دیکھنے کے بعد کیا حضرت عمر جیسے ضرب المثل صاحب فراست سے مخفی رہ سکتا تھا کہ ان کے فیصلے کا رد عمل کیا ہوگا، حضرت تو کیا ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جبلہ کے رویہ کی روشنی میں اس کے ارتداد کی پیشین گوئی کرسکتا تھا، اور اس کے ارتداد کا مطلب تھا کہ ایک زبردست قوت

سے اسلام کا محروم ہو جانا بلکہ برسرپیکار دشمن کے کیمپ میں پہنچ جانا کتنی بڑی بھلائی تھی (کتنا عظیم الشان فائدہ تھا) جس کو نقصان پہنچ جانا یقینی تھا، اور کتنی بڑی برائی تھی جو ایک چھوٹی سی برائی سے بچنے میں لازم آرہی تھی، مگر فاروق اعظم اپنی ساری مجتہدانہ شان کے باوجود دین میں اس حکمت عملی کا جواز نکالنے سے قاصر رہے۔

جبلہ بن ایہم کا قصہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن حناؒ نے بھی اشاعت اسلام میں بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد اس واقعہ سے فوائد ونتائج مستنبط فرمائے ہیں چنانچہ نتیجہ سوم کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں۔

> صحابہ کو اسلام کی اشاعت کا حکم تھا اور وہ اس حکم کی نہایت رغبت اور شوق سے تعمیل کرتے تھے، ان کو اس سے زیادہ کوئی امر محبوب نہ تھا ایک شخص بھی ان کے ذریعے سے اسلام میں داخل ہو جائے تو دنیا کی تمام نعمتوں اور راحتوں سے اس کو بہتر اور مقدم سمجھتے تھے، لیکن بایں ہمہ شغف ورغبت احکام اسلام کے بھی اس درجہ پابند تھے (یا آج کل کی اصطلاح میں معاذ اللہ اس قدر متعصب اور تنگ خیال تھے) کہ اگر دنیا بھی اسلام یا مسلمانوں کی مخالف بن جائے تب بھی کسی ایک حد شرعی کو چھوڑنا یا کسی اسلامی قانون کو بدلنا گوارا نہ کرتے تھے۔ الخ

پھر مولانا سنبھلی فتنہ اور تلاعب بالدین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ہم اس نظریئے کے اندر فتنہ کا دروازہ کھولنے اور تلاعب بالدین کی ایک وسیع شاہراہ قائم کرنے کی زبردست صلاحیت پاتے ہیں ۔ آپ غور کر سکتے ہیں کہ یہ نظریہ مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں میں کیسا زبردست ہتھیار دیتا ہے کہ وہ جس چیز کو "اہم دینی مقصدیت (عظیم افادیت) ثابت کر دیں یا جو کم سواد تخمینین کسی چیز کو اہم دینی مقصد سمجھ لیں، (اور مفید ہونا محسوس کر لیں)

وہ اس مقصد کے نام پر پوری دینی زندگی کو تلپٹ کر کے رکھدیں (حدود شرعیہ میں سے جس حد کو چاہیں باقی رکھیں جس کو چاہیں توڑ دیں، مطلق کو مقید، مقید کو مطلق، عام کو خاص، خاص کو عام مباح کو سنت مقصودہ اور واجب اور سنت کو مباح، شرعی امر کو غیر شرعی اور غیر شرعی کو شرعی کر کے نظام دامن شرع کو درہم برہم کر دیں) اس نظریہ کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد کسی کے بھی ان پر حکمت (حکیمانہ) اقدامات اور مشوروں پر کوئی نکیر نہیں کی جا سکتی، گفتگو جو کچھ کی جا سکتی ہے، وہ کسی شے کی اہم مقصدیت (اور فوائد ونتائج) میں کی جا سکتی ہے، اگر اس شے کو مقصدی اہمیت حاصل ہے تو پھر کرنے دیجئے، جو کچھ بھی مشورہ وہ اس اہم مقصد کی مصلحت کی خاطر کوئی ملت کو دیتا ہے۔ ..... بقول شخصے اگر ایک آدمی کی عقل زرخیز ہے تو وہ ہر قسم کے طرز عمل کے لئے مقصدی اہمیت اور عملی حکمت کا عذر سامنے لاسکتا ہے اور اس طرح باطنیت کا وہ فلسفہ نئے رنگ میں از سر نو زندگی پا سکتا ہے جسے اسلاف نے بڑی قیمتی کوششوں سے ختم کیا تھا ۔ اگر اس پر شروع ہی میں بھرپور وار نہ کیا گیا ہوتا تو دین کا وہ حلیہ ہوتا اور صحیح دینی زندگی کا نقشہ اس طرح ناپید ہوتا کہ بس اللہ ہی تھا جو اصل حقیقت منکشف فرماتا اور امت محمدیہ کو از سر تا پا گمراہی سے نجات دیتا۔ ..... اور اس کے آگے قیاس کا وسیع دروازہ کھلا ہوا ہے (آدمی اسی پیمانے سے حدود الٰہیہ کو اپنے مقصد اور افادیت و مقبولیت عامہ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھاتا چلا جائے اور خوش رہے کہ وہ بڑا ثواب کما رہا ہے)

اور آخر میں مولانا سنبھلی لکھتے ہیں کہ

بہرحال اس نظریہ کی یہی وہ فتنہ سامانی ہے جس کی بناء پر اللہ کا، اس کے دین کا، اور اس دین پر ایمان لانے والی امت کا ہم پر حق تھا کہ ہم اس پر کھل کر اور اپنی

اپنی صلاحیت کے بقدر اس کے ایک ایک بال کی کھال نکال کر تنقید کریں خواہ کسی کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو، اور کوئی از راہ ہمدردی اسے ہمارے وقت کا ضیاع ہی کیوں نہ سمجھ رہا ہو۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ہی کے ماہ رجب ۱۳۸۰ھ مطابق جنوری ۱۳۶۱ء میں جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے مضمون ''اقامت دین اور اسوۂ انبیاء'' کا اقتباس بحوالہ ماہنامہ میثاق لاہور، شائع ہوا ہے تائیداً اس کا تھوڑا سا اقتباس پیش کر دینا مناسب ہے، مولانا نے فرمایا

> انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ کا دین قائم کرنے کیلئے آئے اور اس مقصد کیلئے جس چیز کو انھوں نے ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ تبلیغ وشہادت ہے۔
>
> تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ان پر اتارا، انھوں نے بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل وتصرف اور بغیر کسی ردوبدل کے پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیا، نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر ہونے دیا نہ اس کے مواد میں، نہ اس کی ترتیب میں کوئی تبدیلی پیدا کی نہ اس کی تدریج میں وہ اللہ کے دین کے امین تھے، اس کے موجد اور مصنف نہیں تھے، اس وجہ سے اپنی ذمہ داری انھوں نے ہر طرح کے حالات میں صرف یہ سمجھی کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں، انھوں نے اس بات کی پرواہ کبھی نہیں کی کہ اس دین کی تبلیغ حالات ومصالح کے مطابق ہے یا نہیں، اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم واصلاح کر دیجئے تو وہ پورے دین کو قبول کر لیں گے، تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی ردوبدل کے مجاز نہیں ہیں، جس کا جی چاہے قبول کرے جس کا جی نہ چاہے وہ رد کر دے، شہادت کا

مطلب یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، قول سے، عمل سے خلوت سے، جلوت سے، زندگی سے، موت سے غرض اپنی ایک ایک ادا سے انھوں نے اسی دین کی گواہی دی، جس کے وہ داعی بن کر آئے ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

انھوں نے جس چیز سے دوسروں کو روکا، اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کیا، جس چیز کا دوسروں کو حکم دیا، اس پر خود پوری قوت وعزیمت کے ساتھ عمل کیا، ان کی دعوت اور ان کی زندگی کی یہی مکمل مطابقت درحقیقت ان کی دعوت کی صداقت کی وہ دلیل بنی جس کو ان کے کٹر سے کٹر دشمن بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے بالکل برعکس معاملہ اہل سیاست (اور بانیان تحریک) کا ہے اہل سیاست خدا کا دین نہیں قائم کرتے، بلکہ تحریک چلاتے ہیں، اگر وہ دین کا نام لیتے بھی ہیں تو وہ دین بھی ان کی تحریک ہی کا ایک جز ہوتا ہے، اس وجہ سے جس جس وادی میں ان کی تحریک ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے ان ساری وادیوں میں ان کا دین بھی بھٹکتا پھرتا ہے، ایک تحریک کے لئے تبلیغ اور شہادت کے معصوم ذریعہ بالکل بے کار ہیں، اس لئے اہل سیاست کا سارا اعتماد اپنے مقصد کی کامیابی کی راہ میں پروپیگنڈے پر ہوتا ہے، پروپیگنڈہ اور تبلیغ میں صرف انگریزی اور عربی ہی کا فرق نہیں ہے، بلکہ روح اور جوہر کا بھی فرق ہے، تبلیغ تو جیسا کہ واضح ہو چکا ہے صرف اللہ کے دین کو پورا پورا پہنچا دینا ہے، لیکن پروپیگنڈے کا مقصود پیش نظر تحریک کو کامیاب بنانا ہوتا ہے یہ کامیابی جس طرح بھی حاصل ہو، پروپیگنڈہ ایک مستقل فن ہے جس کو زمانہ حال کی سیاسی تحریکات نے جنم دیا ہے، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان تمام

اخلاقی حدود و قیود سے بالکل آزاد ہوتا ہے جن کی پابندی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے اقامت دین کے کام میں واجب سمجھی ہے۔

مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر یہاں پروپیگنڈے کی چند خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کردیں تاکہ سیاسی تحریکات کے اس سب سے بڑے وسیلہ کار اور تبلیغ کے درمیان جو فرق ہے وہ واضح ہوکر سامنے آجائے۔

پروپیگنڈہ کے اجزاء ترکیبی پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کے اندر جزو اکبر کی حیثیت مبالغہ کو حاصل ہوتی ہے، بات کا بتنگڑ اور رائی کا پربت بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے کوئی مجمع ۵۰۰ کا ہوگا تو وہ اس کی بدولت اخبارات کی شاہ سرخیوں میں پانچ ہزار کا بن جائے گا، کسی کا استقبال دس آدمی کریں گے، تو دس آدمی پروپیگنڈے کی کرشمہ سازی سے دس ہزار بن جائیں گے، کسی بستی یا شہر کے دو چار آدمی اگر کسی مسلک سیاسی کے ساتھ ذرا سی ہمدردی کا بھی اظہار کردیں گے تو اس مسلک کے حامی اپنے اخبارات و رسائل میں یوں ظاہر کریں گے کہ گویا وہ پورا کا پورا شہر ان کی تائید و حمایت میں دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا ہے اگر کسی باہر کے ملک سے تائید و ہمدردی کا ایک کارڈ بھی آجائے تو پریس میں اس کی تشہیریں ہوں گی کہ فلاں ملک کی فلاں تحریک نے بالکل مسخر کرلیا ہے، اگر کوئی خدمت حقیقت کی ترازو میں چھٹانک ہوگی تو پروپیگنڈے کی مشینری کا فرض ہے کہ وہ اس کو کم از کم من بھر دکھائے، جھوٹ اور مبالغہ آرائی کو موجودہ زمانے میں ہمارے اہل سیاست نے اس طرح اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے کہ اب اس کے برائی ہونے کا شاید لوگوں کے اندر احساس بھی مردہ ہوگیا ہے، اس کوچہ میں بدنام تو اکیلا غریب گوبلز ہے، (اور اس کی یہ بدنامی بھی پروپیگنڈے ہی کا کرشمہ ہے) لیکن حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ اس سیاست کے حمام میں سب کو گوئبلز ہی کے اسوہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے، خواہ کوئی شخص دنیا کا نام لیتا ہوا اس میں داخل ہو یا دین کا کلمہ پڑھتا ہوا داخل ہو۔

اس جھوٹ اور مبالغہ ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنے موافق کو مدح و توصیف سے آسمان پر پہنچایا جائے اور جس کو مخالف قرار دیا جائے اس کے خلاف اتنے جھوٹ اور اتنی تہمتیں تراشی جائیں کہ وہ کہیں منھ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے اسلام میں تو مدح و ذم اور تعریف و ہجو دونوں کیلئے نہایت سخت حدود و قیود ہیں اور کوئی شخص دین سے بے قید ہوئے بغیر اپنے آپ کو ان حدود و قیود سے آزاد نہیں کرسکتا، لیکن سیاست میں صرف ایک ہی اصول چلتا ہے وہ یہ کہ اپنے موافق کو آسمان پر پہنچاؤ، اپنے مخالف کو تحت الثریٰ میں گراؤ، اور اس مقصد کے لئے جس قسم کے جھوٹ اور جس نوع کے افتراء کی ضرورت پیش آئے اس کو بے تکلف گھڑو، اور بالکل بے خوف اس کو لوگوں میں پھیلاؤ، صحیح اسلامی نقطہ نظر سے یہ بات کتنی ہی بے حیائی اور بے شرمی کی سمجھی جائے، لیکن اہل سیاست اپنی تحریکات کی کامیابی کے لئے اس چیز کو ناگزیر خیال کرتے ہیں، ان کے نزدیک اسی طرح وہ اشخاص اٹھتے ہیں جو تحریک کی گاڑی کو چلاتے ہیں، اور اسی طرح وہ اشخاص گرتے ہیں جو تحریک کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، یہ خفض و رفع کا فلسفہ ایک مستقل فلسفہ ہے جسکے تحت کتنے بے علم ہیں جو مولانا اور علامہ کا مقام حاصل کرلیتے ہیں اور کتنے صاحب علم و تقویٰ ہیں جن کی پگڑیاں اچھلتی رہتی ہیں۔

ایک اور چیز جو انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کو عام اہل دنیا کے طریقہائے کار سے نمایاں کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تمام جدوجہد میں مطلوب و مقصود کی حیثیت صرف خدا کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کو حاصل ہوتی ہے، اس چیز کے سوا کوئی اور چیز ان کے پیش نظر نہیں ہوتی، اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان

کے جدوجہد کی کامیابی سے اللہ کے دین کو اور دین کے سارے کام کرنے والوں کو دنیا میں بھی غلبہ اور تفوق حاصل ہوتا ہے لیکن وہ اس بات کی دعوت بھی نہیں دیتے کہ آؤ حکومت الٰہیہ قائم کرو یا اقتدار حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرو (جماعت کو بڑھاؤ) بلکہ دعوت صرف اللہ کے دین پر چلنے اور اس پر چلانے ہی کی دیتے ہیں اس لئے کہ آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کیلئے خدا کے دین پر چلنا اور اس پر دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دینا شرط ضروری ہے۔

اس کے برعکس اہل سیاست کی ساری تگ و دو کا مقصد اقتدار کا حصول ہوتا ہے وہ اسی اقتدار کے حصول کے لئے اپنی تنظیم کرتے ہیں اور اسی کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، یہ مقصود ایک خالص دنیوی مقصود ہے لیکن بعض لوگ اس پر دین کا ملمع کر کے اس چیز کو اس طرح پیش کرتے ہیں، کہ وہ یہ اقتدار اپنے لئے نہیں چاہتے بلکہ خدا کے لئے یا اس کے دین کے لئے چاہتے ہیں جو لوگ معاملہ کو اس شکل میں پیش کرتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ ان کی نیتوں پر شبہ کیا جائے، ہوسکتا ہے کہ وہ جس اقتدار کے حصول کیلئے جدوجہد کر رہے ہوں وہ خدا ہی کیلئے استعمال کریں، لیکن اس سے جدوجہد کا نصب العین بالکل تبدیل ہو جاتا ہے اور اس نصب العین کی تبدیلی کا جدوجہد کی مزاجی خصوصیت پر بڑا اثر پڑتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو نصب العین کی تبدیلی سارے کام ہی کو بالکل درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے۔

ہم جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ اچھی طرح واضح اس طرح ہوتی ہے کہ اہل سیاست (اور اہل تحریک) جس دنیوی اقتدار کے حصول کو تمام خیر وفلاح کا ضامن سمجھتے ہیں یہاں تک کہ دین کی خدمت کا کوئی کام بھی ان کے نزدیک اس وقت تک انجام ہی نہیں دیا جا سکتا جب تک یہ اقتدار نہ حاصل ہو جائے، اس اقتدار کو انبیاء علیہم السلام نے اس نصب العین کے لئے نہایت خطرناک سمجھا ہے، جس کے داعی وہ خود رہے ہیں، چنانچہ متعدد احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ نے صحابہ کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ میں تمہارے لئے فقر و غربت سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی عزت و ثروت تمہیں حاصل ہوگی، اور تم اس کے انہماک میں اصل نصب العین یعنی آخرت کو بھول جاؤ گے، آپ کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم میں تمہارے لئے فقر سے نہیں ڈرتا بلکہ جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس طرح تم سے پہلے والوں کے لئے کھول دی گئی تھی، اسی طرح تمہارے لئے بھی کھول دی جائیگی پھر جس طرح وہ بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو گئے اسی طرح تم بھی اس کے لئے بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو جاؤ گے، پھر یہ تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر کے چھوڑے گی جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو ہلاک کر کے چھوڑا، اس حدیث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد میں اصل مطمح نظر کی حیثیت آخرت کو حاصل ہوتی ہے، دنیا کا اقتدار اس نصب العین کے لئے مفید بھی ہوسکتا ہے اور مضر بھی، بلکہ مضر ہونا زیادہ اقرب ہے اس وجہ سے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر کام کرتے ہیں وہ اس اقتدار کو بھی خدا کی ایک بہت بڑی آزمائش سمجھتے ہیں، اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غربت اور فقر کے دور میں انھیں آخرت کے لئے کام کرنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے اسی طرح امارت و سیادت کے دور میں بھی اس نصب العین پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہو، انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اس امر کا کوئی ادنی نشان بھی نہیں ملتا کہ اقتدار کو انھوں نے اصل نصب العین سمجھا ہو یا اصل نصب العین کے لئے اس کو کوئی بڑی سازگار چیز سمجھا ہو۔

ہماری تقریر سے کسی صاحب کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم یہ رہبانیت کی تعلیم دے رہے ہیں، ہم رہبانیت کی تعلیم نہیں دے رہے ہیں، بلکہ اس حقیقت کو واضح کردینا چاہتے ہیں، کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام جدوجہد کا مقصود صرف آخرت ہوتی ہے وہ اسی کیلئے خلق خدا کو دعوت دیتے ہیں، اسی کیلئے لوگوں کو منظم کرتے ہیں، اسی کیلئے جیتے ہیں اور اسی کیلئے مرتے ہیں، اسی چیز سے ان کی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے اور اسی چیز پر اس کی انتہا ہوتی ہے، ان کی تمام تر سرگرمیوں میں محرک کی حیثیت بھی اسی چیز کو حاصل ہوتی ہے اور غایت ومقصود بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے، وہ دنیا کو آخرت کا منافی نہیں قرار دیتے بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتے ہیں ان کی دعوت یہ نہیں ہوتی کہ لوگ دنیا کو چھوڑ دیں بلکہ اس بات کیلئے ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کو آخرت کیلئے استعمال کریں۔

ان کے ہر کام پر ان کے اس نصب العین کے حاوی ہونے کا خاص اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کسی ایسی چیز کو کبھی گوارا نہیں کرتے بلکہ ان کے اس اعلیٰ نصب العین کی عزت وحرمت کو بٹہ لگانے والی ہو ان کے مقصد کی طرح ان کے وسائل اور ذرائع بھی نہایت پاکیزہ ہوتے ہیں وہ کامیابی حاصل کرنے کی دھن میں کبھی ایسی چیزوں کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے جن کی پاکیزگی مشتبہ اور مشکوک ہو، ان کی کامیابی اور ناکامی کی فیصلہ کرنے والی میزان بھی چونکہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ہے اس وجہ سے ان کی کامیابی اور ناکامی کے معیارات بھی عام اہل سیاست کے معیارات سے بالکل مختلف ہیں، اہل سیاست کے یہاں تو کامیابی کا معیار ان کے نصب العین کے لحاظ سے یہ ہے کہ ان کو دنیا میں اقتدار حاصل ہوجائے، اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہوسکے تو پھر وہ ناکام ونامراد ہیں، لیکن انبیاء کے طریقہ پر جو لوگ کام کرتے ہیں ان کی کامیابی کیلئے اقتدار کا حصول کوئی شرط نہیں، ان کی کامیابی کیلئے صرف یہ شرط ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر صرف اللہ ہی کی رضاء کیلئے کام کرتے چلے جائیں، یہاں تک کہ اسی حالت پر ان کا خاتمہ ہوجائے، اگر یہ چیز ان کو حاصل ہوگئی تو وہ کامیاب ہیں، اگرچہ ان کے سایہ کے سوا کوئی ایک متنفس بھی اس دنیا میں ان کا ساتھ دینے والا نہ بن سکا ہو، اور اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکی تو وہ ناکام ہیں، اگرچہ انھوں نے تمام عرب وعجم کو اپنے گرد اکٹھا کرلیا ہو۔

س میوات کے پچاس لاکھ سے زائد مسلمانوں کا عمومی حال یہ تھا کہ وہ دین سے بے تعلق ہوچکے تھے، اسلامی تعلیمات سے بے خبر تھے، لیکن حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کام ان میں شروع کیا اور مسلسل جدوجہد فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ دن بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی کایا پلٹ دی لاکھوں کی اصلاح ہوئی ہزاروں مسجدیں اور مدرسے آباد ہوگئے۔

حضرت مولانا تھانویؒ مولانا الیاس صاحبؒ سے خوش تھے اور تبلیغی جماعت سے بھی خوش تھے، ان کو کھانا کھلایا اور فرمایا کہ "مولوی الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا"

ج بے شک میوات میں بڑا کام ہوا، اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نور اللہ مرقدہ نے بہت اور مسلسل جدوجہد فرمائی، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو اس کا اجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین

مگر یہ مسئلہ تنقیح طلب ہے کہ آیا میوات کی اصلاح میں صرف حضرت مولانا الیاس صاحب ہی کا حصہ ہے یا کسی اور کی جدوجہد کو بھی دخل ہے۔

اور یہ کہ میوات کی اصلاح مولانا الیاس مع دیگر بزرگوں کی ذوات مقدسہ اور مطلق جدوجہد کا نتیجہ وبرکت ہے یا طریقہ مخترعہ مروجہ کا اثر ہے، اور یہ کہ کسی عمل کے صحیح ہونے کے لئے فائدہ اور اثر دلیل ہے؟ یا دلیل شرعی ضروری ہے؟

تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ میوات کی اصلاح نہ تو تنہا مولانا الیاس صاحب کی

> تبلیغ واشاعت کا نتیجہ ہے اور نہ صرف تبلیغ مروجہ مخترعہ کا نتیجہ ہے بلکہ دیگر بزرگوں کی توجہات ومساعی کو بھی اس میں کافی دخل ہے اور طریقہ مخترعہ کے جزوی اثر کا انکار نہیں لیکن درحقیقت اسی مطلق تبلیغ کا نتیجہ ہے جو سلف صالحین کے طرز اور نمونہ پر کی گئی۔

مولانا الیاس صاحبؒ کے والد بزرگوار حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ اور برادر محترم مولانا محمد صاحب میوات کی طرف متوجہ رہے، کتنے میواتی ان حضرات کے مرید ہوئے، حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے بھی مسلسل اور مستقل جدوجہد اور بلیغ سعی فرمائی، خود بھی تشریف لے گئے متعدد وعظ فرمائے، اور اپنے خلفاء حضرات مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالکریم صاحب گنگھلوی رحمہ اللہ علیہ کو مستقل طور پر کار تبلیغ پر مقرر اور مامور فرمایا، مولانا گنگھلوی تو دو برس کے بعد واپس تشریف لائے، اور مولانا بچھرایونی بارہ سال تک فریضہ تبلیغ انجام دیتے رہے۔

اشرف السوانح جلد دوم میں اس تبلیغی جدوجہد کی قدرے تفصیل مذکور ہے جس میں سے کچھ یہاں ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اشرف السوانح جلد سوم ص ۲۳۵ پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گنگھلوی مجاز حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے قلم سے بہ عنوان ”واقعۂ چہارم انسداد فتنۂ ارتداد“ مذکور ہے کہ

۱۳۴۱ھ میں اطراف آگرہ سے فتنۂ ارتداد کی خبر پہنچی تو حضرت والا (مولانا تھانوی) نے احقر کو وہاں جانے کا ایماء فرمایا، جس کا ذکر نمبر بالا (مندرجہ اشرف السوانح) میں آچکا ہے، احقر نے عرض کیا کہ اس کام کے واسطے مولوی عبدالمجید صاحب بچھرایونی مناسب معلوم ہوتے ہیں ارشاد فرمایا اس اختلاف رائے کا فیصلہ

مولانا ظفر احمد صاحب کے سپرد کرنا چاہئے، احقر نے ہرچند عرض کیا کہ احقر کے خیال ناقص کی کیا حقیقت ہے جو فیصلہ کی ضرورت ہو، لیکن حضرت نے فرمایا یہی مناسب ہے اسی میں انشاء اللہ برکت ہوگی، مولوی صاحب موصوف گنجینہ میں تھے، ان کو حضرت والا نے آواز دی، اور فرمایا کہ میں اس کو بھیجتا ہوں اور اس کے خیال میں مولوی عبدالمجید کو بھیجنا مناسب ہے، اور ہر دو رائے کی وجہ بھی بیان فرمادی، مولوی صاحب نے فرمایا، میرے خیال میں دونوں کا بھیجنا مناسب ہے، اس میں ہر دو وجہ کی رعایت بھی ہوجائے گی، نیز ایسے موقع پر تنہا کا سفر دشوار بھی ہے، حضرت اقدس نے نہایت بشاشت سے فرمایا، بہتر اور مسکرا کر احقر سے فرمایا دونوں جیت گئے۔

مولوی عبدالمجید صاحب اپنے مکان پر گئے ہوئے تھے، ان کو خط لکھدیا گیا کہ دہلی مدرسہ عبدالرب کے جلسہ پر آجاؤ، اور احقر کو دہلی تک حضرت والا کی ہمراہی کا شرف حاصل رہا، جلسہ سے فارغ ہوکر دونوں کو مناسب نصائح وہدایات اور مزید دعوات کے بعد وہاں سے رخصت فرمایا، اور کامل دو سال تک اس سلسلہ کو نہایت اہتمام سے جاری رکھا، ایک سفر خود بھی فرمایا، جس میں ریوڑی، نارنول اور موضع اسماعیل پور متصل الور میں ”الاتمام لنعمۃ الاسلام“ وعظ ہوا، جس کے تین حصے ہیں، اور دوسرے سفر کا قصبہ نوح اور فیروز پور جھڑکا وغیرہ کے لئے ارادہ فرمایا تھا، مگر اس اثنا میں سفر سے عذر پیش آگیا، جس کی وجہ سے سفر بالکل موقوف ہوگیا، اور اس تبلیغ سے حضرت دام ظلہم کو اس قدر تعلق خاطر تھا کہ اسی دوران میں ایک دوست نے احقر کو حج کے لئے ہمراہ لے جانا چاہا، احقر کو بے حد اشتیاق تھا، بہت خوش ہوا، اور حضرت والا سے اجازت چاہی، ارشاد فرمایا کہ جس کام میں یہاں مشغولی ہے وہ حج نفل سے مقدم اور افضل ہے، اور بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ ایسے ہی موقع کے واسطے حضرت

مسعود بکؒ نے فرمایا ہے۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دراں جاست بیائید بیائید

اور ہمیشہ بوقت حاضری زبانی ارشادات اور خطوط میں بھی نہایت مفید ہدایات فرماتے رہتے تھے، نیز دعاؤں کے ساتھ حوصلہ افزائی کے کلمات بھی ہوتے تھے، چنانچہ ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا کہ

> اسلام علیکم! حالات سے بہت کچھ امیدیں ہوئیں، اور مجھ کو اس سے پہلے بھی آپ جیسے مخلصین کا جانا اور پھر مولوی الیاس صاحب کا ساتھ ہو جانا یقین کامیابی دلاتا تھا، علم غیب حق تعالیٰ کو ہے، مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے، کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب وفود سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا۔
>
> بخدمت مولوی صاحب سلام مسنون

(آگرہ جانے کے بعد معلوم ہوا کہ پلول میں ضرورت ہے اس لئے ہم پلول آگئے اور وہاں سے مولوی صاحب (مولوی الیاس صاحبؒ) کی معیت میں قصبہ نوح وغیرہ کا بھی سفر ہوتا رہا)

اور ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ

> آپ کا خط پہنچا، کاشف تفصیل حالات ہوا، بہت کچھ امیدیں بڑھیں، میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی جماعت اس مادہ میں جس قدر مفید ہوگی، شاید دوسری بڑی بڑی جماعتیں اس درجہ مفید نہ ہوں۔
>
> مبناہ ماقال الرومی ؎
>
> کعبہ را ہردم تجلی می فزود   ایں ز اخلاصات ابراہیمؑ بود
>
> کان اللّٰہ معکم ومن معکم! اپنے تمام احباب کی خدمت میں یعنی جو ان میں سے تشریف رکھتے ہوں، سلام کہئے اور کارڈ سنا دیجئے، اور سب سے دعا کی

> درخواست کیجئے اس مقصود کے لئے بھی اور میرے لئے بھی، میں برابر دعا کرتا ہوں۔ جمعہ ۲۴/ رمضان ۱۳۴۱ھ

اور ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا (غالباً یہ والا نامہ ریواڑی وغیرہ کے سفر سے واپسی پر روانہ فرمایا تھا)

> السلام علیکم ورحمۃ اللہ! بفضلہ تعالیٰ کل جمعہ کے روز وطن پہنچ گیا، آپ صاحبوں کی مساعی مشکور ہونے کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں، اور قلب شہادت دیتا ہے کہ آپ صاحبوں کو سب سے زیادہ کامیابی ہوگی، سب خطوط آپ صاحبوں کے محفوظ رہتے ہیں، موقع پر اشاعت ہوتی رہے گی، تاکہ ناظرین مسرور ہوں۔

اور ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا کہ

> السلام علیکم! خط پڑھ کر بے حد دل خوش ہوا، میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ آپ صاحبوں کی کامیابی انشاء اللہ تعالیٰ سامان اور شان والوں سے بدرجہ زیادہ ہوگی۔ ؎
>
> درسفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید   کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند
>
> باقی دعا کر رہا ہوں، سب احباب کی خدمت میں سلام مسنون

ان ارشادات کا مقصد صرف یہ خیال میں آیا کرتا تھا کہ حوصلہ افزائی فرمائی جاتی ہے، لیکن جب تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد ایک جماعت نے تمام علاقہ تبلیغی یعنی ۲۹/ ضلعوں کا مفصل حال لکھ کر شائع کیا، اور اس روئداد میں اس کی تصریح بھی درج تھی کہ تحصیل پوَل میں (جہاں احقر اور مولوی عبدالمجید صاحب کار تبلیغ انجام دیتے تھے) اول نمبر کامیاب رہی، تب معلوم ہوا کہ یہ بشارت اور پیشگوئی تھی جو خدا کے فضل سے بالکل صحیح ہوئی۔

اس اہتمام تبلیغ کے علاوہ اس زمانے میں حضرت والا نے کچھ رسالے بھی شائع

فرمائے   اور چند مکاتب بھی قائم کئے گئے جن کی امداد میں حضرت اقدس نے بھی کافی حصہ لیا۔

اور دوسرے ذرائع سے بھی مصارف کا انتظام ہوا، اور چند مواعظ میں بھی تبلیغ کے متعلق مضامین بیان فرمائے، جن میں سے تین مواعظ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ **الدعوۃ الی اللہ، محاسن الاسلام، آداب التبلیغ**، غرض حضرت اقدس نے ہر پہلو سے اصلاح اور تبلیغ کا اہتمام فرمایا۔

> پھر جب دو سال کی جدوجہد کے بعد ارتداد کی کافی روک تھام ہو چکی، اور ہر قسم کے شبہات ان مذبذب لوگوں کے زائل ہو چکے، اوران لوگوں نیز قرب وجوار کے مسلمانوں کو آئندہ اصلاح کے لئے مکاتب کی ضرورت ثابت ہو چکی اور وہاں صرف مکاتب کی دیکھ بھال کا کام رہ گیا اور احقر نے ایک عریضہ میں ان مکاتب کے چندہ کی سعی کے واسطے حضرت سے پلول جانے کی اجازت چاہی تب حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ
>
> بہتر! ہو آئیے، بشرطے کہ اصل کام یعنی تبلیغ میں ان قصوں کے سبب کمی نہ ہو، تجربہ کے بعد سمجھ میں آیا کہ تدابیر چھوڑنا چاہئے، صرف تبلیغ چاہئے خواہ ثمرہ ہو یا نہ ہو، نیز میرا خیال ہے کہ ان سب قصوں کو چھوڑ کر پنجاب کا سفر تحریک عدل فی المیراث کیا جاوے۔

اس کے بعد پنجاب کا سفر ہوا، جیسا کہ گذشتہ نمبر میں ذکر ہو چکا ہے، اور وہاں سے واپسی کے بعد احقر حسب الایماء حضرت والا دامت برکاتہم تھانہ بھون مقیم ہو گیا اور مولوی عبدالمجید برابر تبلیغ کے کام پر رہے، اور تقریباً بارہ سال تک اس کام پر رہنے کے بعد پچھلے دنوں مصارف کا انتظام نہ ہونے کے سبب ان کا سفر ترک ہوا، حق تعالیٰ

ان مساعی کو قبول فرماوے۔ اور جو نفع اس تبلیغ سے ہوا اس کو باقی رکھے اور ترقی عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین

پھر واقعہ پنجم یعنی "اجرائے، مکاتب درریاست الور" کے عنوان سے اس واقعہ کی تفصیل لکھی ہے، پوری تفصیل موجب طوالت ہے، اس لئے بطور خلاصہ کے ذکر کیا جارہا ہے۔

> ۴۶ھ تا ۴۷ھ کا واقعہ ہے جب کہ احقر کا تعلق مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح ضلع گرگانواں میں تھا، ریاست الور میں دینی تعلیم کو حکماً بند کر دیا گیا تھا تمام چھوٹے بڑے مدارس یک قلم توڑ دیئے گئے تھے، تھوڑے کی اجازت رہ گئی، حضرت اقدس نے کوشش کرنے کا حکم دیا، اور روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا، پھر مختلف قسطوں میں روپیہ منی آرڈر بھی کیا، دعا بھی فرماتے رہے حضرت اقدس کی اس توجہ کا فوری اثر ہوا، اور بہت جلد کھلی کامیابی اور کامل فتح نصیب ہوئی، **الحمدللہ علی ذالک**۔ انتہیٰ ملخصاً

تذکرۃ الخلیل ص ۲۸۴ پر حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے بارے میں لکھتے ہیں

> میرٹھ، دہلی، کاندھلہ گلاؤٹھی وغیرہ کا تو پوچھنا ہی کیا، کہ بار بار تشریف لانا ہوا، اور حضرت کی جوتیوں کے صدقے اچھے اچھے پھلدار درخت پیدا ہوئے ہاں "میوات" کا منظر جو آپ کی سکونت ہند کے آخری سال کا آخری نظارہ تھا، ضرور قابل ذکر ہے جو قصبہ نوح کے سیدھے سادے مسلمان باشندوں "محراب خاں اور نصراللہ خاں" پٹواری نے لکھ کر بھیجا ہے یہ طویل وعریض علاقہ میو قوم سے آباد ہے جو مسلمان ضرور ہیں مگر جہالت اور مذہبی ناواقفیت کے سبب ان کو مسلمان

کہنا مشکل، کوئی عالم اس علاقہ میں گیا بھی تو تقریر سے بدعتی اور زر پرست کہ گاؤں کے گاؤں مرید کیے مگر کسی مرید کو اس سے زیادہ بیعت کا مقصد ہی نہ معلوم ہوا کہ جب چھٹے مہینہ پیر کا دورہ ہوا تو ہر مرید نقد نذرانہ لے کر حاضر ہو گیا، اور پیر کی نذر قبول کر لینے کو جنت کی قیمت سمجھ لیا، کہ جو چاہے کروں، اور جہاں چاہے رہوں اول مولانا محمد صاحب نے اور پھر ان کے بھائی مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنے مخلصانہ توجہ اس کی اصلاح اور ظلمت جہالت دور کرنے کی طرف مبذول کی اور بحمد اللہ برسہا برس کے بعد اس ملک میں جو علم دین کے نام سے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھتا تھا، جگہ جگہ مکاتب قرآن مجید کھل گئے، اور نو عمر بچے ان میں پڑھنے کو آنے لگے، حضرتؒ وہاں کی حالت سن سن کر مصدوم رہتے، اور قلبی توجہ سے اندر ہی اندر کام لیتے ہوئے مولانا محمد الیاس صاحب کو تاکید فرماتے رہتے تھے کہ اس کی طرف توجہ بڑھاتے رہیں، آخر جب آپ نے ہندوستان چھوڑنے کی دل میں ٹھان لی تو باوجود ضعیف اور علیل ہونے کے آپ نے میوات جانے کا عزم کیا اور تشریف لے گئے، یہ ایک قدرتی کشش تھی کہ آپ کا پہلا سفر اور انجان لوگوں میں جانا، مگر مخلوق آپ کا نام ہی سن کر زیارت کے شوق میں گھروں سے نکلی تو یہ عالم تھا کہ قصبہ نوح ہی کے نہیں، بلکہ گرد و نواح کے دیہات اور دور دور کے ہندو مسلمان بچے اور جوان ہزاراں ہزار کی تعداد میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے، اور اس شوق میں کہ پہلے ہم زیارت کریں، بستی سے باہر سڑک کے دونوں طرف قطار باندھ کر دور تک پرے باندھ لئے۔

حضرتؒ کی موٹر وہاں پہنچی تو حضرت اتر لئے، اور مخلوق پروانہ وار گری تو خدام کو اندیشہ ہوا کہ حضرت گر نہ جائیں، مگر اللہ رے ہمت، سبھی سے آپ نے مصافحہ کیا اور آگے بڑھے کہ دس ہزار کی گوہار پیچھے تھی، اور ہر شخص کی زبان پر بے

اختیار یہ لفظ جاری تھے، واہ وا! پیر کیا ہیں فرشتہ ہیں، دل چاہتا ہے یہ اس نور کے مکھڑے کو دیکھتے ہی جاؤں، پیر بہت دیکھے مگر ایسا سوینا (سوہنا) پیر کبھی نہیں دیکھا جمعہ کا دن تھا، نماز ہوئی تو مسجد کے اندر باہر سے لبریز! چھت ساری پُر راستے دور تک بند، کہ کبھی سارے ملک کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا، نماز کے بعد وعظ شروع ہوا، اور حضرت قیام گاہ پر تشریف لے آئے کہ واعظ مرعوب نہ ہو، دل کے دل وعظ چھوڑ کر حضرت کے پیچھے ہو لئے کہ ہمیں تو وعظ میں یہ مزہ نہیں آتا جو پیر کی صورت میں دیکھنے میں آتا ہے کہ نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں، گلاب کا پھول کھلا ہوا مہک رہا ہے، خدا جانے کتنی دیر کا مہمان ہے، بس پیر کی صورت تو دیکھے ہی جاؤ، جانے پھر دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو، پھر بے شمار مخلوق نے الٹی پلٹی باتوں کی اپنی گنواری زبان میں پوچھ گچھ شروع کی تو سننے والے پریشان ہوئے جاتے تھے، مگر حضرت ہر بات کا جواب مسکرا کر دیتے اور ان کی دل لگتی دلیل سے ان کو سمجھاتے تھے، آخر بیعت کا وقت آیا تو ایک پر ایک گرتا اور ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ سعادت سب سے پہلے مجھے حاصل ہو، مگر صدہا کا مجمع اور حضرت کے دو ہاتھ اس لئے عمامہ دور تک پھیلا دیا گیا، اور ایک کافی نہ ہوا تو دوسرا اور تیسرا اس میں باندھ دیا گیا، اور دو طرفہ صف اس کو تھامے ہوئے دور تک چلی گئی، تب حضرت نے خطبہ پڑھا اور آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ (الآیۃ) تلاوت فرمائی، پھر سب کو بیک زبان کلمۂ طیبہ پڑھا کر ایمان کی تجدید کرا کے توبہ کرائی کہ کہو عہد کیا ہم نے کفر نہ کریں گے، شرک نہ کریں گے، بدعت نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، جھوٹ نہ بولیں گے، کسی پر بہتان نہ دھریں گے، پرایا مال ناحق نہ کھائیں گے، اور کوئی گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہرگز نہ کرینگے، اور اگر ہو جائیگا، تو فوراً توبہ کرینگے، بیعت کی ہم نے خاندان

چشتیہ میں، نقشبندیہ میں، قادریہ میں سہروردیہ میں خلیل احمد کے ہاتھ پر یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور ہم کو نیک جماعت میں محشور فرما، اس طرح دو مرتبہ میں تقریباً ایک ہزار میواتی داخل سلسلہ ہوئے اور ایک ہی نظر کیمیا اثر میں نماز روزہ کے پابند اور اتباع سنت پر اتنے پختہ کہ جان جائے مگر ایمان نہ جائے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سفر میوات ۱۳۴۴ھ میں ہوا، اور اس سے دو سال قبل ہی ۴۰ھ اور ۴۱ھ میں حضرت تھانویؒ کے حکم وہدایت کے ماتحت حضرت کے بعض خدام حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی اور حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونیؒ وہاں تبلیغی خدمات پر مامور تھے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی توجہ بھی اس علاقہ کی طرف رہی۔

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کتاب ''تجدید تعلیم وتبلیغ'' کے ص۔ ۱۲۹ پر فرماتے ہیں

> اس تبلیغی خدمات کی بنیاد (منجانب حضرت تھانوی) میوات کے علاقہ میں بڑی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم وہدایت کے تحت بھی بعض خدام بھی وہاں پر مامور تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے والد بزرگوار اور بڑے بھائی سے اس علاقہ کے لوگ پہلے سے ارادت وتعلق رکھتے تھے، اس لئے مولوی صاحب موصوف کا قدرۃً خاص اثر تھا۔

الغرض ان تمام بزرگوں کی توجہات اور مساعی کی برکت تھی کہ میوات کی کافی اصلاح ہوئی، مسجدیں بن گئیں، بہت سے مکاتب اور مدارس کا اجراء ہوا، حفاظ اور علماء تیار ہونے لگے، اور ان سب حضرات کی تبلیغ بالکل سلف کے طریقہ وطرز پر رہی، تبلیغ مروجہ مخترعہ کا نام ونشان نہ تھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جیسا کہ عرض کیا گیا ان

بزرگوں کے ساتھ لگے رہے۔

کتاب ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' کے حصہ سوم کے ص: ۳۸ پر بحوالہ جناب مولانا ابوالحسن صاحب ندوی مذکور ہے کہ

> حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے میوات کے لوگوں کا گہرا تعلق پیدا ہو چکا تھا، حضرت مولانا نے جب میواتیوں کے نزاعات اور جھگڑوں کو اپنی حکمت اور روحانیت سے ختم کیا تھا، جس سے یہ میواتی، حضرت والا کی ذات کو محبوب ترین ذات سمجھنے لگے تھے، اور اشاروں کو سمجھنے لگے تھے، اسی زمانہ میں اور بھی بعض علماء نے (یہ اشارہ ہے حضرت تھانوی کی طرف سے مامورین بالتبلیغ کی طرف) میوات میں تبلیغ واصلاح کا کام شروع کیا تھا، اور جیسا کہ سارے ہندوستان میں علمائے حق کا طریقہ ہے خلاف شرع امور کی روک تھام اور مسائل دینی کی اشاعت شروع کی، اسی سلسلے میں انھوں نے بعض رسوم کی مخالفت کی تحریک اٹھائی۔

(یعنی مثل طریقہ علمائے حق کے امر بالمعروف کیساتھ نہی عن المنکر بھی کرتے رہے)

پھر اسی کے ص: ۴۰ پر مذکور ہے

> اسی طرح عرصہ تک حضرت مولانا میوات جاتے رہے، اور میوات کے لوگوں کو روحانی فیض ملتا رہا، لوگ بکثرت آپ سے مرید ہوتے، اور ہدایت پاتے ربیع الاول ۱۳۴۴ھ میں علماء مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب میوات تشریف لے گئے اور فیروز پور میں قیام فرمایا، شرکاء کا بیان ہے کہ انسانوں کا ایک جنگل تھا جو اس علاقہ میں جمع تھا۔

صفحہ ۳۹ پر مذکور ہے کہ

> قصبہ نوح ضلع گوڑگانواں میں ۱۳۵۲ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی

صدارت میں ایک پنچایت کی گئی، جس میں سارے میوات کے چودھری صاحبان، میاں جی ذیل داران ‘‘نمبرداران’’ صوبہ داران منشی حضرات وسفید پوشاں ودیگر سربرآوردگاں علاقہ میوات جمع ہوئے، جن کی تعداد تقریباً ایک سو سات تھی، اس پنچایت میں سب سے پہلے اسلام کی اہمیت بیان کی گئی پھر اسلام کی ساری باتوں کی پابندی اوراس کی اجتماعی طور پر اشاعت اوردین کی دعوت کا کام کرنے کے لئے پنچ تیں کرنے اوراس کام سے زندگی میں کسی بھی وقت نہ ہٹنے کا عہد کیا۔

خصوصاً(۱) کلمہ (۲) نماز (۳) تعلیم حاصل کرنا اوراسکی اشاعت (۴) اسلامی شکل وصورت (۵) اسلامی رسوم کا اختیار کرنا اوررسوم شرکیہ کا مٹانا (۶) اسلامی طریقہ کا پردہ (۷) اسلامی طریقہ کا نکاح کرنا (۸) عورتوں کو اسلامی لباس زیب تن کرنا (۹) اسلامی عقیدے سے نہ ہٹنا اور کسی غیر مذہب کو قبول نہ کرنا (۱۰) باہمی حقوق کی نگہداشت وحفاظت (۱۱) ہر اجتماع اور جلسہ میں ذمہ دار حضرات کا شریک ہونا (۱۲) بغیر دینی تعلیم کے دنیاوی تعلیم بچوں کو نہ دینا (۱۳) دین کی تبلیغ کیلئے ہمت اور کوشش کرنا (۱۴) پاکی کا خیال کرنا (۱۵) ایک دوسرے کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا اس کے علاوہ اپنی پنچایت میں طے کیا گیا کہ تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں بلکہ ہم سب کا فریضہ ہے اس کو انجام دیں گے، یہ ساری طے شدہ چیزیں لکھی گئیں، اور پنچایت نامہ مرتب کیا گیا، اوران پر شرکاء کے دستخط ہوئے اسی طرح عرصہ تک مولانا میوات جاتے رہے، اور میوات کے لوگوں کو روحانی فیض ملتا رہا بکثرت آپ سے مرید ہوئے اور ہدایت پاتے۔

صفحہ ۴۲ پر ہے:

شوال ۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ہمراہ دوسرا

حج کیا حج سے واپسی پر حضرت مولانا نے تبلیغی گشت شروع کردیئے، اور میوات میں تبلیغی اجتماع کئے، لوگوں کو دعوت دی کہ وہ عوام میں دین کے اولین ارکان واصول (کلمہ ونماز) کی تبلیغ کرینگے، لوگ اس طریقہ سے ناآشنا تھے، اور بڑی مشکل سے اس کام پر آمادہ ہوئے تھے، آپ نے قصبہ نوح میں ایک بڑا اجتماع کیا تھا اور دعوت دی کہ لوگ جماعتیں بنا بنا کر نکلیں ایک ماہ بعد جماعت بنی۔

صفحہ ۴۴ پر ہے

۱۳۵۱ھ میں تیسرا حج فرمایا اور حج سے واپسی کے بعد میوات کے دو دورے کئے جو تبلیغی کام کے لئے بہت مفید اور موثر ثابت ہوئے۔

صفحہ ۴۹ پر ہے کہ

ملک میں دین کی رغبت پیدا ہوگئی اوراس کے آثار ظاہر ہونے لگے جس علاقے میں کوسوں مسجدیں نظر نہیں آتی تھیں وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں، صدہا مکتب اور متعدد عربی مدرسے قائم ہوگئے، حفاظ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے فارغ التحصیل علماء کی ایک خاصی بڑی تعداد ہے۔ وغیرہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کتاب ‘‘تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۲۵’’ پر فرماتے ہیں

حضرت (مولانا الیاس صاحب) کے ایک مکتوب کے چند فقرے نقل کرتا ہوں جو میوات کے کارکنوں کے نام لکھا گیا اور حضرت مولانا کے مکاتیب میں جمع شدہ ہے۔ . . . میرے دوستو اور میرے عزیزو! میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(الف) اپنے اپنے حلقے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کرکے مجھے اور شیخ

الحدیث صاحب کو لکھیں کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں، یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

(ب) دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو جو بیعت کے بعد بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں۔

(ج) ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہے۔

(د) تم خود بھی ذکر و تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں، اگر نہیں تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر نادم ہو کر شروع کر دو۔

الف سے مراد یہ ہے کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں، اور ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا اپنی تجویز سے

(و) جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک چلہ رائے پور جا کر گذاریں۔

ملفوظات ص:۱۰۴ پر ہے کہ

فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ اب میوات میں فرائض (یعنی دینی تقسیم میراث میں شرعی طریق) کو زندہ کرنے اور رواج دینے کی طرف خاص توجہ کی جائے اور اب جو تبلیغی وفود جائیں وہ فرائض کے باب کے وعدوں اور وعیدوں کو خوب یاد کر کے جائیں (یعنی صرف وعدوں اور فضائل کے سنانے پر اکتفا نہ کریں وعیدوں کو بھی سنائی)

واقعات وتصریحات مذکورۃ الصدر سے واضح ہوا کہ

(۱) میوات کی جگمگاہٹ اور لہلہاہٹ صرف حضرت مولانا الیاں صاحب ہی کی

کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اس میں بہت کافی حضرت مولانا تھانوی کی جدوجہد اور توجہات کو بھی دخل ہے، نیز مولانا الیاس صاحب کے محترم شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور والد محترم مولانا اسماعیل صاحب اور بڑے بھائی حضرت مولانا محمد صاحب کی جدوجہد اور توجہات کو بھی دخل ہے۔

(۲) ان تمام حضرات اور حضرت مولانا الیاس صاحب کی جدوجہد اور کوشش اپنے پیش رو بزرگوں اور سلف صالحین کے طرز پر رہی، سلف صالحین کے مطابق مطلق تبلیغ کی جاتی رہی وہی مکاتب و مدارس جاری کرنے کی کوشش، وہی پیری مریدی، وہی بیعت و تلقین، وہی وعظ و تذکیر کے جلسے وہی اہل اللہ کی صحبت میں رہنے کا مشورہ اور کوشش خلاصہ یہ کہ تبلیغ واشاعت وبذریعہ مدرسیت وخانقاہیت اور امر بالمعروف کے ساتھ ساتھ نہی عن المنکر نہ کہ تبلیغ مروجہ بہ ہیئت کذائیہ۔

غرض کہ بہ حیثیت مجموعی مولانا محمد الیاس صاحب سلف ہی کے طرز پر تبلیغ واشاعت میں لگے رہے تو اس کا اثر کیوں نہ ہوتا، چنانچہ اس کا بہت اثر ہوا، اور دیگر بزرگوں کی توجہات ومساعی سے بہت زیادہ اصلاح کے باوجود بہت زیادہ باقی ماندہ جہالت وغفلت کا قلع قمع ہوا۔

(۳) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اخلاص، للّٰہیت، دلسوزی اور شفقت علی الامۃ جفاکشی، تواضع، حلم، تحمل وغیر اعلیٰ صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، اس کی بھی برکت اور تاثیر ظاہر ہوئی۔

الغرض اصلاح میوات کے عوامل متعدد مصلحین کی جدوجہد اور مولانا الیاس

صاحب کی مساعی و برکت ہیں نہ کہ مروجہ تبلیغی ہیئت کذائی، جزوی فائدہ واثر کا انکار نہیں، لیکن ہیئت کذائی کے صحیح ثابت ہونے کیلئے جزوی یا کلی فائدہ واثر کا اعتبار نہیں۔

تو اب بتایئے جب کہ حضرت تھانوی خود اس خطہ میں اصلاحی کوششیں کر رہے ہوں خود بھی تشریف لے گئے ہوں، مبلغین کو ایک عرصہ تک کام کرنے کے لئے مامور فرمایا ہو روپے خرچ فرما رہے ہوں، دعائیں کر رہے ہوں، متفکر و بے چین رہے ہوں، مدرسے کھلوا رہے ہوں اور پھر معلوم ہو کہ مولانا الیاس صاحب یہی سب کام کر رہے ہیں، اور اس میں بہت ہی جفاکشی ودلسوزی سے کام لے رہے ہیں جس سے وہاں کی جہالت دور ہو رہی ہے اور لوگ عام طور پر دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں تو خوشی سے باغ باغ ہوں اور یہ فرمائیں کہ الیاسؒ نے تو اس کو آس سے بدل دیا تو کون سی تعجب کی بات ہے، بلکہ خوش نہ ہوتے تو تعجب تھا خصوصاً جب کہ مولانا الیاس صاحب حضرت حکیم الامت کی خدمت میں تھانہ بھون برابر حاضر ہو رہے ہوں، ہدایات ومشورے لے رہے ہوں، دعائیں لے رہے ہوں تو ایسی صورت میں ناخوش ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، البتہ چونکہ حضرت مولانا الیاس صاحب کی طبیعت میں ایک بے قراری تھی جو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی تھی، ایک بے چینی تھی جو چین نہیں لینے دیتی تھی، ایک سوز دروں تھا جس سے سینہ سلگتا رہتا تھا، ایک فکر تھی جس نے دن کے چین اور راتوں کی نیند کو حرام کر دیا تھا، ایک دھن تھی ایک لگن تھی، چنانچہ ایک بار فرمایا۔

> مولانا! علماء اس طرف نہیں آتے میں کیا کروں، ہائے اللہ! میں کیا کروں عرض کیا سب آجائیں گے، آپ دعا کریں، فرمایا میں تو دعا بھی نہیں کر سکتا تم ہی دعا کرو۔ (ملفوظات ص:۵۹)

تبلیغ کے کام کے لئے سادات کو زیادہ کوشش سے اٹھایا جائے اور آگے بڑھایا

جائے۔ ص:۵۸

کبھی فرماتے

> ہمارے قافلے پورا کام نہیں کر سکتے، ان سے تو بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں (علماء وصلحاء) کو بے چارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں، ہر جگہ پر اصل کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا۔ (ص:۳۱)

کتاب ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' کے حصہ سوم ص:۱۲۱ پر ہے کہ

> مولانا کی کیفیت یہ تھی کہ ایک صحبت میں اپنی دعوت کے ایک پہلو پر زور دے رہے ہیں، اور اتنا زور دے رہے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھے گا کہ بس یہی ان کی دعوت کا حاصل ہے اور پھر کسی دوسری مجلس میں کسی اور پہلو پر ایسا زور دے رہے ہیں کہ گویا وہی ان کا مطمح نظر ہے، اور تیسری کسی اور صحبت میں کسی اور ہی پہلو پر اتنا زور دے رہ ہیں کہ سننے والا سمجھے کہ یہی ان کا مقصد وحید اور نصب العین ہے۔ وغیر ذالک من الاقوال والافعال والاحوال

غرضیکہ مولانا کی وفود شفقت علی الامت، باطنی سوزش و جوش کی بناء پر یہی کوشش تھی کہ جس صورت سے ہو اہل میوات کی جہالت وغفلت، دور ہونی چاہئے، لہٰذا جو بھی تدبیر مفید و موثر سمجھ میں آتی تھی اختیار فرما لیتے تھے، اسی سلسلہ میں عوام اور جہلا کو بھی دیگر بہت سی تدبیروں کے ساتھ کار تبلیغ میں لگایا، اور اس کا اثر بھی ظاہر ہونے لگا، عام بیداری کی لہر دوڑنے لگی، اور اہل علم کے منصب میں عوام اور جہلاء

کے دخیل بنانے سے جو فتنہ اور فساد غلو اور تفریط و افراط متوقع اور متصور تھا اس کی طرف التفات نہ ہوا، حضرت مولانا الیاس صاحب کی تمام تبلیغی کوششوں اور تدابیر سے حضرت مولانا تھانوی بہت زیادہ خوش تھے، لیکن صرف اسی جزء یعنی جہلاء اور نا اہلوں کے ہاتھ میں کارِ تبلیغ انجام دینے سے خوش نہیں تھے۔

مولانا تھانوی کو بیشک اس سے اختلاف تھا، اور یہ امر یقیناً مولانا کے مسلک اور منشاء کے خلاف تھا اور ہے، خواہ طریقۂ کار صحیح ہی کیوں نہ ہو، اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی کمی کا بہت زیادہ احساس مولانا الیاس صاحب کو بھی تھا، جیسا کہ ملفوظات ص: ۴۵ پر حضرت تھانوی کے وصال کے بعد فرمایا کہ

> مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اس میں اہل علم اور اہل ذکر نہیں لگے، اگر یہ حضرات آکر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی پوری ہو جائے، مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک بہت کم آئے ہیں“
>
> اس پر جامع ملفوظات حضرت مولانا ظفر احمدؒ صاحب نے فرمایا
>
> (تشریح) اب تک جو جماعتیں تبلیغ کے لئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہل علم کی اور اہل نسبت کی کمی ہے جس کا حضرت کو قلق تھا، کاش اہل علم اور اہل نسبت ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں، تو یہ کمی پوری ہو جائے، الحمد للہ مرکز تبلیغ میں اہل علم اور اہل نسبت موجود ہیں مگر وہ گنتی کے چند آدمی ہیں، اگر وہ جماعت کے ساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کون سرانجام دے“

نا اہل، جہلاء کو کام سپرد کرنے کے خلاف حضرت تھانوی کی تصنیفات نیز مواعظ و ملفوظات میں مولانا کے ارشادات موجود ہیں، بڑے شد و مد سے نقلی عقلی دلائل سے جاہل اور نا اہل کو کام سپرد کرنے کو نا جائز اور مضر بتلا رہے ہیں، اور اس سے تحذیر فرما رہے ہیں۔

(کمافی بیان القرآن و وعظ الہدیٰ والمغفرۃ وغیرہ کمامر سابقاً)

مولانا کی تصنیفات ملفوظات، مکتوبات، مواعظ اور فتاویٰ وغیرہ کے ہزار سے متجاوز ذخیرے میں اس تحریک کا کوئی ذکر نہیں، نہ اپنے کسی مرید و مسترشد کو اس مخصوص کام کا حکم اور مشورہ دیا، حالانکہ موجودہ و گذشتہ صحیح یا غلط کوئی دینی تحریک ایسی نہیں ہے کہ جس کا ذکر مولانا نے عبارۃً یا اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً صراحۃً یا کنایۃً اجمالاً یا تفصیلاً، نفیاً یا اثباتاً کلیۃً، یا جزیۃً نہ کیا ہو، الا ماشاء اللہ۔

باقی مخصوص امور میں محدود اور قیود و تخصیصات و تعینات زائدہ خاصہ سے متعین تبلیغ تو حضرات علمائے ربانیین کے بیان کردہ اصول و قوانین اور قواعد شرعیہ، نیز حضرت تھانوی کے بیان کردہ، قواعد خمسہ مندرجہ رسالہ ہذا سے اس مخصوص عمل کا نا جائز اور بدعت ہونا ظاہر ہو چکا ہے، خواہ جماعتِ علماء ہی اس کو انجام دے۔

پس اس مخصوص عمل کی موافقت کی عدم تصریح اور اصولی طور پر عدم جواز کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ یہ موجودہ عمل شرع شریف کے خلاف ہے اور اگر موافقت میں مولانا یا کسی بڑے سے بڑے عالم کا قول ثابت بھی ہو جائے تو خود مولانا تھانوی و دیگر علمائے محققین و ربانیین کے مدلل ارشادات و تصریحات سے اس کا نا قابل قبول ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

رہے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، تو ہمارا اپنا حسن ظن یہ ہے کہ حضرت موصوف نے بہ تقاضائے مقام و وقت عارضی طور پر یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا، نہ تو اس مخصوص طریقہ کو علی وجہ التشریع اختیار فرمایا تھا اور نہ ہی اس کو مقصد بنایا تھا، جو

کچھ اس سلسلے میں پیچ وخم تھا اس کا منشاء غایت دینی جوش تھا، بعد کے لوگوں نے اس کو مذہب بنا کر اس کی پابندی شروع کر دی، حضرت کی عظمت اور مسلم شخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے تو کتاب تجدید تعلیم وتبلیغ میں ص:۱۷۱ پر فرمایا کہ

> کام کا طریق حضرت (تھانوی) کے مذاق ومعیار سے مختلف تھا، حضرت کا خاص مذاق ہر چھوٹے بڑے کام میں قدم قدم پر توازن وتوسط، حدود واعتدال کا غایت اہتمام تھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ بڑا عاشقانہ تھا، احقر کو جب جب زیارت ہوئی اسی کا تجربہ ہوا، لیکن بڑوں کی ہر بات نقل واتباع کی نہیں ہوتی ''عشاق میں جو چیز جوشِ عشق است نے وترکِ ادب'' ہوتی ہے اسکی نقالی بارہا ''زشت باشد روئے نازیبا وناز'' ہو جاتی ہے۔

یہ حضرت مولانا عبدالباری ندوی کا ارشاد تھا، اور احقر حضرت مولانا معنوی کی زبان سے کہتا ہے۔

عاشقاں را ہر نفس سوزید نیست   بردهٔ ویراں خراج وعشر نیست
ورخطا گوید ورا خاطی مگو   گر بود پر خوں شہید آں مشو
خوں شہیداں راز آب اولیٰ ترست   این خطا از صد صواب اولیٰ تراست

پھر مشورہ دیتے ہیں کہ

توز سرمستاں قلاوزی مجو   جامہ چاکاں راچہ فرمائی رفو

اور اگر کسی کو یہ تاویل پسند نہیں، مولانا ہی کو اس کا بانی اور مذہب بنانے پر اصرار ہے تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے، اس صورت میں جواب یہ ہوگا کہ دلائل شرعیہ کے مقابلے میں بڑی سے بڑی کوئی ہستی معیار صحت واستحسان نہیں ہو سکتی، غلط چیز غلط ہی

رہے گی، کسی بڑے کی طرف انتساب سے صحیح نہیں ہو سکتی۔

خود حضرت مولانا الیاس صاحب فرماتے ہیں

> ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ (فلاں) طرز عمل ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے، لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کو دین کے لئے نہایت نافع اور نہایت مفید ہونا (صحیح ہونا نہیں کیونکہ نافع اور مفید ہونے سے صحیح ہونا لازم نہیں ۱۲ ناقل) دلائل اور تجربہ سے معلوم ہو گیا، اس کو صرف اس لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا، بڑی غلطی ہے شیخ شیخ ہی تو ہے۔ خدا تو نہیں (ملفوظات ص: ۱۴۵)

اس ملفوظ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ

> جس چیز کا غلط اور بدعت ہونا دلاءشرعیہ سے معلوم ہو گیا، اس کو صرف اس لئے اختیار کرنا کہ ہمارے شیخ اور بزرگ نے کیا ہے، بڑی غلطی ہے، شیخ شیخ ہی تو ہے۔ خدا تو نہیں

س جب یہ امر مولانا تھانوی کے سامنے تھا، اور مولانا اس کو ناجائز سمجھتے تھے تو مولانا کو اپنے مخصوص مزاج اور معمول کے مطابق صراحۃً اسکے ناجائز ہونے کا فتویٰ دینا چاہئے تھا، مگر مولانا کا کوئی فتویٰ اسکے عدم جواز کا مذکور نہیں۔

ج مذکور نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مولانا اس کو جائز سمجھتے تھے، اور مولانا کے جائز سمجھنے سے بھی لازم نہیں ہے کہ وہ شرعاً جائز ہو، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ مولانا فلاں دلیل شرعی سے فلاں امر کو جائز سمجھ رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ مولانا کو عمل کی اصل کیفیت کا علم نہ رہا ہو، جیسا کہ مولانا خود ہی اپنی کتاب اصلاح الرسوم ص: ۹۲ پر بسلسلہ مسئلہ مولود مروجہ فرماتے ہیں کہ

فتویٰ تو استفتاء کے تابع ہوتا ہے، مستفتی اپنا عیب کب کھولتا ہے بلکہ ہر طرح اپنی خوش اعتقادی وخلوص کو جتلا کر پوچھتا ہے اس کا جواب بجز جواز کے کیا ہوگا‘‘

پھر آگے فرماتے ہیں

ان کے زمانے میں مفاسد مذکورہ پیدا نہ ہوئے تھے، اس وقت انھوں نے اثبات کیا، اب مفاسد پیدا ہوگئے ہیں، وہ حضرات بھی اس زمانہ میں ہوتے اور ان مفاسد کو ملاحظہ کرتے تو وہ بھی منع کرتے، اس لئے اس کی نفی کی جاتی ہے۔

پھر فرماتے ہیں

جس عمل کو جن عقائد ومفاسد کیوجہ سے ہم روک رہے ہیں ان مفاسد کا سوال میں اظہار کرنے کے بعد فتویٰ منگا دو اس وقت شبہ معقول ہوسکتا ہے، اسوقت جواب ہمارے ذمہ ہوگا۔

پھر ص: ۹۳ پر فرماتے ہیں

خیر خیرات اور احتشام اسلام وتبلیغ احکام کے جب اور طریقے مشروع ہیں تو غیر مشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی اور ان کے حاصل کرنے کے لئے ان نامشروع طریقوں کے اختیار کرنے کی شرعاً کب اجازت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو چیز مولانا کے سامنے ظاہر تھی یعنی جہلاء کا کارِ تبلیغ انجام دینا اور وعظ کہنا تو اس کے متعلق تو مولانا کے صریح ارشادات موجود ہیں، اور اس امر کی ناپسندیدگی کے بارے میں روایات بھی شاہد ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کا قول کتاب کیا تبلیغی کام ضروری ہے کے ص: ۸۵ پر مذکور ہے۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محتاط اور دوررس طبیعت تبلیغ کا کام جاہلوں کے سپرد کرنے سے مطمئن نہ تھی، مولانا کی طبیعت کھٹکتی تھی کہ کہیں اس طریقہ سے

کوئی بڑا فتنہ نہ پیدا ہو، اور یہ بے اطمینانی تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضۂ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔

دیگر بعض روایات کا ذکر آگے آرہا ہے

باقی تبلیغ مخصوص بہ ہیئت کذائیہ مولانا کے سامنے واضح شکل میں موجود نہ تھی ۴۱-۴۴ھ میں خود حضرت مولانا تھانوی اور ان کے خلفاء نے تبلیغ کی ابتداء کی اور ایک مدت تک اس کو انجام دیتے رہے جس کی قدرے تفصیل اوپر مذکور ہوئی، ۴۳ھ میں حضرت مولانا سہارنپوری اور دیگر علماء تشریف لے گئے، اور ۴۴ھ میں مولانا سہارنپوری حج کو روانہ ہوئے، ہمراہی میں مولانا الیاس صاحب بھی تھے، حج سے واپسی کے بعد ۵۱-۵۲ھ میں مولانا الیاس صاحب کو گشتوں کا خیال پیدا ہوا، ۵۶ھ میں میواتیوں کی جماعتوں کو میوات سے باہر روانگی کا سلسلہ شروع ہوا، اور اسی سال یعنی ۵۶ھ میں آپ نے دوسرا اور آخری حج کیا۔ ۵۸-۵۹ھ میں اس تحریک ودعوت کے متعلق ملک کے مختلف رسائل میں مضامین شائع ہوئے اہل علم اور اہل مدارس نے اس طرف توجہ دی، ۶۰ھ میں قصبہ نوح میں بڑا اجتماع ہوا، جس میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ شریک تھے، اس اجتماع کے بعد میواتی دہلی کے تاجر، مدارس کے علماء کالج کے طلباء باہم مل جل کر جماعتیں بنا بنا کر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھرنے لگے۔

خصوصاً سہارنپور، خورجہ، علیگڑھ، بلندشہر، میرٹھ، پانی پت، کرنال، رہتک کے دورے ہوئے، تھانہ بھون بھی جماعت گئی، حضرت مولانا کی زندگی کا آخری دور اور تبلیغی جماعت کے دوروں کا ابتدائی دور تھا، چنانچہ مولانا تھانوی ۶۲ھ دارالبقاء کی جانب کوچ فرماگئے اور ۶۳ھ میں مولانا الیاس صاحب نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہی۔

(ماخوذ از مولانا الیاس صاحب، اور ان کی دینی دعوت مندرجہ کتاب کیا تبلیغی کام ضروری ہے)

رئیس التبلیغ مولانا یوسف صاحب سے کسی نے بذریعہ خط استفسار کیا کہ کیا مولانا تھانوی اس سے ناخوش تھے، مولانا نے جواب لکھا کہ

> حضرتؒ کے دور تک کام کی بنیاد ہی ڈالی جارہی تھی، ابھی نتائج کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ (کیا تبلیغی کام ضروری ہے ص: ۲۳ مکتوب نمبر ۶)

حضرت مولانا الیاس صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ

> میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصولوں کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آداب خانقاہ کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں اور جس میں باضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے اس بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کر کے کوئی طرز مقرر فرمار کھیں، یہ بندۂ ناچیز بھی بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند بوُساء (فقراء) کے ساتھ حاضر ہو، دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے۔

اس والا نامہ لطف شمامہ خصوصاً خط کشیدہ فقروں سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب کا طرز عمل وقتی مصالح پر مبنی و مقامی طور پر عارضی تھا، اور موقع و محل کے لحاظ سے تغیر پذیر تھا، بنابریں جزئی و تفصیلی طور پر مولانا تھانوی کے کوئی حتمی رائے قائم فرمانے اور اس کے ظاہر فرمانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، البتہ اصولی طور پر مولانا کی ایسے امور سے متعلق تصریحات تصنیفات وغیرہ میں بھری پڑی ہیں، جن سے مولانا کی رائے کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

س حضرت مولانا الیاس صاحب کی سوانح میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے فرمایا کہ مولانا تھانوی کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضۂ تبلیغ کیسے انجام دیں سکیں گے لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے اور کچھ نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔

ج یہ مولانا ندوی مدظلہم العالیٰ کا خیال ہی خیال ہے، مولانا ہرگز مطمئن نہ تھے، جیسا کہ مولانا مختلف رسائل و تصنیفات میں شدومد سے عقلی و نقلی دلائل سے اس پر نکیر وانکار ثابت ہے ممکن ہے مولانا ظفر احمد صاحب کے بیان پر مولانا نے سکوت اور اغماض فرمایا ہو، جس سے راوی نے اپنے فہم سے اطمینان سمجھ لیا ہو، حضرت تھانوی کے وصال کے دوسرے سال بندہ نے دوران طالب علمی مظاہر علوم سہارنپور سے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا وہ بحمد اللہ تاہنوز بندہ کے پاس محفوظ ہے، امید کہ موجب بصیرت ہوگا۔ وہو ہذہ

مخدوم و مکرم حضرت مولانا مولوی صاحب...... دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (جواب) وعلیکم السلام

> حضرت مولانا مولوی الیاس صاحب مدظلہ کاندھلوی کے طرز تبلیغ سے جناب کو ضرور واقفیت ہوگی، مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی بذریعہ استاد نا مولانا...... مدظلہ کہ مرید صاحب موصوف ہیں، اس جمیعۃ کی شاخ موجود ہے، جو بذریعہ طلبہ انجام پذیر ہوتی ہے، اور ابھی چند روز ہوئے کہ جناب مولوی...... صاحب دہلوی جو بالواسطہ حضرت گنگوہی سے تعلق رکھنے والے ہیں، تشریف لائے، اور طلبہ کے سامنے تقریر کی، جس میں مولانا کاندھلوی کے طرز تبلیغ کے محاسن اور اہمیت و ضرورت کے بڑے زوروں سے ثابت فرمایا جس کی وجہ سے طلبہ کے اندر شوق کے بڑھنے کے آثار معلوم ہوئے، اس سے قبل عرصے سے

احقر کو تبلیغ کا بڑا شوق تھا، اکثر اوقات تبلیغ میں صرف کرتا تھا، اور اپنے شیخ مولانا ومقتدانا حضرت مولانا...... دامت برکاتہم کی اجازت سے بذریعہ تقریر وتحریر ہر طرح تبلیغ کرتا تھا۔

(جواب) مربی کی اجازت کے بعد مضر باطن تو نہیں مگر تعلیم میں نقصان دینے کے باعث آپ جیسے طلبہ کے واسطے حضرت والا قدس سرہ اس خدمت کو پسند نہ فرماتے تھے۔

حال: مولانا کاندھلوی کے طرز تبلیغ کا موثر مفید ہونا سن کر اس جماعت میں شریک ہونے کا خیال پیدا ہوگیا، یہ سن کر کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج مبارک کے خلاف ہے نہیں شریک ہوا۔

(جواب) طرز عمل میں جزوی اختلاف سے اصل عمل پر اثر کیسے سمجھ لیا۔

حال: مگر کوئی صحیح طور سے بتانے والا نہ ملا کہ حضرت حکیم الامتؒ واقعی خوش نہیں تھے، بلکہ اکثریت اسی طرف رہی کہ حضرت نے دعا فرمائی اور مبارکباد دی۔

(جواب) اس سے صرف نفس عمل مقصود تھا۔

حال:- اور اس طرز کو پسند فرمایا وغیرہ وغیرہ

(جواب) یہ کسی راوی نے اپنے فہم سے سمجھ لیا۔

حال:- تا آنکہ جناب کے صاحبزادہ جناب مولوی حاجی عبدالشکور صاحب سے نیاز حاصل ہوا، صاحب موصوف بندہ کے تمام اسباق میں شریک ہیں، موصوف سے معلوم ہوا کہ جناب کو اس طرز سے واقفیت ہے نیز اگر حضرت سے چارہ جوئی کی جائے تو یقین ہے کہ راستہ کھل جائے لہٰذا گذارش خدمت اقدس میں بندہ کی یہ ہے کہ ارشاد فرمایا جائے کہ آیا اس جماعت میں شرکت کی جائے یا نہیں؟

(جواب) اس عنوان سے بہت گرانی ہوئی، کیا وہ حضرات کسی امر میں ہم سے الگ ہیں جس سے ان کو جدا جماعت قرار دیا گیا۔

حال:- اور اگر نہیں تو پھر تبلیغ کے لئے کون سے اصول کی پابندی کی جائے اور مولانا کاندھلوی کے اس تحریک میں کیا خامیاں ہیں۔

(جواب) طریق کار میں اختلاف سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کے طریق کار میں خامی ہے۔

حال:- براہ کرم بزرگانہ ہماری رہنمائی فرمائیں ہم سخت غلطاں وپیچاں ہیں۔

(جواب) یہ حدود کے عدم علم یا عدم رعایت سے ناشی ہے۔

فقط والسلام۔ دست بستہ گذارش خدمت عالی میں ہے کہ میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ علوم ظاہری وباطنی سے مالا مال فرمائیں اور اپنی مرضیات میں لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (جواب) اللھم آمین ثم آمین......
عبدالکریم گمتھلوی

اور اس کے دوسرے سال حضرت تھانوی کے برادر زادہ وپروردہ وخلیفہ حضرت مولانا شبیر علی صاحب مہتمم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا، تو حضرت موصوف نے بھی اس جزوی اختلاف کا ذکر فرمایا، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک واقعہ سنو بڑے ابا کے وصال کے چند ہی عرصہ کے بعد مولوی الیاس صاحب تھانہ بھون آئے، اور مجھ سے کہا کہ بھائی شبیر غضب ہوگیا میں نے کہا خیر تو ہے کیا بات ہے، تو انھوں نے کہا کہ حضرت نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مولوی الیاس تم لگا تو رہے ہو عوام کو اس کام میں، مگر مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس میں اہل زیغ نہ شامل ہو جائیں، سو وہ حضرت کی بات صادق آئی، کچھ قادیانی میرے کام میں لپٹ پڑے

ہیں، میں نے کہا مولوی صاحب آگ تو تم نے کھائی، انگارہ کون ہگے، اب جب آگ کھائی ہے تو انگارہ بھی ہگو۔

یہ واقعہ مولانا شبیر علی صاحب نے بیان کر کے فرمایا اسی سے سمجھ لو۔

ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مولانا تھانوی کو اس سے جزوی اختلاف رہا، مولانا ظفر احمد صاحب کا افراط وتفریط سے پاک کہنا اور اس پر مولانا کا سکوت فرمانا، اسی ابتدائی دور کی بات ہے جب کہ بقول مولانا یوسف صاحب حضرت کے دور تک کام کی بنیاد ہی ڈالی جارہی تھی ابھی نتائج (نیک یابد) کا ظہور نہیں ہوا تھا، اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا کی محتاط اور دوررس طبیعت تبلیغ کا کام جاہلوں کے سپرد کرنے سے مطمئن نہ تھی۔

اور مولانا کی یہ کھٹک اور بے اطمینانی بے وجہ نہیں تھی، قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله (اوکما قال) یعنی مومن کی فراست سے ڈرو اس لے کہ وہ اللہ کی نور سے دیکھتا ہے، مولانا جو بات دیکھ رہے تھے، وہ مولانا ظفر احمد صاحب کی نگاہوں سے اوجھل تھی، چنانچہ وہی مولانا ظفر احمد صاحب جنھوں نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے، اور کچھ اور نہیں چھیڑتے، اور اسی بیان پر مولانا تھانوی کا بقول مولانا ندوی اطمینان مبنی تھا، انھیں مولانا ظفر احمد صاحب نے جب افراط وتفریط کا خود مشاہدہ کیا، اور مفاسد سے مطلع ہوئے اور نتائج کا ظہور ہونے لگا، تو ایک عرصہ کے بعد ایک تحریر سے ان مفاسد کا اظہار فرمادیا، جس سے خود اپنے بیان کی تردید اور حضرت مولانا تھانوی کے تفرس دوررسی اور احتیاط کی تصدیق فرمادی، مولانا ظفر احمد صاحب کی یہ تحریر "آداب المبلغین" کے نام سے جناب مولانا صوفی محمد حسین صاحب دریبہ پان مرادآباد نے عرصہ ہوا شائع کردی ہے مولانا ظفر احمد صاحب مولانا تھانوی کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ (گو آخر میں نہیں رہے تھے) مولانا الیاس صاحب کے پیر بھائی یعنی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے خلیفہ بھی تھے، مولانا الیاس صاحب نے اپنے بعد جن تین حضرات کو تبلیغ کا سرپرست بنانا تجویز کیا تھا، ان میں سے ایک یہ بھی تھے، لہٰذا یہ تحریر مولانا الیاس صاحب ہی کی طرف سے سمجھنا چاہئے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں

> اس میں شک نہیں کہ اس کام (تبلیغ) کو اصول (شرعیہ) کیساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمین کی بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے، لیکن افراط وتفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے اس لئے چند امور پر تنبیہ ضروری ہے۔

(۱)

تبلیغی گشت کے مواقع پر دیکھا گیا کہ لوگوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر مسجد کی طرف گھسیٹا جارہا ہے کسی کی کمر میں ہاتھ ڈالا جارہا ہے کسی کے گلے میں کہ بھائی چلو بس اسی وقت سے نماز شروع کردو، کسی نے ناپاکی کا عذر کیا تو زبردستی کنویں یا تالاب پر لے جاکر نہلایا جارہا ہے، بعض اس سے بچنے کے لئے بھاگتے اور منھ چھپاتے ہیں، بعضوں کی زبان سے سخت کلمات نکل جاتے ہیں، یہ نازیبا صورتیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پسند نہیں فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی جو شخص دین سے استغناء برتتا ہے آپ اس کے درپے ہوتے ہیں، حالانکہ حضور کے یہاں

کسی نازیبا غلو کا نام بھی نہ تھا۔

(۲)

بعض عوام مہینوں سے اس جماعت کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے ہیں، اجتماعات میں حاضر ہوتے ہیں، مگر تجربہ ہے کہ ایسے عامیوں کی نماز میں کوتاہیاں ہوتی ہیں، سورہ فاتحہ اور انا اعطینا بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، نماز دین کی ساری عمارت کا ستون ہے جو عامی ایک مرتبہ بھی اس جماعت یا اس کے کسی خادم کے پاس آجائے تو کلمہ کی تعلیم وتصحیح کے بعد سب سے مقدم نماز کی خامیوں کا امتحان لے کر اس کی درستی کی تاکید اور اہتمام کرنا چاہئے۔

(۳)

بعض لوگوں کو اس کام میں ایک چلے یا دو چلے دینے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے جو اصرار کی حد تک پہونچ جاتی ہے، وہ اپنے کاروبار کے نقصان کی عذر کرتا ہے تو دعویٰ سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا، چاروناچار وہ اپنے کاروبار کو بری بھلی صورت میں چھوڑ کر ایک دو چلہ کے لئے تبلیغ میں شریک ہوجاتا اور جماعت کے ساتھ دورہ کرتا رہتا ہے پھر جب واپسی پر کاروبار میں نقصان دیکھتا ہے تو ادھر ادھر شکایتیں کرتا اور جماعت تبلیغ کو برا بھلا کہتا پھرتا ہے یہ بھی نازیبا صورت ہے۔

(۴)

بعض لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمت اسلام کے دوسرے طریقوں کو بے کار سمجھتے ہیں، اور جو حضرات علماء وصلحاء اپنے اپنے طریقہ پر مدارس، خانقاہوں میں درس قرآن وحدیث وفقہ اور تزکیہ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے

قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کی بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہوجاتی ہے، یہ بھی غلو اور افراط ہے اگر سارے علماء وصلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں اور دوسرے کام معطل کردیئے جائیں تو علم قرآن وحدیث فقہ اور تزکیہ اخلاق وتکمیل ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہوجائے گا، حق تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ کہ تم میں ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے نیک کاموں کا امر کرے اور برے کاموں سے روکے، وہیں یہ بھی ارشاد ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ، کہ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ اور کمال حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں ان کو (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرائیں۔

اسی طرح ایک جماعت اہل حکومت کی ہونا ضروری ہے، ایک جماعت سپاہیوں کی اور فوجیوں کی بھی ہونا چاہئے، اہل حرفہ زراعت پیشہ اور ملازمت کرنے والے بھی ہونا چاہئے، البتہ ان سب کو اپنے اوقات فرصت میں تبلیغ احکام کی خدمت بھی جس قدر ہوسکے انجام دینی چاہئے۔

(۵)

بعض دفعہ تبلیغ کے لئے پاپیادہ سفر کرنے کی اس عنوان سے ترغیب دیجاتی ہے کہ کمزور اور بوڑھے بھی پیدل چلنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور ان کو بجائے روکنے کے شاباش دیجاتی ہے یہ بھی نازیبا صورت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سفر حج میں پیادہ چلتے ہوئے دیکھا تو

فرمایا سوار ہو جا اس نے عذر کیا کہ میرے پاس جو اونٹنی ہے وہ بدنہ ہے (جسے اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کر چکا ہوں) کچھ دیر کے بعد آپ نے پھر فرمایا سوار ہو جا اس نے پھر عذر کیا، آپ نے تیسری بار فرمایا، ادکبھا ویلک۔ ارے تیرا ناس ہو، سوار ہو جا۔ غرض ایسے لوگوں کا پیادہ چلنا اور دور دراز کا سفر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہ تھا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض نہ ہو، اور مشقت کا تحمل بھی نہ کر سکیں، ان کے سامنے حج کے فضائل اس طرح بیان نہ کرو کہ وہ پیدل سفر کرنے پر آمادہ ہو جائیں، پھر مشقت کا تحمل نہ کر سکیں تو حج اور بیت اللہ کی عظمت ان کے دل سے جاتی رہے اس سے یہی اچھا تھا کہ وہ حج نہ کرتے کہ ان کے ذمہ فرض تو نہ تھا، اسی طرح پیدل سفر کر کے تبلیغ کرنا فرض نہیں تو اس کی ترغیب اس طرح نہ دی جائے کہ جن کو مشقت کی عادت نہ ہو وہ بھی تیار ہو جائیں، اور تکلیف پا کر تبلیغ کو دل میں برا کہیں۔

(۶)

بعض دفعہ مجمع عام میں تبلیغ کے لئے ایک چلہ دو چلہ دینے کی ترغیب دیجاتی ہے اور جب کوئی نہیں بولتا تو اس کا نام لے کر پکارا جاتا ہے کہ میاں فلانے تم کیوں نہیں بولتے پھر جب لوگ نام لکھواتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ شوق سے نام لکھوا رہا ہے یا ویسے ہی شرما شرمی بول رہا ہے، ہمیں کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی ہے، اس کام میں ان ہی لوگوں کو لینا چاہیے جو کہ خلوص اور شوق سے کام کرنا چاہیں۔

تجربہ ہے کہ جو لوگ شرما شرمی شریک ہو جاتے ہیں وہ اصول کی پابندی نہیں کرتے بلکہ بعضے تو تبلیغ کے نام سے اپنے واسطے چندہ کرتے پھرتے ہیں جس کا اثر الٹا اور بہت برا ہوتا ہے۔

(۷)

بعض حضرات نے تبلیغ کے چھ اصولوں ہی میں سارے دین کو منحصر سمجھ رکھا ہے، اگر کسی دوسرے دینی کام کے لئے انکو بلایا جاتا ہے تو صاف کہدیتے ہیں یہ کام ہمارے چھ اصولوں سے خارج ہے، ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے، یہ بھی غلو اور افراط میں داخل ہے۔ (اور اسی کو بدعت کہتے ہیں ۱۲؍ناقل)

(۸)

مبلغین عام طور سے تبلیغی گشت کو کافی سمجھتے ہیں، مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے، حالانکہ جہاں قرآنی مکتب یا اسلامی مدرسہ نہ ہو، وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

(۹)

دیکھا جاتا ہے کہ تبلیغ کے اجتماعات میں امراء حکام اور وزراء کو لانے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے، یہ صورت بھی اچھی نہیں، بس ترغیب سے زیادہ کچھ نہ کہا جائے اس کے بعد کوئی خود اپنے شوق سے آئے تو خوشی کی بات ہے زیادہ اصرار اور لگنے لپٹنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۰)

تبلیغی جماعتوں کا قیام عموماً مسجدوں میں ہوتا ہے، مسجد کا احترام اور صفائی کا اہتمام ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ جماعتوں کے جانے کے بعد اہل محلہ کو شکایت ہو کہ تبلیغ والے مسجد کو گندہ کر کے چلے گئے، اب ہم کو صفائی کرنا پڑی۔ فقط

یہ دس مفاسد اور زوائد ہیں جن کا اظہار حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے خود فرما دیا، غالباً مولانا کو ان چند باتوں ہی کی اطلاع ہوئی، بعد میں اور جو خرابیاں اور

کوتاہیاں پیدا ہوئیں حضرت موصوف کو اگر ان کا علم ہوتا تو یقیناً ان کا بھی اظہار فرماتے۔

ہر شخص بآسانی وبخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت تھانوی کے سامنے اگر یہ امور آتے تو مولانا ہرگز ہرگز اس سے مطمئن نہ ہوتے، اور سکوت نہ فرماتے، پھر حضرت تھانویؒ کی پسندیدگی اور موافقت کا جو بلند وبانگ دعویٰ کیا جاتا ہے، کہاں تک صحیح ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ طرز طریقہ تبلیغ حضرت مولانا تھانوی کے مزاج ومنشاء اور مسلک کے بالکل خلاف ہے۔

س جن کاموں کے لئے نبی اصالۃً مبعوث ہوئے، ان کا خلاصہ اجمالی اور کلی طور پر یہی ہے کہ بندوں کو بندگی کی زندگی سکھائی جاتی ہے، جس کی بنیاد توحید ورسالت ہے یعنی کلمہ اس کے الفاظ سکھائے جائیں، مطلب بتایا جائے، مطالبہ سمجھایا جائے، مطالبہ میں نماز، ذکر، علم، اکرام مسلم، تصحیح نیت، تفریغ وقت، سب چیزیں آئیں گی، ان پر پابندی اصول کے ساتھ محنت کی جائے، تو دین کا ہر دروازہ کھلتا جائے گا اور عملی مشق ہوتی چلی جائیگی، یہاں تک کہ پورے دین سے پورا تعلق ہو جائے گا، جس قدر بھی دنیا میں یہ جماعتیں دین کو لے کر نکلیں گی ان کا دین پختہ ہوگا، اور دوسروں تک دین کی اشاعت ہو کر کارنبوت پورا ہوگا، درحقیقت اسی کام کے لئے انبیاء کی بعثت ہوئی، یعنی بغیر مدرسہ وکتاب کے زبانی دین سیکھنے اور سکھانے کی کوشش کرنا اور اپنی زندگی کو اس کے لئے وقف کر دینا طریقہ انبیاء ہے، یہی نبیوں والا کام ہے، باقی کام ضمناً وطبعاً عمل میں آیا، پس نبیوں والا کام اگر کوئی کر رہا ہے تو (مروجہ) تبلیغی جماعت کر رہی ہے اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ یہی تبلیغی جماعت ہے مگر دین سیکھنے کے جو دوسرے طریقے ہیں ان کو ناجائز کہنا جائز نہیں، اور ان کو حقیر سمجھنا بھی جائز نہیں، دین کی عمومی تعلیم وتربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھا، اور اسی طرز سے وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا، بعد میں جو اور طریقے اس سلسلہ میں ایجاد ہوئے مثلاً تصنیف وتالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ، سو ان کو ضرورت حادثہ نے پیدا کیا، مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقے کو بالکل بھلا دیا ہے، حالانکہ اصل طریقہ وہی ہے۔

اور امام مالک فرماتے ہیں کہ لن یصلح آخر ھذہ الامة الا ماصلح به اولھا.

یعنی اس امت محمدیہ کے آخر میں آنے والے لوگوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتداء میں اصلاح کی ہے۔

ج تو اب عاشقان سنت نبوی وطالبان طریقۂ مصطفوی کو درس تدریس وعظ، ومناظرہ نیز اصلاح اخلاق وتزکیہ قلوب اور ارشاد وہدایت کے تمام سلسلے موقوف کر کے اس طریقہ مخترعہ میں لگ جانا چاہئے، اور جتنی کتب تفسیر وحدیث وذخیرہ فقہ وتصوف جن سے میدان پٹا پڑا ہوا ہے ان کی بساط کو لپیٹ کر رکھدینا چاہئے، کیونکہ ماسوا تبلیغی جماعت کے دین سیکھنے کے جو دوسرے طریقے ہیں ان کی حیثیت بس اتنی ہے کہ ان کو ناجائز کہنا جائز نہیں، سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ تو بس تبلیغی جماعت مروجہ کا ہے۔ سبحان اللہ

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

عارفان کلام خداوندی وواقفان احادیث نبوی وماہران تواریخ وسیر علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین بتا سکتے ہیں کہ کیا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز، ذکر، وغیرہ چھ باتوں ہی کے ذریعہ بندگی کی زندگی سکھاتے تھے، اور صرف انھیں چھ باتوں سے دین کا ہر دروازہ کھلتا جاتا تھا، یہاں تک کہ پورے دین سے پورا تعلق ہو جاتا تھا، اور کیا یہ عادتاً ممکن بھی ہے؟

کیا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ صرف فضائل سنانے پر اکتفا فرماتے تھے، کیا صرف امر بالمعروف اور وہ بھی ببعض المعروف ہی ہمیشہ کرتے تھے، اور نہی عن المنکر نہیں فرماتے تھے؟ عقائد وایمانیات، وجود خدا، اس کی ذات وصفات، توحید، منافیات مخلات ایمان مثلاً کفر، شرک، بدعت، نفاق، ارتداد، ارتیاب وغیرہ کو نہیں سمجھاتے تھے؟ رسالت ونبوت کی حقیقت، وحی، الہام، انبیاء کرام کی حیثیت، انبیاء کے فرائض، انبیاء کے حالات نہیں بیان فرماتے تھے، کتب سماویہ توریت، انجیل، زبور، قرآن کے حقائق سے آگاہ نہیں فرماتے تھے؟ ملائکہ کے حالات نہیں بیان فرماتے تھے؟

قیامت، حیات آخرت، جزا وسزا، حشر ونشر، دوزخ وجنت، حساب وکتاب کے عقیدے نہیں سمجھاتے تھے، عبادات، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ وخیرات، حج، قربانی، ذکر، جہاد وغیرہ کے احکام نہیں بیان فرماتے تھے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیلات سے آگاہ نہیں فرماتے تھے، آداب معاشرت کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے، رفتار وگفتار، سفر وحضر، لباس وعادات واطوار باہمی، برتاؤں کے آداب اور طریقے نہیں سکھاتے تھے؟

معاملات مثلاً بیع وشرا، نکاح وطلاق، حدود وقصاص، صلح وجنگ کے قوانین ومسائل نہیں بیان فرماتے تھے، اخلاق کی ایک ایک گرہ کو نہیں کھولتے تھے، انسان کے جذبات وقوی کا ایک ایک مصرف نہیں بیان فرماتے تھے، اس کی ایک ایک کمزوری کو نہیں بیان فرماتے تھے؟ روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص اور اس کا علاج بیان نہیں فرماتے تھے، حقد، حسد، غضب، حب دنیا، بخل، کینہ، بغض، حرص، ریا، حب جاہ، کبر، عجب، تمام صفات خبیثہ اور اخلاق رذیلہ کو کھول کھول کر بیان نہیں فرماتے تھے؟

اسی طرح زہد وقناعت، صبر وشکر، تسلیم ورضاء، تواضع وخاکساری، خوف وخشیت اخلاص وتوکل وغیرہ اخلاق فاضلہ نہیں سکھاتے تھے، کبائر وصغائر معاصی، جھوٹ، زنا، چوری، غیبت، چغلی، وعدہ خلافی، گالم گلوج، ظلم وغصب، وغیرہ کے قبائح بیان فرما کر ان سے اجتناب کی تاکید نہیں فرماتے تھے؟ نیکوکاروں، فرمانبرداروں کو بہشت کا مژدہ نہیں سناتے تھے، نافرمانوں بدکاروں کو عذاب دوزخ سے نہیں ڈراتے تھے؟ انسانی اوہام وخیالات کی جڑ نہیں کاٹتے تھے؟

الغرض مملکت ومعاشرت کے قوانین ہوں، یا صلح وجنگ کے اصول عبد معبود کے مابین راز ونیاز کی تدبیریں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق کی تفصیلی تعلیم، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درجات ومراتب، انسان کے تمام شعبہائے زندگی کی اصولی فروعی، نظری، عملی، اجتماعی، انفرادی، معاشی، معادی، ظاہری، باطنی، عقلی، روحانی، اخلاقی منزلی، تمدنی، اجمالی، تفصیلی تعلیم وہدایت نہیں فرماتے تھے۔

یعنی مکمل دین کی مکمل تبلیغ نہیں فرماتے تھے، ان ہزاروں امور میں سے صرف انہیں چند امور کی تبلیغ فرماتے تھے، اور اس کے لئے خروج کی پابندی فرماتے تھے، گشت کرتے، چلہ مقرر فرماتے جماعتوں کی تشکیل فرماتے تھے؟ اور انہیں حدود وقیود کی پابندی فرماتے تھے، جن کی یہ جماعت تبلیغی پابند ہے، اور صرف اسی سے دین کا ہر دروازہ کھلتا چلا گیا؟

اور کیا صرف زبانی ہی تعلیم وتبلیغ کرتے رہے، حضور اور حضور کے صحابہ نے لسان کے ساتھ قلم کا استعمال نہیں فرمایا؟ کیا حضرت ابوشاہؓ کو آپ نے خطبہ نہیں لکھوایا،

کیا عبداللہ بن عمرؓ نے حضور کی حدیثیں نہیں لکھیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر وکسریٰ ودیگر ملوک کو بذریعہ تحریر دعوت نہیں دی، کیا زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرحیں جو پورے دو صفحے میں ہیں ان کو لکھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء کو نہیں بھیجا؟ (دار قطنی کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں نہیں موجود تھیں، (دار قطنی ص:۲۰۴) کیا حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ نہیں تھا، جو ان کی تلوار کے نیام میں پڑا رہتا تھا جن میں متعلقہ احکام قلمبند تھیں، (بخاری) حدیبیہ میں صلح نامہ نہیں لکھا گیا، کیا عمر بن حزم کو حضور نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر نہیں دی، جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایات تھیں۔ (کنز العمال ۳/۱۸۴)

کیا عبداللہ بن الحکیم کے پاس حضور کا نامہ وہ نہیں پہنچا تھا، جس میں مردہ جانوروں کے متعلق حکم درج تھا، (معجم صغیر طبرانی) کیا صحابی وائل بن حجر جب بارگاہ نبوی سے اپنے وطن حضرموت جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاص طور سے ایک والا نامہ لکھوا کر نہیں دیا جس میں نماز روزہ، ربوا، شراب اور دیگر احکام تھے۔ (طبرانی صغیر) وغیر ذالک

پھر کیا مکہ میں دار ارقم، اور مدینہ میں سعد بن ضرار کا گھر قرآنی اور حدیثی تعلیم کا مدرسہ نہیں تھا، کیا مصعب بن عمر کا لقب مقری معلم نہیں ہو گیا تھا؟ کیا مسجد نبوی اور صفہ مدرسہ نہیں تھا اسی طرح عبادہ بن صامت، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عتبہ بن مالک، معاذ بن جبل، عمر بن سلمہ، اسید بن حضیر، مالک بن الحویرث، انس بن مالک، عتاب بن اسید رضی اللہ عنہم اپنے اپنے محلّہ اور قبیلہ کی مسجد میں امام، معلم، اور مدرس نہیں تھے،

کیا علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء فی انباء المصطفیٰ میں تقریباً چالیس ایسی مسجدوں کا ذکر نہیں کیا ہے جو زمانہ رسالت میں مدینہ منورہ میں موجود تھیں اور ان میں باقاعدہ تعلیم وتبلیغ کا سلسلہ جاری تھا، کیا صحابی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں مدرسہ نہیں قائم کئے ہوئے تھے، جس میں بیک وقت سولہ سولہ سو تک طلبہ تعلیم پاتے تھے کیا عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن المغفل رضی اللہ عنہما کوفہ میں مدرسہ قائم کر کے مدرسی نہیں کرتے تھے۔

> کیا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں نہیں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی بودند، وحق آنست کہ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں امر قیاس نمی تواں کرد دیگر رائے، الیوم معرفت دین موقوف است بر شناختن خط، وبسیارے از مصالح منوط بنوشتن

الغرض کیا حضور اور حضور کے صحابہ جس وقت جو طریقہ بھی مفید اور موثر ہوتا تھا زبان ہو یا قلم، نرم، ہوں یا گرم، اقوال، وافعال، احوال، اختیار نہیں فرماتے تھے، اور ایک ہی طریقہ پر اصرار فرماتے تھے؟ تب یہ دعویٰ کیسے صحیح ہے کہ بغیر مدرسہ وکتاب کے زبانی دین سیکھنا وسکھانا طریقۂ نبوی ہے اور تبلیغی جماعت اس لئے نبیوں کا کام کرنے والی کہی جاتی ہے کہ بغیر کتاب کے زبانی دین سیکھتی اور سکھاتی ہے۔ اور اصل طریقہ وہی ہے حالانکہ حضرت مولانا نعمانی مدظلہ العالی کے مرتب کردہ حضرت مولانا الیاس صاحب کے ملفوظات کے ملفوظ ص:۱۱۴ میں موجود ہے کہ

> ہم ابتداء میں اس لئے تحریر کے ذریعے دعوت نہیں دیتے تھے کہ لوگ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے اور اپنے سمجھنے کے مطابق ہی رائے قائم کرتے وغیرہ، اور اس کے نتائج غلط نکلتے، تو ہماری اسکیم کو ناقص کہتے۔

معلوم ہوا کہ مولانا نبوی طریقہ سمجھ کر تحریر سے احتراز نہیں فرماتے تھے، بلکہ وجہ وہ تھی جو اوپر مذکور ہوئی پھر اسی ملفوظ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ

> ابتدائی زمانہ ہی کے طریق کار کے ہر ہر جز پر جمے رہنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ تحریر کے ذریعے بھی دعوت دینی چاہیے۔

اور کیا ابتداہی سے مولانا احتشام الحق صاحبؒ نے تبلیغی اور دعوتی متعدد رسائل نہیں تصنیف فرمائے اور دیگر مصنفین کی جانب سے برابر لکھنے کا سلسلہ جاری نہیں ہے؟ کیا تبلیغی نصاب جو متعدد کتابوں کا مجموعہ ہے گھر گھر نہیں پہنچ گیا ہے؟ اور ہر جماعت کے ہمراہ ہونا لازمی ہے، اور کیا یہ کتاب اکثر شہروں اور دیہاتوں کی مسجدوں میں رکھی ہوئی نہیں ہوتی، اور نمازیوں کو سنائی نہیں جاتی؟

تبلیغی جماعتیں جب گاؤں گاؤں محلہ محلہ گشت کرتی ہیں تو اس کو سناتی ہیں، اسی طرح دیگر بہت سی کتابیں، مکاتیب کیا اس سلسلے میں تصنیف نہیں کی گئیں، رسالوں، ماہناموں، اور اخبارات میں مبلغین کی تقریریں، اعتراضات کے جوابات، نیز ترغیبی مضامین شائع نہیں ہوتے رہتے۔

تب یہ دعویٰ کیسے صحیح ہے کہ تبلیغی جماعت زبانی دین سیکھتی اور سکھاتی ہے۔

پھر کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ طریقہ نبوی اور سنت کے مطابق مکمل دین کی مکمل تبلیغ علماء اور مشائخ کر رہے ہیں، اور انھیں سے ممکن بھی ہے، بالفاظ دیگر یہ خدمت مدرسہ اور خانقاہ ہی کے ذریعہ انجام دی جا رہی ہے، ہر دو جماعت زبانی بھی تبلیغ کر رہی ہیں مثلاً علماء کا وعظ اور مشائخ کے ملفوظات اور تعلیم و تلقین، پند و نصائح ارشاد و اصلاح زبانی ہی تو ہے۔

اور تحریر بھی بذریعہ تصنیفات و مکتوبات و فتاویٰ وغیرہ جو تحریری ہے۔

رہی تبلیغی جماعت تو مخصوص امور دین کی مخصوص طریقہ سے تبلیغ اور دعوت کی بناء پر ناقص دین کی ناقص خدمت و تبلیغ انجام دے رہی ہے، اور غیر ضروری قیود و حدود سے مقید اور محدود کر دینے اور تقیید مطلق، تاکد و اصرار التزام مالا یلزم اور اس کے لئے تداعی و اہتمام کی بنا پر ایجاد بندہ، احداث فی الدین اور بدعت ہے۔

پھر کیا یہ حیرت کا مقام نہیں ہے کہ ایک طرف تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بانی تبلیغ کہا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ مولانا کے قلب پر اس طریقہ کا الہام اور القاء ہوا، جس سے اس طریقہ کا جدید ہونا اور امتیاز ثابت ہوتا ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ پہلے نہیں تھا اب جاری ہوا ہے، (اور فی الواقع اس ہیئت کذائیہ کا پتہ نشان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک کہیں نہیں)

اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے اور سنت طریقہ ہے اور صحابہ کا طریقہ ہے اور باقی دین کی دوسری خدمات ضمنی و تبعی ہیں، اور بقول امام مالک آخر امت کی اصلاح اسی طریقہ سے ہو سکتی ہے، اور خیر القرون کے بعد سے مولانا تک یہ طریقہ الہامی اختیار نہیں کیا گیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ نبیوں والے کام اور سنت اور طریقہ صحابہ کے تارک ہوئے اور ان لوگوں کی اصلاح ہی نہیں ہوئی وھو باطل بالبداھة . عجیب تضاد ہے۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

حقیقت الامر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کا طریقہ بیشک دین سکھانے کی کوشش کرنا اور زندگی کو اس کے لئے وقف کر دینا تھا، لہٰذا یہی نبیوں والا کام ہے، لیکن زبانی طریقہ میں سنت انبیاء کو منحصر کر دینا اور مدرسہ اور کتاب کو ذریعہ تبلیغ بنانے کو سنت انبیاء و صحابہ سے خارج

کر دینا اور ضمنی قرار دینا بالکل غلط اور تغیر شرع ہے، انبیاء وامتِ انبیاء مطلق تبلیغ کے مامور ہیں لہٰذا مطلق تبلیغ ہی جس صورت سے بھی ممکن، مناسب، نافع اور ضروری ہو خواہ زبانی یا تحریری ہو، خواہ مدرسہ اور کتاب کے ذریعہ ہو اصل اور عین سنت ہے، بشرطیکہ اس میں کسی امر مکروہ لعینہٖ یا نعرہ کا لحوق نہ ہو **المطلق یجری علی اطلاقه** مسئلہ شرعیہ مسلمہ ہے۔

یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ وحی متلو قرآن شریف اور وحی غیر متلو حدیث شریف کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر حیات مبارکہ تک جاری رہا، نہ تو وحی متلو کا نزول منجانب اللہ دفعۃً لکھی لکھائی کتاب کی صورت میں واقع ہوا، اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی سماعت کسی ایک یا سب صحابہ نے دفعۃً فرمائی، نہ حضور پرنور نے حضرات صحابہ کو کوئی مکمل کتاب ہی لکھ کر دی آپ کا امتیازی وصف اور لقب نبی امی تھا، اور امیین میں مبعوث فرمائے گئے تھے، **هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم**، آپ ان امیوں کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے تھے **یتلو علیهم آیاته** جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے، اور اس پر عمل کرتے تھے، احکام خداوندی سنتے تھے، ان کے معانی ومطالب سمجھ لیتے تھے، یہ حضرت نبوت کی شان تعلیم اور شان ظاہری تھی، جس کا اظہار لسان نبوت سے بہ الفاظ ''**انی بعثت معلما**'' ہوا یعنی میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، تزکیہ نفوس فرماتے تھے **ویزکیهم** یعنی نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک وعصبیت سے ان کو پاک کرتے تھے، دلوں کو مانجھ کر صیقل بناتے تھے، اور ان کو علماً وعملاً کامل بناتے تھے، یہ چیز حضرات صحابہ کو آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے حضور کی صحبت اور قلبی توجہ اور تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوئی تھی اور یہ حضرت نبوت کی شان تربیت اور شان باطنی تھی جن کا

اظہار لسان نبوت سے بہ الفاظ **انی ابعث لاتمم مکارم الاخلاق** ہوا، یعنی مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں، کتاب کی تعلیم دیتے تھے، **ویعلمهم الکتاب والحکمة**، کتاب اللہ کی مراد بتلاتے تھے، اس کی ضرورت خاص خاص موقعوں پر پیش آتی مثلاً ایک لفظ کے کچھ معنی عام تبادر اور محاورہ کے لحاظ سے صحابہ کو کچھ اشکال پیش آیا اس وقت کتاب اللہ کی اصل مراد جو قرائن مقام سے متعین ہوتی تھی بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرما دیتے تھے جیسے **الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم** الآیۃ اور دوسرے مقامات میں ہوا۔

تعلیم حکمت فرماتے تھے، حکمت کی گہری باتیں سکھاتے تھے، حکمت سے مراد اسرارِ مخفیہ اور رموزِ لطیفہ ہیں، یعنی قرآن کریم کے غامض اسرار ولطائف اور شریعت کی دقیق وعمیق علل پر مطلع فرماتے، خواہ تصریحاً خواہ اشارۃً آپ نے خدا کی توفیق واعانت سے علم وعمل کے ان اعلیٰ مراتب ودرجات پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل وحیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی، **وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین** تقریباً ساری قوم صریح گمراہی میں بھٹک رہی تھی، جس میں علم وہنر کچھ بھی نہ تھا، نہ کوئی آسمانی کتاب تھی، معمولی پڑھنا لکھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے، ان کی جہالت ووحشت ضرب المثل تھی، بت پرستی، اوہام پرستی اور فسق وفجور کا نام ملت ابراہیمی رکھ چھوڑا تھا آپ کی چند روزہ صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی ومعلم بن گئی، آپ نے اللہ کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب پڑھ کر سنا کر اور عجیب وغریب علوم ومعارف اور حکمت ودانائی کی باتیں سکھلا کر ایسا حکیم وشائستہ بنایا کہ دنیا کے بڑے بڑے حکیم ودانا اور عالم وعارف ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے آنے والے لوگوں کے واسطے بھی رسول

بنا کر بھیجے گئے **وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ،** جن کو مبدأ اور معاد اور شرائع سماویہ کا پورا اور صحیح علم نہ رکھنے کیوجہ سے امی اور ان پڑھ ہی کہنا چاہئے، مثلاً فارس، روم، اور ہندوستان وغیرہ کی قومیں جو بعد میں امیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان ہی میں سے ہو گئیں۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں

حق تعالیٰ نے اول عرب پیدا کئے، اس دین کے تھامنے والے پیدا کئے، پیچھے عجم میں ایسے کامل لوگ اٹھے

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **کنا جلوسا عندالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم** ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے، **اذا نزلت سورة الجمعة** ناگہاں نازل ہوئی سورۂ جمعہ **فلما نزلت وآخرين منهم لما يلحقوا بهم،** تو جب نازل ہوا کہ ان میں سے دوسرے لوگ ہیں جو ابھی ان میں لاحق نہیں ہوئے، **قالوا من هولاء يارسول الله،** تو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں، **فلم يراجعه حتى سئل ثلاثا** تو حضور نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ تین بار پوچھا گیا **وفينا سلمان الفارسی** اور ہمارے درمیان سلمان فارسی بیٹھے ہوئے تھے **قال وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده على سلمان** راوی حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک سلمان کے اوپر رکھا **ثم قال لو كان الايمان عند الثريا لناله رجال او رجل من هولاء.**

پھر حضور نے فرمایا ایمان ثریا پر جا پہنچے گا تو اس کو ضرور چند آدمی یا ایک آدمی اس کے یعنی قوم فارس کے گروہ سے لے آئیں گے، ایک روایت میں دین ہے اور

ایک روایت میں علم ہے، شیخ جلال الدین السیوطی الشافعی وغیرہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشگوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ النعمان ہیں۔

وهو العزيز الحكيم اور اللہ بڑی زبردست قوت والا اور حکیم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے اور انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا، **اَلَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ وَ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَالَمۡ يَعۡلَمۡ.**

(تفسیری حاشیہ ترجمہ شیخ الہند میں ہے) مطلب یہ ہے کہ جس رب نے ولادت سے اس وقت تک آپ کی ایک عجیب اور نرالی شان سے تربیت فرمائی جو پتہ دیتی ہے کہ آپ سے کوئی بہت بڑا کام لیا جانے والا ہے کیا آپ کو ادھر میں چھوڑ دیگا ہرگز نہیں، اسی کے نام پر آپ کی تعلیم ہوگی، جس کی مہربانی سے تربیت ہوئی ہے، جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں صفت قرأت نہیں پیدا کر سکتا، جمے ہوئے خون میں نہ حس نہ شعور نہ علم نہ ادراک محض جماد لایعقل ہے، پھر جو خدا جماد لایعقل کو انسان عاقل بناتا ہے وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک امی کو قاری نہیں بنا سکتا، یہاں تک کہ قرأۃ کا امکان ثابت کرنا تھا آگے اس کی فعلیت اور وقوع پر متنبہ فرماتے ہیں، کہ آپ کی تربیت جس شان سے کی گئی اور اس سے آپ کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے، جب ادھر سے استعداد میں قصور نہیں اور ادھر سے مبدأ فیاض میں بخل نہیں، بلکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے پھر وصول فیض میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے، ضرور ہے کہ یوں ہی ہو کر رہے گا، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں حضرت نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا، فرمایا کہ قلم سے علم وہی دیتا ہے یوں بھی وہی دیگا۔

انسان کا بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، کچھ نہیں جانتا، آخر اسے رفتہ رفتہ

کون سکھاتا ہے بس وہی رب قدیر جو انسان کو جاہل سے عالم بناتا ہے اپنے ایک امی کو عارف کامل بلکہ تمام عارفوں کا سردار بنادیگا۔

اور وہ حکیم بھی ہے جس کی زبردست قوت وحکمت نے اس جلیل القدر پیغمبر کے ذریعہ قیامت تک کے لئے عرب وعجم کی تعلیم وتزکیہ کا انتظام فرمادیا۔

حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا

> جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لا الہ الا اللہ کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا، جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم پاخانہ وپیشاب وغیرہ کیسے کریں، اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے کیونکر ہوں، یہ انتہاء ہے اور ان کو مجاہدات وریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی، اور یہ قوت بہ فیض نبوی صحابہ میں بھی تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم، اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم، لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہوگئی اس کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات وریاضات ایجاد کئے۔ (امیر الروایات حکایت نمبر ۳)

پس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ حفظ وضبط، فہم وعدل اور قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کامل ومکمل ہونے کے سبب زبانی طریقہ پر علی وجہ الاتم والاکمل فریضۂ تبلیغ انجام دے سکتے تھے، مدرسہ وکتاب سے مستغنی تھے، اسلام اپنے ابتدائی دور سے گذر رہا تھا، وقت کم اور محدود تھا، کام زیادہ تھا قیامت تک کے لئے راہ متعین کرنی تھی، مجموعی حیثیت میں کسی کتاب کا وجود نہ تھا، وحی متلو اور وحی غیر متلو ہر دو کا سلسلہ جاری تھا، وقتاً فوقتاً موقع بموقع جستہ جستہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے ہدایات دی جارہی تھیں، جتنی شکل تحریر وکتابت اور مدرسہ کی دی جاسکتی تھی، دیجارہی تھی، ضرورت تھا کہ تبلیغ وہدایت خلق اللہ کا عظیم الشان کام سپرد کرتے وقت ایک طرف کلام الٰہی کا مطلب اصل اور منشائے واقعی قلب مبارک میں خوب راسخ کرکے کمالات علمی میں ممتاز کردیا جائے، تو دوسری طرف کمالات جلیلہ وشریفہ عدل وامانت ودیگر ملکات فاضلہ اور اخلاق حسنہ سے سرفراز کرکے کمالات عملی میں ممتاز کردیا جائے، اور ظاہر وباطن ہر دو کا جامع بنادیا جائے اور صورت ومعنی ہر دو سے آراستہ وپیراستہ کردیا جائے۔

چنانچہ دانائے حقیقی اور حکیم علی الاطلاق جل جلالہ وعم نوالہ نے نبی امی کو تعلیم دی اور کیسی عمدہ تعلیم دی کہ سینۂ نبوت گنجینۂ حکمت ومعرفت، مہبط انوار غیبی، مخزن اسرار لاریبی، ینبوع فیوض لامتناہی اور عارف رموز وحی الٰہی ہوگیا، جیسا کہ خود صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی واحسن تادیبی.**

فی الواقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم العالمین، اعرف العارفین، اور جامع علوم اولین وآخرین ہوگئے، اور بتقاضائے کمال معرفت وقوت علمی احکم الحاکمین کی مرضیات ونامرضیات منشائے الٰہی وتجلیات ربانی دیکھنے کے لے دل کی آنکھیں کھل گئیں، چنانچہ چشم نبوت نے دیکھ لیا کہ احکم الحاکمین کا یہ حکم فرض کا درجہ رکھتا ہے اور وہ واجب کا، اور فلاں حکم استحباب کا درجہ رکھتا ہے، اور فلاں جواز واباحت کا، فلاں تحریم کا، اور فلاں کراہت کا، فلاں مطلق کا ہے فلاں مقید کا، فلاں خاص ہے تو فلاں عام ہے، فلاں حقیقت ہے فلاں مجاز ہے، یہ مشترک ہے اور وہ موول، فلاں صریح ہے فلاں کنایہ، فلاں حکم عبارۃً ثابت ہوتا ہے، فلاں اشارۃً، فلاں دلالۃً ہے تو فلاں اقتضاء فلاں تنصیصاً فلاں تعلیلاً، فلاں منطوق ہے تو فلاں مفہوم وعلی ہذا القیاس، کوئی

ضروری دقیقہ اور نکتہ نظروں سے اوجھل نہ رہ گیا۔

اور بہ تقاضائے کمال ادب وقوت عملی قلب مطہر عدل وامانت اخلاص وتقویٰ سے معمور کمالات جلیلہ شریفہ اور صفات حمیدہ سے متصف تمام ملکات فاضلہ اور اخلاق حسنہ سے مالا مال ہو کر حرکت وسکون میں مرضیاتِ الٰہیہ اور احکام خداوندی کا تابع اور منقاد ہو گیا۔

وحی سماوی اور احکام الٰہی کے خلاف نہ قدم اٹھا نہ زبان نے حرکت کی، آپ کی مقدس ہستی اخلاق واعمال کی اور کل واقعات میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الٰہی کی روشن تصویر ہوگئی، نہ فرض کو واجب کا درجہ دیا، نہ واجب کو فرض یا مباح ومستحب قرار دیا، نہ مستحب کو واجب نہ حلال کو حرام نہ حرام کو حلال کیا جو مطلق تھا، اس کو مطلق ہی رکھا مقید نہ کیا، نہ مقید کو مطلق نہ خاص کو عام نہ عام کو خاص کیا وعلیٰ ہذا القیاس بالکل تابع فرمان الٰہی رہے، نہ اپنی طرف سے کچھ حذف واضافہ فرمایا نہ ترمیم وتنسیخ اسی لئے تو آپ کا قول وفعل شرعی وحی الٰہی قرار پایا اور آپ کی ذات مقدسہ وحی الٰہی کی اولین معیار بن گئی، اور اسیرانِ جہل وضلالت کی ہدایت وتشنہ کامانِ علم ومعرفت کی سہولت سے عمل پیرا ہونے کیلئے آپ کی ذات عالی صفات اسوۂ حسنہ اور کامل وعمدہ نمونہ بن گئی۔ **فللّٰہ الحمد والثناء ولہ الشکر والفضل. وصلی اللّٰہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً.**

اور لسان نبوت سے شان ظاہری کا بالفاظ **انی بعثت معلماً** اور شان باطنی کا بالفاظ **انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** اعلان فرمادیا گیا۔

پھر آپ کو اس کے صاف صاف دوٹوک بے کم وکاست اعلان وتبلیغ کے لئے مامور کیا گیا کہ آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے آپ بے خوف وخطر بلا تامل بغیر رو رعایت کے دوسروں تک پہنچا دیجئے اگر بفرض محال کسی ایک چیز میں آپ سے کوتاہی ہوئی تو بہ حیثیت رسول (خدائی پیغمبر) ہونے کے رسالت وپیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے سمجھا جائے گا کہ آپ نے اس کا حق کچھ بھی نہ ادا کیا، جیسا کہ فرمایا **یَاۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ.** اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا، آپ لوگوں کو سب پہنچا دیجئے، اگر بفرض محال آپ ایسا نہ کریں گے تو ایسا سمجھا جاوے گا جیسے آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا، (کیونکہ مجموعہ فرض ہے تو جیسا کل کے اخفا سے یہ فرض فوت ہوتا ہے اسی طرح بعض کے اخفا سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے (بیان القرآن)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی، نوع انسانی کے عوام اور خواص میں سے جو بات بھی جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی، آپ نے بلا کم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کردی، اور بیس بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی مسلسل جدوکد صبر واستقلال اور شفقت ودلسوزی سے فرض رسالت وتبلیغ کو ادا کیا وہ اس کی واضح دلیل تھی، کہ آپ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت وابلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔

آخر وفات شریف سے صرف اکیاسی روز پہلے ۱۰ھ میں میدان عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے روز جمعہ کے دن جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹنی کے اردگرد چالیس ہزار سے زائد خادمانِ اسلام وعاشقان تبلیغ اتقیا وابرار کا مجمع

تھا، متلو وحی ربانی کی یہ آخری آیت قرآنی نازل ہوئی۔

الیوم یئس الذین کفروا من	آج ناامید ہوگئے کافر تمہارے دین سے سو
دینکم فلا تخشوھم واخشون	ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں
الیوم اکملت لکم دینکم	پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا
واتممت علیکم نعمتی	کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں
ورضیت لکم الاسلام دینا.	نے تمہارے واسطے اسلام کو دین بنا کر۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ زندگی کے ہر شعبہ اور علوم وہدایت کے ہر باب کے متعلق اصول وقواعد ایسی ممہد ہو چکے تھے اور فروع وجزئیات کا بیان بھی اتنی کافی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ کیا جاچکا تھا، کہ پیروان اسلام کیلئے قیامت تک قانون الٰہی کے سوا کوئی دوسرا قانون قابل التفات نہیں رہا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ہزاروں سے متجاوز خدا پرست جانباز سرفروش ہادیوں اور معلموں کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار ہو چکی تھی، جس کو قرآن تعلیم کا مجسمہ نمونہ کہا جاسکتا تھا، مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا صحابہؓ کامل وفاداری کے ساتھ خدا سے عہدو پیمان پورا کر رہے تھے، نہایت گندی غذائیں اور مردار کھانے والی قوم مادی اور روحانی طیبات کے ذائقہ سے لذت اندوز ہو رہی تھی شعائر الٰہیہ کا احترام قلوب میں راسخ ہو چکا تھا ظنون واوہام، انصاب وازلام کا تاروپود بکھر چکا تھا، شیطان جزیرۃ العرب کے طرف سے ہمیشہ کے لئے مایوس کر دیا گیا تھا، کہ دوبارہ وہاں اس کی پرستش ہو سکے، ان حالات میں ارشاد ہوا، الیوم یئس الآیۃ یعنی آج کفار اس بات سے مایوس ہوگئے ہیں کہ تم کو تمہارے دین قیم سے ہٹا کر پھر انصاب وازلام کی طرف لے جائیں، یا دین اسلام کو

مغلوب کر لینے کی توقعات باندھیں، یا احکام دینیہ وغیرہ میں کسی تحریف وتبدیل کی امید قائم کر سکیں، آج تم کو کامل ومکمل مذہب مل چکا جس میں کسی ترمیم کا آئندہ امکان نہیں، خدا کا انعام تم پر پورا ہو چکا، جس کے بعد تمہاری جانب سے اس کے ضائع کر دینے کا کوئی اندیشہ نہیں، خدا نے ابدی طور پر اسی دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا اس لئے اب کسی ناسخ کے آنے کا بھی احتمال نہیں، ایسے حالات میں تم کو کفار سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، البتہ اس محسن جلیل اور منعم حقیقی کی ناراضی سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کے ہاتھ میں تمہاری نجاح وفلاح اور کل سود وزیاں ہے، گویا فلا تخشوھم واخشون میں اس پر متنبہ کر دیا کہ آئندہ مسلم قوم کو کفار سے اس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں جب تک ان میں خشیت الٰہی اور تقویٰ کی شان موجود ہے۔

اتمام نعمت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اخبار وقصص میں پوری سچائی اور بیان میں پوری تاثیر اور قوانین واحکام میں پورا توسط واعتدال موجود ہے جو حقائق کتب سابقہ اور دوسرے ادیان سماویہ میں محدود نا تمام تھیں ان کی تکمیل اس دین قیم سے کر دی گئی، قرآن وسنت نے حلت وحرمت وغیرہ کے متعلق تنصیصاً یا تعلیلاً جو احکام دیئے ان کا اظہار وایضاح تو ہمیشہ ہوتا رہے گا لیکن اضافہ یا ترمیم کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی، سب سے بڑا احسان تو یہی ہے کہ اسلام جیسا مکمل اور ابدی قانون اور خاتم الانبیاء جیسا نبی تم کو مرحمت فرمایا، مزید براں طاعت واستقامت کی توفیق بخشی، روحانی غذاؤں اور دنیوی نعمتوں کا دستر خوان تمہارے لے بچھایا، حفاظت قرآن، غلبۂ اسلام اور اصلاح عالم کے سامان مہیا فرمائے اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے، اسلام جو تفویض اور تسلیم کا مرادف ہے اس کے سوا مقبولیت اور نجات کا

کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ انتہیٰ

اور اسی روز میدان عرفات ہی میں حجۃ الوداع کے موقع پر ناقہ قصویٰ پر سواری کی حالت میں جب کہ ہزاروں ہزار جانباز و جاں نثار صحابۂ رسول اونٹنی کے اردگرد موجود تھے، جو خطبہ دیا تو خطبہ کے تمام ہونے کے بعد حکم خداوندی یا ایہا الرسول بلغ الآیۃ کی پوری پوری تعمیل کی حاضرین سے تصدیق چاہتے ہوئے فرمایا۔

هَلْ بَلَّغْتَ: کیا میں نے تبلیغ کردی، یعنی وحی الٰہی جو قیامت تک کے تمام بندگان خدا کے لئے تمام شعبہائے زندگی سے متعلق مکمل ہدایت نامہ ہے، تخصیصاً یا تعلیلا پہنچادی۔

قَالُوْا نَعَمْ: سب نے جواب دیا بے شک آپ نے پہنچادیا۔

آپ نے حق ادا کردیا، آپ نے سارے احکام پہنچادیے، تو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اشهدْ اَللّٰهُمَّ اَشهدْ اَللّٰهُمَّ اشهدْ اے اللہ گواہ رہ، اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ، جو امانت تو نے میرے سپرد کی تھی میں نے بدوں کسی خیانت کے بے وکم وکاست پہنچادی، پھر کارِ تبلیغ وحی اپنے شاگردوں یعنی حضرات صحابہ کو سپرد فرماتے ہوئے فرمایا۔

الافلیبلغ الشاهد الغائب: خبردار ہو جاؤ، چاہئے کہ جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں۔

یعنی امانت الٰہیہ، یعنی وحی خداوندی جس طرح میں نے تم تک پہنچادی اب یہ بارگراں تم پر رکھا جارہا ہے، کیوں کہ تم ”العلماء ورثۃ الانبیاء“ یعنی علما انبیا کے وارث

ہیں، کے صحیح مصداق ہو گئے ہو خواہ تم کو مجھ سے قرآن اور حدیث کی زیادہ آیات پہنچی، خواہ ایک ہی آیت اور حدیث پہنچی ہو، اس کو میری طرف سے اب تم دوسروں تک پہنچاؤ، **بلغوا عني ولو آية،** اور جس طرح میں اللہ کی اس امانت کا حق ادا کر کے فارغ ہوا تم بھی اس امانت کا حق ادا کرو، یعنی میری شان ظاہری اور شان باطنی ہر دو کے جامع ہو کر میرے سچے وارث بن کر دعوت و تبلیغ میں لگ جاؤ۔

چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حق ادا کیا اور جس طرح قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر حیات مبارکہ میں مکمل ہوا، اسی طرح سنت کی روایت کا آخر عہد صحابہ تک سلسلہ جاری رہا جس صحابی نے ہزار حدیث سنی تھی اس نے بھی روایت کی اور جس نے ایک حدیث سنی تھی، اس نے بھی روایت کی، جب کل صحابہ دنیا سے رخصت ہوگئے تب معلوم ہوا کہ اتنی سنتیں ہیں، تو جس طرح قرآن عہد صحابہ میں جمع کیا گیا اسی طرح سنت کو تابعین کے عہد میں جمع کرنا شروع کیا جاسکا۔

اور اسی کے ساتھ تحریف الغالین اور انتحال المبطلین اور تاویل الجاہلین کی بھی ابتداء ہوگئی اور اب نہ قوت علمی رہ گئی تھی، اور نہ وہ قوت عملی اور نہ وہ قوت فاعلہ موجود تھی، اور نہ ہی اس قوت قابلہ کا وجود تھا، لہٰذا اب نہ کتاب سے استغناء ہوسکتا تھا نہ مدرسہ سے۔

اس لئے مابعد کے لوگ بوجہ قصور شرائط واوصاف مذکورہ مدرسہ وکتاب کے محتاج ہونے کے مدرسہ اور کتاب ہی کے ذریعہ پورے طور پر یہ خدمت انجام دے سکتے تھے، سیکھنے اور سکھانے میں زبانی ہی طریقہ کو ذریعہ بنا کر یہ خدمت پورے طور پر انجام دینا ان کے لئے عادۃً ناممکن تھا۔

لہٰذا بے جا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ مدرسہ وکتاب کو ذریعہ بنا کر کامل ومکمل تبلیغ

کرنا امر مطلق کی کما حقہ تعمیل اور سنت کی اعلیٰ درجہ کی تکمیل ہے اور صرف زبانی طور پر ناکافی ہونے کے سبب ناقص تبلیغ ہے۔

حضرت مولانا تھانوی وعظ السرور میں فرماتے ہیں۔

> جاننا چاہئے کہ بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئیں (وہ ایسی ہیں کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور وہ موقوف علیہ مامور بہ کی ہیں) کہ بغیر ان کے مامور بہ عمل پر نہیں ہوسکتا، جیسے کتب دینیہ کی تصنیف وتدوین اور مدرسوں اور خانقاہوں کی بنا کہ حضور کے زمانے میں ان سے کوئی شے (بجمیع اجزاءٖ) موجود نہ تھی، (گو ان کی اصل موجود تھی) اور سبب داعی ان کا جدید ہے اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں۔
>
> تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے، اس کے بعد سمجھئے کہ زمانہ خیریت نشانہ میں دین کی حفاظت کے لئے وسائط محدثہ میں سے کسی شے کی ضرورت نہ تھی، تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر نسبت سلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوت سب مشرف تھے، قوت حافظہ اس قدر تھی کہ جو کچھ سنتے تھے، وہ سب نقش کالحجر ہو جاتا تھا فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریریں کریں، ورع وتدین بھی غالب تھا، بعد اس کے دوسرا زمانہ آیا، غفلتیں بڑھ گئیں، قویٰ کمزور ہوگئے ادھر اہل اہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا، تدین مغلوب ہونے لگا، پس علمائے امت کو اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا، پس ضرورت اس کی واقع ہوئی کہ دین کی بجمیع اجزاءٖ تدوین کی جائے (اصل اس کی زمان خیریت نشان میں موجود تھی کہ باجزاءٖ دین کی تدوین ہو چکی تھی، قرآن جمع ہو چکا تھا، اور کچھ احادیث بھی لکھی جا چکی تھیں اور ان کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا ۱۲/ ناقل) چنانچہ کتب دینیہ حدیث واصول حدیث وفقہ واصول فقہ اور عقائد میں تصنیف ہوئیں، اور ان کی تدریس کے لئے مدارس تعمیر کیے گئے۔
>
> اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب کی تقویت کے لئے بوجہ عام رغبت نہ ہونے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں، اس لئے کہ بغیر ان کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی، پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب داعی ان (بعض) کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا، اور موقوف علیہ حفاظت دین مامور بہ کی ہیں پس یہ اعمال گو صورۃً (نئی ایجاد) اور بدعت ہیں، لیکن حقیقۃً بدعت نہیں بلکہ (سنت اور) حسب قاعدہ شرعیہ مقدمة الواجب واجب واجب ہیں۔

غور انصاف درکار ہے کہ کیا وہ تعلق مع اللہ وتدین، علم وفہم عالی اور قوت حافظہ جس میں خیر القرون کے بعد ہی متصلاً کمی واقع ہوگئی تھی، اور اہل ہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ اور تدین کی مغلوبیت کا ظہور ہونے لگا تھا اور یہی وہ ضرورت حادثہ تھی، جس نے تصنیف وتالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ کے ایجاد کرنے پر مجبور کیا تھا، کیا وہ چودہ سو برس گذر جانے اور عہد خیر القرون سے اتنے بعد کے باوجود بے شمار شرور فتن کے حدوث بالفاظ دیگر اہل اہوا وعقل پرستوں کے بے پناہ غلبہ اور تدین کی افسوسناک وخطرناک مغلوبیت خصوصاً فی زماننا مرتقی ومتزائد ہونے کے اب وہ خیر القرون والا تعلق مع اللہ وتدین، علم وفہم اور قوت حافظہ لوٹ آیا ہے، اور کیا وہ اہل اہوا کا غلبہ اور تدین کی مغلوبیت نہیں رہی کہ اب دین کی تدوین وتصنیف اور کتابی تعلیم وغیرہ کی ضرورت نہیں رہی؟ اور اب ان کی بغیر تعلیم وتربیت ممکن ہوگئی ہے؟

کیا باوجود قرب عہد نبوت اور باوجود نسبتاً علم وفہم وقوت حافظہ وتدین زیادہ ہے زیادہ ہونے کے اور کم سے کم تدین کی مغلوبیت کے اس وقت تو زبانی تعلیم وتربیت اور

حفاظت وبقائے دین ممکن نہ ہو، اور اب اتنا زمانہ گذرنے کے بعد کثرت جہل وغفلت وفتن وشرور کے باوجود ممکن ہوجائے گی، یا اس کی ضرورت اور زیادہ موکد ہوگی، اور کیا وہ طریقہ جو متوارثاً سلفاً عن سلفٍ وکابراً عن کابر چلا آرہا ہے اس کو ترک کرنے یا اس سے اغماض کرنے اور اس کو خلاف اصل اور خلاف سنت قرار دینے سے ترقی دین نہیں بقاوحفاظت دین کا تصور مشکل نہ ہوجائیگا۔

اور کیا اس متوارث طریقہ پر عمل کرتے چلے آنے والوں کو مخالف اصل اور تارک سنت نہ قرار دینا پڑیگا، پس تقاضائے عقل ودین ان کی ضرورت واہمیت کو تسلیم کرنا اور ہر قیمت پر ان کو باقی رکھنا بلکہ ہر طرح ترقی کی جدوجہد میں عمر عزیز کو وقف کردینا اور اسی کو اصل طریقہ اور کار انبیاء سمجھنا اور ہرگز ہرگز خلاف اصل اور خلاف سنت نہ سمجھنا ہی ہے۔

شریعت مطہرہ کے مشہور ومسلم قانون ”المطلق یجری علی اطلاقہ“ کو پیش نظر رکھا جائے تو صاف طور پر واضح ہے، کہ نفس تبلیغ سنت اور کار انبیاء ہے اور وہی اصل ہے، خواہ کسی امر مباح سے مقید ہو، قید زبانی ہو یا قید تحریری خروج وگشت کی ہیئت سے مقید ہو یا مدرسہ اور خانقاہ کی ہیئت سے، مطلق اور نفس تبلیغ سنت ہے، نہ محض زبانی تبلیغ سنت ہے، نہ محض تقریری وغیرہ۔

جب مطلق تبلیغ سنت ہے تو یہ سنت خواہ کسی مباح قید سے مقید ہوگی ادا ہوجائیگی، البتہ یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا کہ وہ قید کو مکروہ نہ ہو نہ لعینہ نہ لغیرہ۔

یعنی اگر وہ قید امور انتظامیہ میں سے ہو تو نہ اس کو ضروری سمجھا جائے، نہ دین، نہ کسی اور جائز اور مناسب صورت کی موجودگی میں اس کا انتظار اور توقف کیا جائے، اور نہ اس کو کسی دوسرت صورت سے افضل سمجھا جائے، اور کسی دوسری صورت سے

ضرورت پوری ہونے پر اس کو لغو سمجھا جائے اور اگر وہ قید مباح متمم اور مکمل عمل شرعی ہے تو نہ اس کو سنت کا درجہ دیا جائے گا نہ واجب کا علماً اور نہ عملاً، عملا یہ کہ نہ تاکد واصرار ہو، نہ تداعی واہتمام اور نہ التزام مالایلزم مثلاً ورنہ وہ مطلق عملاً شرعی اپنے اطلاق سے خارج ہوجائے گا، اور تغییر شرع لازم آجائے گی، اور عمل کو بدعت وضلالت بنادے گی جس سے احتراز واجب ہے، اور اگر وہ قید سنت ہے، تو اس میں دوام مع الترک احیاناً جائز ہے اصرار جائز نہیں۔ **لان الفرق بيهما بين**

اور یہ بھی خوب واضح رہنا چاہئے کہ جب کسی عمل کا مفاسد مذکورہ میں سے کسی مفسدہ کے لحوق کیوجہ سے بدعت ہونا متعین ہو چکا ہو تو پھر اس عمل کا ایک بار کرنا بھی بدعت ہوگا، تاوقتیکہ وہ عمل بہ ہیئت کذائیہ ذہناً وخارجاً ہر اعتبار سے نسیاً منسیاً اور بے نام ونشان نہ ہوگیا ہو، ان سب امور کے دلائل کتاب ہذا کے پہلے حصے میں مفصلاً مذکور ہیں۔ **فليراجع اليه**

الغرض مدرسہ وکتاب، تصنیف وتالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ سنت ہی ہیں، اور کار انبیاء ہیں خارج از سنت نہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ براہین قاطعہ ص: ۱۷۸ پر جواب انوار ساطعہ فرماتے ہیں۔

> مولف نے جو مثال امر لاحق کی دی ہے، بالکل غلط ہے...... مدارس ہندوستان کے طرز تعلیم حدیث کا خلاف زمان فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم وقرون سابقہ ہونا بالکل غلط ہے، دوسری مثال تعمیر مدرسہ کی ہے یہ بھی کم فہمی ہے صفہ کہ جس پر اصحاب صفہ طالب علم دین فقراء ومہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے، لہٰذا اصل سنت وہی ہے، ہاں تبدل ہیئت مکان کی ہوگئی سو ہیئت مکان کی

مطلق ہے جس ہیئت پر مناسب وقت ہو بنانا جائز ہے ''المطلق یجری علی اطلاقہ'' ہاں تشبہ کفار وغیرا مور ممنوعہ لاحق نہ ہو ویں پس بناء محکم کہ خود امر جائز اور ضروری ہے کہ بار بار اس کا بنانا مشکل ہے، پس کسی وجہ سے یہ مثال صحیح نہیں، کیونکہ یہ عین سنت ہے اور تغیر صورت کا جو ہے سو وہ باطلاق نص ثابت ہے……

اور صرف نحو و معانی وادب یہ سب باشارۃ النص سنت ہیں، اور علوم فلسفہ بوجہ مناظرہ اور رفعِ تشکیکات اور عقائد فلسفہ داخل ہوئے تھے، (اس کی بقدر حاجت تحصیل) سو یہ بھی بارشاد فخر عالم کے تھا عندالحاجت چندہ لینا اور رغبت دلانی اور اظہار اس کا کر کے تحریض کرنا عین سنت ثابت بالحدیث ہے، افسوس کہ مولف کو اس قدر بھی علم نہیں، اگر مشکوٰۃ کو بھی تمام دیکھ کر سمجھ لیتا تو کفایت کرتا، مگر ہاں اس کے سینہ تابوت کینہ میں جو بغض مدارس دینیہ کا ہے یہ کلمات بے معنی کہلا رہا ہے، اور فرط جہل مزید براں، اور درست ہے کہ مدارس سے شیطان کو سخت غیظ ہے، افسوس کہ مولف نے سارے شکوک اس کے بیان نہیں کیے اس کے سینہ میں خراش رہ گئی، اور ہم کو بھی اس کلام فضول پر یہ تحریر اجمالی اس واسطے لکھنی پڑی کہ مولف کا غیظ دو بالا ہو جائے کہ یہ امور سنت نکل آئے، مدارس اور اس کے مخالفین کا حال اس آیت سے خوب نکلتا ہے۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ الآیۃ

پس کیا ظاہر تفسیر کروں، بے شک تھوڑے علم والا جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں، قرون ثلاثہ میں موجود تھے، صراحۃً ودلالۃً، اور علم فرض عین دین کا ہے اور تعلیم بھی فرض ہے، اور اس کی تحصیل میں شارع کی وہ تاکیدات ہیں کہ کسی ادنیٰ پر بھی مخفی نہیں، اور جس ذریعہ مشروعہ سے بھی ممکن ہو اس کا کرنا فرض ہے اگر اس میں کچھ زیادات بھی حسب زمانہ کی جاوے سنت اور مطلوب فی الدین اور مامور من اللہ تعالیٰ ہوگا۔

چنانچہ خیر القرون سے لے کر آج تک مدارس کا تسلسل قائم رہا، اور مدارس ہی کی برکات کا ظہور تھا کہ اسلام قائم رہا اور خادمان اسلام کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہی، الغرض مدارس اور خانقاہوں ہی سے بذریعہ علماء و مشائخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ادا ہو رہی ہے، اور کار تبلیغ انجام پذیر ہو رہا ہے، اور مدارس اور خانقاہوں کے قیام سے یہی مقصود تھا، مدارس سے صرف ذی استعداد طلبہ مدرسین اور خانقاہوں سے صرف اللہ اللہ کرنے والے صائح حال وقال بزرگ ہی نہیں بنے بلکہ معلم اعظم و مرشد عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ظاہری اور شان باطنی کے جامع ہو کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کرنے والے اور حق و صداقت کا جھنڈا بلند کرنے والے پیدا ہوئے، اور ان حضرات نے مقصد کو پورا کر دکھایا۔

یہ دین الٰہی کی روشنی جو عالم میں خصوصاً ملک ہند میں پھیلی ہوئی ہے وہ سب اسی کی برکت ہے، اس زمانہ میں اگر کسی کو سنت کے مطابق زندگی گذارنے کیلئے نمونہ کی تلاش ہو اور دین حنفی کی تبلیغ واشاعت، حمایت و نصرت کی مکمل طور پر رسول اور صحابہ رسول کی سنت کے مطابق کرنے کی خواہش ہو تو خاندان ولی اللّٰہی کے نسبی و روحانی فرزندوں علی الخصوص عالم نبیل بطل جلیل شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ دہلوی اور قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، عارف کامل عالم ربانی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور ان حضرات کے قدم بہ قدم چلنے والے خلفاء متوسلین و معتقدین کی ذوات مقدسہ اور ان کی مجاہدانہ کارناموں اور علمی و عملی خدمات ومساعی میں ملاحظہ کرو۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں۔

دیوبندی حضرات کا سلسلہ اوپر سے اس آسمان سے نسبت رکھتا ہے جس کا نام خاندانی ولی اللّٰہی ہے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ قبورہم اس آسمان کے آفتاب و ماہتاب ہیں، دیوبند کے روح رواں یہی حضرات ہیں، ان حضرات نے مسلک اور عقائد اور ہر کلی جزئی میں اتباع سنت اور احیائے سنت میں اپنے اگلوں او پچھلوں کے لئے نمونہ چھوڑا، یہ وہ خاندان ہے، جس خاندان میں اولیاء کرام کثرت سے ہوئے ہیں، جنکے کفش بردار عام طور سے اولیاء کرام ہیں، جن کی محبت و کفش برداری کا صلہ اللہ تعالٰی کے یہاں سے ولایت ہی ہے، اور صرف ولایت ہی نہیں دین کے اندر فہم پیدا ہو جاتا ہے اور شریعت کی شناخت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلنشیں ہو جاتی ہے، اگر یہ حضرات دنیا میں اپنی یادگار نہ چھوڑ گئے ہوتے تو نزاع کا موقع تھا، اس وقت ہندوستان میں جو کچھ دینداری ہے اور خیر و برکت جاری ہے وہ سب انھیں حضرات کی یادگار ہے، فلسفہ اور منطق وغیرہ وغیرہ وہ علوم جو ظاہر بینوں کے یہاں ترقی کے اعلٰی علوم ہیں، ان کے یہاں لونڈی کی برابر وقعت رکھتے ہیں، ان لوگوں کے کمالات ان کے خدام میں دیکھو، ان کے کمالات ان کی تصانیف میں دیکھو، اس خاندان کے افراد کبھی کبھی کوئی نہ کوئی ہجرت مکہ مدینہ کی کرتے چلے آئے ہیں، جس زمانہ میں جو کوئی مکہ مدینہ میں چلا گیا ہے وہ اپنے علم میں اپنے زہد میں اپنے تقوی میں وہاں کے رہنے والوں وہاں کے آنے جانے والوں میں مبارک و ممتاز رہا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک کے پاس جگہ دے کر حق تعالٰی شانہ نے اظہار مرتبت فرمایا

ہے، اللہ ہمیں بھی نصیب کرے۔ آمین

علم حدیث و تصوف کو جس قدر اس خاندان سے فروغ ہوا ہے، کتابیں بھی لکھ کر آدمی بھی بنا کر اس مقدار کے ساتھ چھوڑا ہے کہ اس ہزار برس کے اندر کوئی دکھلائے تو سہی محال ہے انشاء اللہ کوئی قابو نہ پائے گا، یہ وہ خاندان ہے جس میں اولیاء تو عام جماعت ہے، ورنہ اس جماعت کے اعلٰی فرد میں اقطاب و مجدد ہونا اللہ نے اس خاندان کا حصہ رکھا ہے۔ انتہی بلفظہ الشریف اس خاندان کے کارناموں کو سمجھنے کیلئے حالات اور تاریخ پر ایک سرسری اور اجمالی نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مدرسہ رحیمیہ میں بارہ سال تک تعلیم و تدریس میں مشغول رہ کر حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے، اور حرمین شریفین میں محدثین و مشائخ سے فیض حاصل فرما کر ۱۱۱۵ھ میں مراجعت فرمائے دہلی ہوئے اور پھر تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، طلبہ کی کثرت ہوئی، اور بہت زیادہ ہجوم ہوا، ایک طرف آپنے بہت ہی بیش بہا تصانیف مثلاً حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ترجمۂ قرآن بزبان فارسی وغیرہ کتابیں، تو دوسری طرف باکمال اور ماہر علماء تیار کیے، جن میں آپ کے صاحبزادگاں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قدس اللہ اسرارہم بھی شامل ہیں۔

دین کی تعلیم و تبلیغ کیلئے علماء نے ہر دور میں بڑی بڑی درسگاہیں قائم کیں، بعض ہندوستان میں اس وقت بھی موجود تھیں مثلاً علاقہ اودھ کا مشہور و معروف مدرسہ نظامیہ جو فرنگی محل لکھنؤ میں قائم تھا، مگر حضرت شاہ ولی اللہ کی درسگاہ کو جو مرکزیت

حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

اس مدرسہ کا نام رحیمیہ تھا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اسی جگہ تعلیم وتدریس میں مشغول رہے، اور یہ مدرسہ ”مدرسہ شاہ عبدالعزیز“ کے نام سے مشہور ہوا، حضرت شاہ عبدالعزیز کے دور میں بھی اس مدرسہ کو زبردست مرکزیت حاصل رہی، آپ نے بھی قرآن وسنت کی تبلیغ وترویج کو شعار زندگی بنایا، تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزیہ آپ کی جلالت علمی کی شاہکار ہیں۔

شیعوں کے مقابلے میں ”تحفہ اثناعشریہ“ لکھ کر حجت تمام کردی، دوسری طرف بڑے بڑے باکمال شاگرد تیار کیے، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین صاحبان نے قرآن شریف کے اردو ترجمے فرمائے، چوتھے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے وعظ وتذکیر کا مشغلہ اختیار کیا، دہلی کی جامع مسجد ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنی۔

سب بھائیوں کے بعد ۱۲۳۹ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز نے وفات پائی، ان کے بعد ان کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نے مدرسہ شاہ عبدالعزیز، کی نگرانی فرمائی، چند عرصہ کے بعد حضرت شاہ اسحاق اور حضرت مولانا شاہ یعقوب صاحبان نے مکہ معظّمہ کو ہجرت فرمائی، اب اس امانت کے امین حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی محدث اور حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی محدث ہوئے، یہ حضرات ایک طرف مدرسہ میں درس وتدریس کے ذریعہ علوم ظاہری کی تبلیغ تعلیم کررہے تھے تو دوسری طرف خانقاہوں میں مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھ کر سچے صوفی اور شیخ تیار کررہے تھے۔

تیرہویں صدی کا وسطی زمانہ تھا، علم وہنر، فضل وادب کے لحاظ سے بڑا معمور زمانہ مانا گیا، اس وقت شہر دہلی حضرت شاہ عبدالعزیز کے فیض سے علماء وفضلاء اور اہل کمال کا مرجع ومرکز بنا ہوا تھا، گھر گھر تعلیم وتعلم اور علوم وفنون کا چرچا تھا خاندان ولی اللّٰہی کے فیض یافتہ علماء ادباء، شعراء اور حکماء علوم وفنون کی خدمت میں منہمک وسرگرم تھے۔

اس عہد کے علمی عروج کا کیا کہنا، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث، حضرت شاہ احمد سعید صاحب محدث، حضرت مفتی صدرالدین صاحب آزردہ صدرالصدور، حضرت مولانا رشیدالدین خاں صدر مدرس مدرسہ علوم مشرقیہ، اوران کے خاص شاگرد حضرت مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی، حضرت مولانا قطب الدین صاحب مصنف ”مظاہر حق“ حضر مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید، مولانا نذیر حسین صاحب محدث، مولانا فضل حق خیرآبادی، مرزا غالب، فصیح الملک داغ دہلوی، شیخ محمد ابراہیم ذوق اور حکیم مومن خاں وغیرہ وغیرہ سینکڑوں علماء وفضلاء جمع تھے اور علم وادب کی خدمت میں سرگرم تھے۔

انگریز ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر بلاواسطہ یا بالواسطہ قابض ہوچکے تھے، عالمگیر اعظم محی الدین اورنگزیب کی قبائے اقتدار پارہ پارہ ہوچکی تھی، اوراس کے ٹکڑوں کے مزید قطع برید کے لئے گستاخ اور احسان فراموش ہاتھ بار بار بڑھ رہے تھے، سکھ اور جاٹ کی سرکشی اور دل آزاری سے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ ہورہا تھا، پنجاب اس وقت سکھوں کے زیر حکومت تھا، پشاور سے لے کر رہتک تک ان کی مسلم آزار روش جاری تھی، شہر لاہور راجہ رنجیت سنگھ کا پایۂ تخت تھا، لاہور کی تمام بڑی بڑی مساجد میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے، اور سامان حرب رکھا ہوا تھا، قرآن مجید کی

علانیہ بے حرمتی کی جارہی تھی، شعائر مذہبی کی روز مرہ توہین کی جارہی تھیں غرض مسلمانوں پر ہر اعتبار سے زوال وانحطاط طاری تھا، ۱۸۰۳ھ میں انگریزوں نے دہلی پر حملہ کیا، مغل بادشاہ شاہ عالم کو گرفتار کیا، اور زیر حراست اور مبتلائے قید و بند شاہ عالم سے ایک من مانا معاہدہ کر کے رہا کر دیا، اس معاہدہ کی رو سے دہلی کی مغلیہ سلطنت دہلی اور اطراف دہلی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

مذہبی حالت ملک ہندوستان کی ناگفتہ بہ تھی، شرک و بدعت وجہل کی تاریکی ملک پر مسلط تھی، قبر پرستی، پیر پرستی، آثار پرستی، تعزیہ وعلم پرستی، رسوم پرستی، آباء پرستی، ٹونہ ٹوٹکا بھوت پریت اوہام پرستی، مسلمانوں کا شعار زندگی بنا ہوا تھا، شاعری، موسیقی، مرغ بازی، تیتر بازی، بٹیر بازی، پتنگ بازی، تاش، گنجفہ، شطرنج، میں عام مسلمان خاص طور پر امراء اپنا وقت ضائع کر رہے تھے، شراب خواری اور قمار بازی عام تھی بیواؤں کا نکاح بہت زیادہ معیوب سمجھا جارہا تھا، تصوف کی اصل صورت مسخ ہو چکی تھی، جہالت عام تھی۔

ان تمام اسلام دشمن معتقدات ونظریات وافعال سیاسی و مذہبی کے مقابلہ اور اصلاح کے لئے نسبی وروحانی دودمان ولی اللّٰہی نے سپاہی اور اسلحے تیار کرنے کے لئے دو کارخانے یا دشمن کے یلغار سے محفوظ رہنے کے لئے دو مضبوط قلعے تیار کیے، اک کارخانہ وقلعہ مدرسہ تھا، اور دوسرا کارخانہ وقلعہ خانقاہ چنانچہ نبرد آزما تیار ہو ہو کر نکلنے لگے، اور اسلحے ڈھل ڈھل کر تیار ہونے لگے منجملہ ان کے ایک سپاہی حضرت شاہ عبدالعزیز کے مرید اور فیض وتعلیم یافتہ حضرت سید احمدؒ رائے بریلوی اور دوسرے سپاہی حضرت عارف باللہ شاہ عبدالرحیم کے پرپوتے، مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ

کے پوتے حضرت شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی کے فرزند ارجمند بطل جلیل، عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسماعیل الشہید تھے۔

پدر محترم اور علم وفضل وزہد وتقوی میں اپنی نظیر آپ اعمام نے اپنے خاندان کے اس ہونہار چشم وچراغ نوجوان پر اپنی ساری توجہات صرف فرمادیں، قانون مشیت ایزدی قانون توارث افتاد طبع، تربیت، ماحول، ان جملہ عناصر نے مل کر حضرت مولانا اسماعیل الشہید کو اپنے زمانہ کا عدیم المثال انسان بنادیا، قوت حافظہ بھی حیرت انگیز تھی، چنانچہ بہت تیزی کے ساتھ تمام علوم متداولہ سے مالا مال اور باکمال ہوگئے، نہایت کامیاب واعظ بھی تھے، اور اعلیٰ درجہ کے مفتی بھی، بہترین مناظر بھی تھے، اور دقیقہ شناس متکلم بھی شیریں بیاں مقرر بھی تھے، اور قابل وفاضل مصنف بھی ماہر احکام واسرار شریعت بھی تھے اور واقف وعارف رموز حقیقت بھی، اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے مجاہد بھی تھے اور ایک بہادر سپاہی بھی، ماہر تیراک بھی تھے اور ایک اچھے شہ سوار بھی، پھر اسی میدان میں گھوڑے کے سائیس بھی تھے اور عام مجاہدین کے خادم بھی، نیزہ باز، تیر انداز، اور نبوٹ میں ماہر اور کشتی باز بھی، حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی سے مرید ہو کر انھیں کی معیت میں اشاعت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کا بیڑہ اٹھایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشغول ہوئے۔

ایک طرف مواعظ حسنہ اور موثر تقاریر سے ملک میں تہلکہ برپا کر رہے تھے، شرک وبدعت کی تاریکیو کو دور کر کے توحید کا غلغلہ بلند کر رہے تھے اور سنت کے نور سے معمور کر رہے تھے تو دوسری طرف تحریر وتصنیف سے فاسد خیالات وعقائد، مشرکانہ

وجاہلانہ اعمال وافعال کی اصلاح فرمارہے تھے، چنانچہ تقویۃ الایمان شرک کی اصلاح کے لئے تحریر فرمائی اور جس سے یک لخت لاکھوں کی اصلاح ہوئی، ایضاح الحق الصریح بدعت کی اصلاح کے لئے صراط مستقیم اور عبقات طریقت وحقیقت کی اصلاح کے لئے اور منصب امامت نبوت وولایت کی حقیقت بیان کرنے کے لئے تحریر فرمائی، آپ کے پر تاثیر وعظ ونصیحت سے سینکڑوں مشرف بہ اسلام ہوئے، ایسا شعلہ نور بن کر چمکے کہ جس کی تابش اور لمعات سے ظلمت کے پردے پھٹ گئے جس کی ضیا بیزی سے ملک کا گوشہ گوشہ منور ہوگیا، آپ کے وعظ وپند کے انداز شیریں اور پر اثر، حق افروز اور باطل سوز تقریروں سے ہزاروں مردوزن ہدایت یاب ہوگئے، شرک کی تاریکیاں چھٹ گئیں، بدعت کے خرمن میں آگ لگ گئی، سیکڑوں چکلے ویران ہوگئے، دودوسو رنڈیوں نے ایک ایک دن میں تائب ہوکر نکاح کیا، ہزاروں بیوائیں جو رسم ہنود میں مبتلا ہوکر اپنی جوانی پر رورہی تھیں اور افسوس کررہی تھیں نکاح ثانی پر آمادہ ہوگئیں اس رسم بد کو مٹا کر آپ نے سو شہیدوں کا ثواب حاصل کیا، تقریباً پچاس ہزار امام باڑے آپ کی تبلیغی کوششوں سے توڑے گئے۔

آفتاب ہدایت تھے قاطع شرک تھے، اور قامع بدعت تھے، سچے دین اسلام کو خرافات ورسومات شرکیہ وبدعیہ جاہلانہ وہندوانہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پاک وصاف کرنے میں تن من دھن کی بازی لگادی، چنانچہ شرک وبدعت اور جہالت کی تاریکیاں دور اور کافور ہونے لگیں اور توحید وسنت کی بنیاد پڑی۔

پورے ملک میں گھوم گھوم کر اور پھر پھر کر مجاہدین تیار فرمانا شروع کئے، لاکھوں علماء اور غیر علماء کو اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تیار وآمادہ کرلیا، مجاہدین

کے لشکر کی تیاری کا اہتمام ہونے لگا، اور جہاد پر بیعت لی جانے لگی، پھر جہاد وحریت کے والہانہ جوش میں آکر، اللہ ورسول کے عشق میں سرشار ہوکر اعلائے کلمۃ اللہ کے جذبہ میں مست ہوکر سیف وسنان ہاتھ میں لے کر لاکھوں مجاہدین کو ہمراہ لے کر پنجاب کی جانب ۱۸۲۴ھ کو سکھوں سے جہاد کے لئے روانہ ہوگئے، تھانیسر، مالیر کوٹلہ، ممدوٹ، بھاولپور، حیدرآباد، سندھ، خان گڈھ، درہ دھاڈر درہ بولان ہوتے ہوئے پشین پہنچے وہاں سے قندھار سے کابل، کابل سے درہ خیبر کے راستے سے پنجاب میں داخل ہوئے، ایک مدت تک دشمنان اسلام سے برسرپیکار رہے، مشقتیں برداشت فرمائیں، مصیبتیں جھیلیں، بہت سے شہروں کو فتح کیا، ہزاروں دشمنان اسلام کو فی النار فرما کر بالآخر ۱۸۳۱ھ مطابق ۱۲۴۶ء کو بالاکوٹ کے مقام پر اعلائے کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے کفار نابکار کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما کر زندہ جاوید ہوگے اور جریدہ عالم پر اپنا دوام ثبت فرماگئے، خدا کی راہ میں تن من دھن لٹا کر اپنے ہی لہو سے اپنا نام زندہ کرگئے، اور توحید وسنت کی شمع اپنی قربانی سے روشن کرگئے کہ جس کی روشنی اقصائے عالم میں آج تک پھیلی ہوئی ہے، اور ان شاء اللہ رہتی دنیا تک پھیلتی رہے گی۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

سچ ہے ؎

ان مراحل سے گذرتے ہیں گذرنے والے
زندہ کرجاتے ہیں دنیا کو یہ مرنے والے

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

الشهيد فى الجنة ومن قاتل فوق ناقة وجبت له الجنة ولا يفضله النبيون الا بدرجة النبوة.

اس کے بعد آٹھ سو مجاہدین رہ گئے تھے جو سرحدی کوہستانی علاقہ کو پناہ گاہ بنا کر انگریزوں سے برسرِ پیکار رہے، اور آزادی کی جدوجہد میں مصروف رہے آپ کے بعض پیر بھائی مثلاً حضرت مولانا کرامت علی جونپوری اور حضرت مولانا سخاوت علی جونپوری حضرت سید صاحب کو بہت محبوب تھے، حضرت سید صاحب نے اپنے ان دونوں محبوب مریدوں کو خلعت خلافت نے نواز کر بلادِ مشرقیہ کی اصلاح اور تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے مقرر فرمادیا، ان دونوں بزرگوں نے جونپور کو تعلیم وتبلیغ کا مرکز بنایا، حضرت مولانا کرامت علی نے مدرسہ کرامتیہ اور حضرت مولانا سخاوت علی نے شاہی جامع مسجد میں مدرسہ قرآنیہ جاری فرمایا۔

دوسری طرف حضرت مولانا کرامت علی صاحب نے بنگال کی طرف تبلیغی جدوجہد شروع فرمائی، آپ کی تبلیغی کوششوں کے نتیجہ میں کئی لاکھ غیر مسلم دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور حضرت مولانا سخاوت علی نے مدرسہ کی بنیاد ڈال کر تعلیم دین کا جو سلسلہ شروع فرمایا تو اپنے مرکز سے سینکڑوں افراد کو علم دین سے آراستہ کر کے خدمت اسلام کیلئے تیار کیا۔

سیرت سید احمد شہید میں مولانا ابوالحسن صاحب ندوی لکھتے ہیں

> پورب میں آپ (سید صاحب) کے خلفاء مولانا کرامت علی اور مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری نے تبلیغ وہدایت کے فرائض انجام دیے، اور بڑی کامیابی حاصل کی ہزاروں جانوروں کو انسان بنایا، آج بھی آپ کے اثرات اطراف میں موجود ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہندوستان کا دارالخلافہ دہلی اس زمانہ میں معدن فضل وکمال تھا، حجۃ اللہ البالغہ شیخ الشیوخ حضرت شاہ ولی اللہ محدث قدس سرہ کے لگائے ہوئے شاداب وبارآور درخت اپنی بہار پر تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی وفات ہوچکی تھی، لیکن ان کے سچے جانشین اور نواسے حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مرجع خلائق بنے ہوئے تھے، یکایک دونوں حضرات نے ۱۲۵۷ھ میں حجاز مقدس کو ہجرت فرمانیکا عزم فرمالیا اور روانہ ہوگئے، اوران صاحبوں کے ساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا۔

دہلی میں اندھیرا چھا گیا، اب اس دہلوی خانقاہ اور مدرسہ کی یادگار میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگرد حضرت شیخ ابوسعید کے صاحبزادے علوم ظاہری وباطنی میں شہرۂ آفاق، زبدۃ العلماء والصلحاء مشہور ومعروف فقیہہ محشی ابن ماجہ بنام انجاح الحاجہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی قدس سرہ اور حضرت مولانا رشیدالدین دہلوی تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگرد حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رہ گئے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی سے خود ان کی صاحبزادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور بھتیجے مظہر العلوم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے علم حاصل کیا، تمام علوم وفنون میں تو حضرت مولانا مملوک علی صاحب، سے اور حدیث حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے پڑھی تھی، دیگر علمائے سے بھی تلمذ کا تعلق رہا، ان علماء میں سے

حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگرد حضرت مولانا مفتی صدرالدین صاحب اور قاضی احمد الدین پنجابی بھی ہیں۔

رحمہم اللہ وطاب ثراہم اجمعین

مغل بادشاہ شاہ عالم کا انتقال ہو چکا تھا، اور جہاں پناہ ظل سبحانی سراج الدین بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہو چکے تھے، انگریزوں کی جانب سے اس بادشاہ کو اختیارات سے اور زیادہ سبکدوش کر دیا گیا تھا، حدود مملکت بھی اب کانٹ چھانٹ کر صرف شاہی قلعہ اور شہر دہلی تک محدود کر دیئے تھے۔

کسی دور میں علوم فنون کا کتنا ہی چرچا اور اہل کمال کا کتنا ہی ازدحام کیوں نہ ہو، قومی وملی تعمیر بغیر سیاسی قوت دشوار ہے، وہ زمانہ آ چکا تھا کہ اہل علم گوشہ نشین اور ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے، یکایک ۱۲۷۳ھ یعنی ۱۸۵۷ء کی قیامت رونما ہوئی، اور اس نے سیاسی قوت کے ساتھ ساتھ اسلامی شعائر اور تہذیب ومعاشرہ کو تہ وبالا کر دیا، اور اس کے بعد اور کچھ ہوا وہ ایک طویل خونی داستاں ہے۔

آخری مغل بادشاہ ظل سبحانی سراج الدین بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون لیجا کر قید کر دیا گیا، اور وہ وہیں چھ سات سال قید میں رہ کر ۱۲۷۹ھ جنت کو سدھارے، اور ان کے جسد کو رنگون ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی یادگار شاہ عبدالغنی محدث، اس ہنگامہ سے متاثر ہو کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرما چکے تھے۔

انقلاب اپنے ساتھ ہزاروں تباہیاں لاتا ہے اور چھوڑ جاتا ہے یہاں بھی یہی ہوا، تعلیم گاہیں ختم ہوئیں مسجدیں مسمار ہوئیں، خانقاہیں لٹیں، آبادیاں ویران ہوئی اور دہلی کی مرکزیت ختم ہوگئی، بارہویں صدی ہجری ختم ہو رہی تھی، سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو چکا تھا، انگریزوں کی سیاست ملک ہند پر پوری طرح حاوی ہو چکی تھی، اسلامی روایات ایک ایک کر کے رخصت ہو رہی تھیں اسلامی تہذیب اور علوم فنون کے زوال صورتیں نمودار ہو چکی تھیں، بطحائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ کو ویران کرنے کی کوشش میں دشمن ہی نہیں دوست نما دشمن بھی لگ گئے تھے، ان اقوام کی تقلید اختیار کی جارہی تھی، جن کو اسلام سے عداوت اور بانی اسلام سے عناد تھا، طرز معاشرت اور انداز نشست وبرخاست میں ان قدیم یا جدید فلاسفروں کی اتباع کی جارہی تھی، جو اصلاح کے پردے میں تخریب کے درپے تھے۔

ملک ہندوستان میں بددینی اور بدعقیدگی کے گویا روزانہ نئے مخترعہ خیالات جزو اسلام بنائے جارہے تھے، کسی طرف نیچریت کا غلبہ ہو رہا تھا، کسی طرف اعتزال اور الحاد دہریت کا کہیں رفض وتشیع کا زور تھا، تو کہیں طرح طرح کی بدعات ورسومات کا غلبہ تھا، ایک جانب عدم تقلید پھیل رہی تھی، تو دوسری طرف قرآنیت اور مرزائیت کا بیج پڑ رہا تھا، کسی طرف سے عیسائی پادریوں کی طرف سے یورش تھی تو کسی طرف سے آریہ سماجوں کی یلغار تھی، قریب تھا کہ اسلامی تعلیمات خود مسلمانوں کے لئے اجنبی اور لاشے بن کر رہ جائیں، حکومت انتہائی شدت سے زندگی کے اس لطیف جوہر کو اہل اسلام کے ذہن ودماغ سے محو کرنے کی کوشش میں مصروف تھی، مسلمانوں کی تعلیمی واجتماعی حیات ملی کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا، انقلاب کے بعد جس کشمکش سے عام طور پر مفتوح قومیں دوچار ہوتی ہیں اور جو ذہنی اضمحلال وپراگندگی ایسے وقت میں رونما ہوتی ہے ان تمام مشکلات سے صدہا سال حکومت کرنے والی قوم کے افراد بھی مامون نہ تھے، ایسے ظلمت آگیں دور میں بارگاہ نبوت کی وہ امانت یعنی کتاب وسنت کا سلسلہ

روایت جو علمائے راسخین، نسبی وروحانی، دودمان ولی اللّٰہی کے سینو میں ودیعت رکھی گئی تھی، دہلی سے منتقل ہوئی۔

اس کو آفات سماوی اور حوادث ارضی سے بچا کر اپنے سینوں میں چھپا کر لے جانے والے اور جہل ولاعلمی کے اس ماحول کو علوم فنون کی روشنی سے تابناک وتابدار بنانے والے مردان حق کوش اور حق کیش کون تھے؟

ان بزرگوں میں قطب عالم، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مظہر العلوم جامع علوم ظاہری وباطنی حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی اور قطب التکوین والارشاد صدر المدرسین، استاد الاساتذہ شاہ عبدالعزیز ثانی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم تھے۔

ان بزرگان ملت نے مکتب ولی اللّٰہی سے علوم وفنون شرعیہ کے استکمال کے بعد شیخ العرب والعجم قدوۃ العارفین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہو کر راہ سلوک طے کیا، اور قوت علمیہ کے ساتھ قوت عملیہ میں بھی کامل ہوگئے، اور اشاعت دین مبین اور اعلائے کلمۃ اللہ میں دل وجان سے مشغول ہوگئے، یہ حضرات ظاہر اور باطن دونوں کے جامع تھے، بیک وقت مدرسہ بھی تھے اور خانقاہ بھی، چنانچہ ان کے کارخانے میں جو مشین تیار ہوتی تھیں وہ مدرسہ اور خانقاہ دونوں کی حامل ہوتی تھیں۔

حضرت قطب عالم امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ افاضہ ظاہری وباطنی میں مشغول ہوئے، حق تعالیٰ کے غیبی فرشتوں نے منادی پھیر دی اور ہند اور اطراف ہند، برما، سندھ پورب وبنگال، پچھم وپنجاب، مدارس ودکن، برار وممالک

متوسط، کابل وافغانستان کے بلاد متفرقہ میں ایک کھلبلی سی مچ گئی، اور گروہ در گروہ طلبہ گنگوہ آنے لگے، جو علوم ظاہری وباطنی سے مالا مال اور فنون شرعیہ سے باکمال ہوکر اپنے اپنے وطن واپس ہوتے۔

تین سو سے زیادہ طالبان علوم باکمال ہوکر متفرق بلاد میں پھیلے اور اشاعت علوم دین میں مصروف ومشغول ہوئے، انھیں میں سے پچاسوں علوم باطنی کی تکمیل کرکے خلق اللہ کے ارشاد واصلاح میں منہمک ہوئے، حضرت امام ربانی نے تحریر کو بھی اشاعت دین کا ذریعہ بنایا، متعدد کتب تصنیف فرمائیں، فتاویٰ جاری فرمائے جن سے عقائد واعمال کی خوب خوب اصلاح ہوئی اور آج تک ہورہی ہے، آیت من آیات اللہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی ایک طرف علماء وصلحا تیار کرنے میں مشغول ہوئے، تو دوسری طرف وعظ وتذکیر اور بحث ومناظرہ کے ذریعہ حق کی تائید اور مذہب باطلہ کی تردید فرمانی شروع فرمائی، آریوں اور عیسائیوں پادریوں سے کامیاب مناظرہ فرمائے، اور جہاں بھی کسی قسم کے فتنے اٹھنے کی خبر سنی پہنچ کر مقابلہ کیا، مذہبی میلوں اور مباحثوں میں اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کرکے مخالفین اور اعدائے اسلام کے دلوں میں دین الٰہی کی دھاک بٹھادی۔

مخالفین اسلام کے اعتراضات وشبہات کے جواب میں عجیب وغریب اور نادر تصنیفات اور تحریریں شائع کیں، ایسے ایسے مسکت اور دندان شکن جوابات دیئے کہ مخالفین اور اہل باطل کی زبانیں خاموش اور ہمتیں پست ہوگئیں، اور وہ فرار ہونے پر مجبور ہوگئے، حضرت مولانا کی نادر تصنیفات آج بھی اہل اسلام کے قلوب کو قوی اور مخالفین اسلام کے قلوب کو مرعوب کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں اور انشاء اللہ تا قیام

قیامت رکھیں گی۔

۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامے میں ان دونوں محمدی کچھار کے شیروں نے سیف وسنان ہاتھ میں لی، اور اپنے محترم شیخ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی اور چچا پیر حضرت حافظ ضامن شہید کی معیت میں شمشیر زنی اور جہاد فی سبیل اللہ کا شرف بھی حاصل کیا، لیکن حضرت حافظ ضامن کے شہید ہوجانے کے اور آخری مغل بادشاہ ظفر بہادر شاہ کے قید ہوکر رنگون بھیجے جانے کی وجہ سے اس سلسلہ کو منقطع کردینا پڑا حضرت حاجی صاحب تو مکہ معظمہ کو ہجرت فرماگئے اور ان دونوں بزرگوں کی گرفتاری کا آرڈر ہوا، حضرت نانوتوی باوجود وارنٹ گرفتاری اور تلاشی موجود ہوتے ہوئے بھی گرفتار نہ ہوسکے، اور امام ربانی مولانا گنگوہی گرفتار ہوگئے، چھ ماہ جیل خانہ میں پھانسی کی کوٹھری میں رہے، بالآخر رہا ہوئے۔

۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء تحریک آزادی کے ناکام ہوجانے کے بعد جب کہ حکومت انگریزی نے مسلمانوں پر بالخصوص جماعت علماء پر بے پناہ مظالم توڑ کر جان ومال ہر طرح سے برباد کیا، اور منتقمانہ جذبات میں ان بے چاروں کو مردہ کردیا تو ایسے نازک وقت میں ایسے خطرناک دور میں، ایسے ہمت شکن فتنوں کے آندھی اور طوفان میں ان علمبرداران کتاب وسنت اور وقت کے نباض مقدس بزرگان ملت نے پوری ژرف نگاہی کے بعد حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ ہوا کا رخ پلٹ چکا ہے، بقول حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

اس وقت وقت کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم وفنون کی اشاعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مسلمانوں کے زندہ رہنے اور ان کے

دلوں سے خوف وہراس اور احساس کمتری دور کرنے کے لئے اور ان کے دلوں کو ازسرنو اسلامی روایات کا حامل اور شیدائی بنانے کے لئے اسلامی مرکز یعنی مدارس اور خانقاہیں قائم کی جائیں، اور مقدس اسلاف کی مقدس سنت کے احیاء اور بقاء کا سامان کیا جائے، اگر اسوقت تھوڑی سی غفلت برتی گئی تو حکومت اسلامیہ کی طرح مذہب اسلام اور صحیح عقیدہ وعمل بھی بہت جلد ہندوستان سے رخصت ہوجائے گا۔

اور ایسی آزاد درسگاہیں قائم کرنی چاہیں کہ جو مسلمانوں کی صحیح اور واقعی مذہبی رہنمائی کریں، علوم السنہ مغربیہ اور فنون اجنبیہ سے بچتے ہوئے علوم شرعیہ اور فنون دینیہ کی علمبردار ہوں۔

بخاری وترمذی کی روحانیت بھی پیدا کریں، اور ابوحنیفہؒ وشافعیؒ کی نورانیت بھی، اشعریؒ ماتریدیؒ اور رازیؒ وغزالیؒ کی تحقیقات کا بھی دلدادہ بنائیں، اور جنیدؒ وشبلیؒ کے علوم کا بھی شیدا بنائیں، اتباع شریعت کا ذوق وشوق سنت نبویہ کا عشق اور طریق صوفیہ صافیہ کا ولولہ پیدا کریں اسلام کی اندرونی محافظت اور سچی حمایت ونصرت کا جوش پیدا کریں اور مخالفین اسلام کے حملوں کی مدافعانہ تقریری وتحریری قوتوں کا ملکہ پیدا کریں۔ اور مدرسوں میں بیٹھ کر حقائق ومعارف، دقائق وتفقہ کا درس دینے والے پیدا کریں۔ ایک طرف قال اللہ اور قال الرسول کی صدا بلند ہو تو دوسری طرف قال ابوحنیفہؒ، قال سیبویہ قال شیخ الرئیس بوعلی سینا کی آواز آئے۔

بقول فخر الاماثل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

"انسانی دل ودماغ کی تعمیر اور اس کی ذہنی قوتوں کی نشو نما وارتقاء کا واحد ذریعہ تعلیم وتربیت ہے۔ پند ونصیحت، وعظ وتلقین اور تذکیر وموعظت بلاشبہ نافع اور

ضروری ہیں۔ لیکن ان سے ذہن نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ چیزیں بنے بنائے ذہن میں صرف روحانی انبساط اور شگفتگی اور وسعت پیدا کرسکتی ہیں۔ اس لئے کسی قوم کے ذہن بنانے اور دل ودماغ کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنے کے لئے صرف تعلیم ہی ایک موثر اور پائیدار ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ مسئلہ تعلیم کی اہمیت اور اولیت کا اندازہ صرف اس ایک بات سے ہوسکتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ شانہ نے خلافت کا مسئلہ اٹھا کر تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلے جس مسئلے کی طرف توجہ منعطف فرمائی اور وہ مسئلہ تعلیم تھا''۔

پھر حق تعالیٰ کا بلاواسطہ تمامی انبیاء کا معلم ہونا اور بعثت انبیاء کی غرض وغایت صرف تعلیم وتربیت ہونا ثابت کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''بلکہ اس پاک گروہ کے آخری فرد اکمل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی اس بنیادی غرض وغایت (تعلیم وتربیت) پر اپنی تصدیق ان الفاظ سے ثبت فرمادی کہ **انی بعثت معلما** یعنی میں بھیجا ہی گیا ہوں معلم بنا کر۔ اور **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** یعنی میرے بھیجے جانے کی غرض وغایت ہی تکمیل اخلاق ہے۔

پھر آگے چل کر فرمایا کہ'':

''بہر حال مقام نبوت سے لے کر بارگاہِ الوہیت تک تعلیم وتعلم کا ایک غیر منقطع نظام ہے جو مختلف صورتوں سے اپنے آپ کو نمایاں کرتا رہا ہے، جس سے یہ واضح ہے کہ بارگاہِ الٰہی کی جو توجہ اور ازلی عنایت نیز انبیاء علیہم السلام کی جو عطوفت وسعی مسئلہ تعلیم وتربیت پر منعطف رہی ہے وہ کسی اور مسئلہ کے حصے میں نہیں آسکی ہے.......... اگر ۱۸۵۷ء کے انقلاب پر دینی نبض شناسوں نے قوم کے دل ودماغ کی تعمیر کے لئے تعلیمی مدارس کا سلسلہ جاری کرکے قوم کو

سنبھالنے کو جو ضروری سمجھا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر اس کے سنبھلنے اور پنپنے کی کوئی دوسری صورت نہ تھی'' انتہیٰ

چنانچہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے ٹھیک دس سال کے بعد ۱۵/محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء یوم پنج شنبہ اسلامی ہند کی تاریخ کا وہ مبارک وسعید دن تھا کہ جس دن ارض بطحا سے جو بحر ذاخر چلا تھا اس کا چشمہ ہندوستان میں سرزمین دیوبند میں پھوٹا، اور علم وعرفاں اور رشد وہدیٰ کا پودا لگا دیا گیا، یعنی شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب اور امام ربانی قطب عالم حضرت گنگوہی کے ایماوتوجہ سے حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مقدس ہاتھوں سرزمین دیوبند میں ایک مدرسہ کا افتتاح ہوگیا، جو بہت جلد شجرہ طوبیٰ بنا اور دارالعلوم دیوبند کے نام سے ساری دنیا میں مشہور ہوا، اور جس کی شاداب شاخیں دنیائے اسلام کے علمی چمنستان کا طرہ امتیاز بن گئیں۔ **اصلها ثابت وفرعها فی السماء**

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے چھ ماہ بعد اسی سال رجب ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں حضرت مولانا سعادت علیؒ کے مبارک ہاتھوں شہر سہارنپور میں ایک مکتب کی شکل میں ایک مدرسہ کی بنیاد پڑی، جو چار سال کے بعد، بعد وصال حضرت سعادت علی، حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد اور بھتیجے، حضرت مولانا گنگوہی کے ہم استاد اور تلمیذ خلیفہ مظہر العلوم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کے نام پر اعلیٰ تعلیم کے لئے ''مدرسہ مظاہر علوم'' حضرت مولانا مظہر صاحب قدس سرہ کے اہتمام میں قائم ہوا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے استاذ فخر المحدثین بخاری شریف کے شارح، علم وتفسری وحدیث کے بلند پایہ ماہر حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کی خاص سرپرستی میں یہ چمنستان علوم نشو ونما پاتا رہا، اور آج تک

یکے بعد دیگرے حضرات اولیاء اللہ خلیفہ حضرت گنگوہی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حضرت اقدس الحاج حافظ عبداللطیف صاحب وخلیفہ حضرت تھانوی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب وخلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نشو ونما پا رہا ہے۔

پھر ۱۲۹۶ھ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مبارک ہاتھوں مدرسہ الغرباء قاسم العلوم جواب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے نام سے ملک میں روشناس ہے مرادآباد میں قائم ہوا، جس کے اول مدرس حضرت نانوتوی کے تلمیذ رشید جامع محاسن صوری ومعنوی حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب قدس سرہ امروہی ہوئے۔

پھر ۱۳۰۳ھ میں حضرت نانوتوی ہی نے امروہہ میں جامعہ اسلامیہ عربیہ امروہہ کی بنیاد ڈالی، اور حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہوی نے مدرسہ شاہی مراداباد سے تشریف لاکر مدرسہ کی خدمات انجام دینی شروع کی، اور علم حدیث وتفسیر فقہ وتصوف غرضیکہ معقولات ومنقولات میں سے ہر ہر فن کی تعلیم دیجانے لگی، مولانا کے بعد ان کے صحیح جانشین، ہندوستان کے ایک زبردست عالم، مفسر ومحدث عارف باللہ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی سہروردی ہوئے جو حضرت قاسم العلوم کے فیض یافتہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے شاگرد اور خود حضرت محدث امروہوی کے مایہ ناز نمونہ علمیہ تھے

حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہما کے تیسرے رفیق کاران کے استاذ زادے اور ہم استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ تھے جو اپنی جامعیت علوم ظاہرہ وباطنہ کے سبب شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کیے جاتے تھے، دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس پر سب سے پہلے فائز ہوئے، اسی زمانہ میں حضرت نانوتوی وحضرت گنگوہی کے تلمیذ رشید اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی دارالعلوم میں مدرس تھے، یہ حضرات ایک طرف قوت علمیہ میں باکمال تھے، تو دوسری طرف قوت عملیہ میں بھی باکمال تھے، جامع علوم ظاہری وباطنی تھے، معلم بھی تھے اور مرشد بھی۔

بنائے دارالعلوم کے دسویں سال ۱۲۹۲ھ میں آیت من آیات اللہ اشرف اولیاء جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اسی سال دارالعلوم کا آخری جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، حضرت امام ربانی قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے اپنے دست مبارک سے حضرت تھانوی کے سر پر دستار فضیلت رکھا خوشا وہ سر کہ جس کا تاج وہ عمامہ بنا جو حضرت امام ربانی کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔

علوم قاسمیہ ورشیدیہ ویعقوبیہ ومحمودیہ سے سینہ معمور کر کے دارالعلوم دیوبند سے نکلے، دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، ساتھ ہی ساتھ قبلہ وکعبہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ کی زیارت اور بیعت کی بھی سعادت حاصل کی۔

دوسری بار چھ ماہ شیخ طریقت کی صحبت میں رہے، بیت اللہ کی مجاورت اور حرم شریف میں ذکر وشغل وعبادت کے انوار وبرکات سے کندن اور مالا مال ہوکر اور منجانب شیخ خلعت خلافت سے سرفراز ہوکر بامداد اللہ الاعلیٰ، چشتی، صابری، امدادی رنگ میں جو اس زمانہ میں صبغۃ اللہ اور حجۃ الہ فی الارض تھا، بہ تمام وکمال منصبغ ہوکر اور جمیع کمالات اوصاف باطنی سے مشرف ہوکر مراجعت فرمائے، ہندوستان ہوئے،

اور ولی اللّٰہی مکتب فکر کے تحت قاسمی ورشیدی علوم ومسلک کے سچے ترجمان بن کر ظاہر ہوئے، اور حکیم الامت ہوکر امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف السلام والتحیۃ کو امراض روحانی سے شفایاب کرنے اور دولت ظاہری وباطنی سے مالامال کرنے میں مشغول ہوگئے۔

شہر کانپور میں مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد ڈال کر چودہ برس تک علوم وفنون کی خدمت کی، پھر اس کو ترک کر کے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلا علی اللہ بیٹھ کر خلق اللہ کی ہدایت وارشاد امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مشغول ومنہمک ہوئے، کروڑوں انسانوں کی ہدایت ہوئی، آپ کے فیض عمیم سے تو آج دنیا کا گوشہ گوشہ معمور وپرنور ہو چکا ہے، قرآن وسنت، فقہ وتصوف کون ایسا فن ہے علمی وعملی، داخلی وخارجی، ملکی وملی، خانگی وبیرونی، ظاہری اور باطنی زندگی کا کون ایسا شعبہ ہے کہ جس میں ایک زبردست وافر ذخیرہ نہ مہیا کیا ہو، جن کی تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہوگئی، ایک طرف مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھ کر ہزاروں طالبان خدا اور تشنگان معرفت کی باطنی اصلاح اور اخلاق کا تزکیہ کر کے قلوب کو مصفی ومجلی کیا جو باطنی فیض سے سیراب ہوہوکر ملک اور اطراف ملک میں منتشر ہوگئے، اور آپ کے خلفاء ومریدین اور خلفاء کے خلفاء ومریدین میں اس قدر وسعت ہوئی کہ کوئی شہر وقصبہ خالی نہ رہا، اور تاہنوز فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری ہی ہے۔

تو دوسری طرف ملک کے دور نزدیک بلاد وامصار میں پہنچ کر اپنے کلمات طیبات اور مواعظ حسنہ سے گم کردہ راہوں کو دین محمدی کی دعوت دی اور ایک عالم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق اور گرویدہ بنادیا، آپ کے مواعظ وملفوظات خواہ سفر میں ہوں ے یا حضر میں قلمبند ہوکر آج بھی دہریت اور الحاد میں

گرفتار انسانوں کو مذہب اسلام کا شیدائی بنا رہے ہیں اور علمی وعملی غلطیوں کی اصلاح کررہے ہیں، آپ کے فیض یافتہ اور خلفاء اسلاف کے قائم کردہ اور خود قائم کردہ بڑے بڑے علمی چمنستانوں اور اداروں کی سرپرستی فرمارہے ہیں۔

آپ کے ہی خلفاء مثلاً حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مدرسہ اشرفیہ امرتسر جواب منتقل ہوکر نیلا گنبد لاہور ملک پاکستان میں ہے، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری خیر المدارس جالندھر جواب ملک پاکستان منتقل ہوکر ملتان شہر میں ہے حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدرسہ اشرف العلوم ٹنڈواللہ یار سندھ ملک پاکستان، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ضلع اعظم گڑھ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آباد مدرسہ وصیۃ العلوم فتحپور والہ آباد، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدرسہ دارالعلوم کراچی ملک پاکستان حضرت مولانا اطہر علی صاحب مدرسہ مشرقی پاکستان میں، حضرت مولانا ابرارالحق صاحب مدرسہ دعوۃ الحق ہردوئی۔

غرضیکہ ہندوستان وپاکستان کے تمام بڑے بڑے مدرسوں کی سرپرستی فرماکر ہزاروں تشنگان وطالبان علوم کو سیراب فرمایا اور فرمارہے ہیں۔

دوسری طرف مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھ کر مجموعی طور پر لاکھوں کروڑوں کو شرع محمدی اور دین الٰہی سے روشناس فرمایا اور فرمارہے ہیں

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی خلیفہ حضرت تھانوی کتاب ”تجدید

تصوف'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں جس کو بتغیر یسیر ذکر کیا جارہا ہے۔

ایک طرف اشخاص کی تلقین وہدایت بھی ہورہی تھی، تو دوسری طرف تدوین فن ترتیب اصول، تحقیق ومسائل، تالیف رسائل، اصل سلوک کے مضامین کو کتاب وسنت اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح وتوضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام بھی ہورہے تھے، ایک طرف خطب ومواعظ اور تقریر وتحریر کے ذریعہ عوام کے خیالات کی اصلاح کی کوشش کی جارہی تھی، دوسری طرف ردّ شبہات، دفع شکوک، رفع اوہام کے لئے پورا سلسلہ قائم تھا، اور مولانا کی ذات مقدس سالکین کی ظاہری وباطنی تربیت کی ایک ایسی درسگاہ تھی، جس میں راہ کی مشکلات کو علمی وفنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا تھا، اور ایک ایسی مسند بچھی تھی، جہاں شریعت وطریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے تھے، جہاں تفسیر وفقہ وحدیث کے ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے تھے، جو کتاب وسنت میں موجود ہیں عبودیت وبندگی کے اسرار اور اتباع سنت کے رموز بھی سکھائے جارہے تھے، جہاں جس قلم سے احکام فقہی کے فتاوے نکل رہے تھے اسی قلم سے سلوک وطریق کے مسائل بھی شائع ہورہے تھے، جس منبر سے نماز روزہ حج وزکوٰۃ کے فقہی مسائل واشگاف بیان کئے جارہے تھے اسی منبر سے سلوک وتصوف کے رموز واسرار بیان کئے جارہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مرشدی ومولائی مولانا شاہ اشرف علی علیہ الرحمہ کا انتخاب فرمایا اور وہ کام ان سے لیا گیا جو چند صدیوں سے معطل پڑا تھا۔

اس کے علاوہ زمانہ کا تقاضا تھا کہ اس کے مقتضیات نے جو نئی ضرورتیں پیدا کر رکھی ہیں، دین کی حفاظت کے لئے ان کا بندوبست بھی کردیا جائے، چنانچہ

ایک طرف کلام پاک کی تفسیر کی جلدیں تیار ہوئیں، دوسری طرف احادیث نبویہ کے نئے مجموعے ترتیب پائے، تیسری طرف فقہ وفتاویٰ کا سرمایہ جمع ہوا، چوتھی طرف علم واسرار وحقائق کی تدوین ہوئی، پانچویں گوشہ میں تصوف کے اصول جمع کئے گئے جواب تک جمع نہیں ہوئے تھے، ان میں ان کے ان احوال وکیفیت پر گفتگو کی گئی جن کے نہ سمجھنے سے بیسویں قسم کی گمراہیاں راہ پاتی ہیں، ایک اور سمت میں مولانا روم کی مثنوی کے دفتر کھولے گئے جن کے سپرد صدیوں سے حقائق ودقائق کے خزانے ہیں، عوام کی طرف توجہ کی گئی تو زندگی کی روح کا سراغ لگایا گیا، ان کی شادی اور بیاہ کے مراسم کی اصلاح کی گئی، نیک وصالح بیبیوں کے لئے بہشتی زیور کا سامان کیا گیا بچوں کے لئے ان کی تعلیم وتربیت کا سامان کیا گیا مدرسین کے قواعد وضوابط کے نقشے بنائے، داد دہش اور خرید وفروخت اور معاملات کے دینی اصول سمجھائے اور دین کی تعلیم میں شریعت کی وسعت دکھائی گئی، جس میں مسلمان کی پوری زندگی ولادت سے موت تک سماگئی عوام مسلمان رہبرں کے لئے مواعظ کی سینکڑوں مشعلیں جابجا روشن کی گئیں اور بیسیوں شہروں میں پھر پھرا کر انکو غفلت کی نیند سے چونکایا گیا، علماء فقہاء اور محققین کے لئے بوادر ونوادر اور بدائع کے سلسلہ قائم کئے گئے، مدت کی بندشدہ راہ جو ائمہ مجتہدین کی خطاؤں کے استدراک کے لئے رجوع عن الخطاء کے اعلان کی تھی وہ ''ترجیح الراجح'' کے نام سے کھولی گئی اور اپنی ہر غلطی وخطاء کا علی رؤس الاشہاد اعلان کیا گیا، تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے، تو تعلیم مسلمانوں کے شکوک وشبہات کا جواب دیا گیا، باطل فرقوں کی تردید میں رسائل لکھے گئے، اخلاق واعمال اور حقوق عباد کی وہ اہمیت ظاہر کی گئی اور ہزاروں مسلمانوں کو ان کی وہ تعلیم دی گئی جن کو مسلمان عوام کیا خواص بھی

بھلا بیٹھے تھے، اصول ضوابط اور آداب کی وہ تربیت فرمائی گئی، جو دین سے تقریباً صدیوں سے خارج کیا جاچکا تھا۔

اور پھر اپنے بعد اپنی روش پر تعلیم وتربیت کے ڈیڑھ سو کے قریب مجازین کو چھوڑا جوان کے بعد بھی ان کاموں میں مصروف ہیں اس حلقہ فیض میں علماء بھی داخل ہوئے تعلیم یافتہ بھی، عوام بھی غرباء بھی، امراء بھی، بڑے بڑے عہدہ دار بھی، زمیندار بھی، تاجر اور سوداگر بھی، اور مفلس وقلاش بھی، اس سے اس دائرہ کی وسعت کا اندازہ اب بھی کیا جاسکتا ہے۔

مدارس پر غور کیجئے، دارالعلوم دیوبند بھی، مظاہر علوم سہارنپور بھی، دارالعلوم ندوہ بھی، یہاں تک کہ پہلا علی گڑھ کالج اور موجودہ مسلم یونیورسٹی بھی اور سینکڑوں مدارس جو ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلے ہیں، جغرافیائی حیثیت سے غور کیجئے تو سرحد سے لے کر بنگال مدراس اور گجرات بلکہ حجاز افریقہ اور ان تمام ملکوں تک جہاں جہاں ہندوستان پھیلے ہیں ان کے اثرات بھی ساتھ ساتھ پھیلے ہیں راقم کو ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا مگر جہاں گیا یہ معلوم ہوا کہ وہ روشنی وہاں پہلے سے پہنچی ہوئی ہے اور کوئی نہ کوئی اس روشنی سے بحمد اللہ ضرور منور ہے۔

اس تعلیم وترتیب، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی، مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم وبدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبوی کا احیاء ہوا، غافل چونکے، سوتے جاگتے بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا، رسول کی محبت سے سینے گرمائے، اور اللہ کی یاد سے دل روشن ہوئے اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا پھر سے شبلی جنید اور بسطامی وجیلانی اور سہروردی اور سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا،

رحمہم اللہ اور یہ وہ شان تجدید تھی جو اس صدی میں مجدد وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

انھیں بزرگان ملت اور رہنمایان دین اور ناصران ملت حنفی میں استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی ثم الدہلوی کے نواسے اور اول صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، شاہ عبدالعزیز ثانی حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کے بھانجے، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی اور امام ربانی حضرت مولانا گنگوہی ہر دو کے خلیفہ سید المناظرین عالم ربانی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی ثم سہارنپوری ہیں، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں اپنے رشتے کے ماموں تلمیذ وبرادر زادہ حضرت مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی وخلیفہ حضرت مولانا گنگوہی مہتمم وصدرالمدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مظہر العلوم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی سے تعلیم حاصل فرمائی۔

پھر منگلور، ریاست بھوپال، سکندرہ، بریلی اور دارالعلوم دیوبند میں پچیس برس تک تدریس علم ونفع رسانی میں مشغول رہنے کے بعد وصال استاذ محترم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں صدرالمدرسین اور سرپرستی کے منصب جلیل پر فائز ہوئے اور اکتیس سال درس وتدریس اور خدمت حدیث رسول کی خدمت انجام دینے میں مصروف رہے اس اکتیس سالہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی صدارت ونظامت کے دور میں ایک طرف تقریباً چار سو ایسے علماء تیار کئے جو ہدایت یاب نہیں بلکہ دوسروں کو ہادی بنانے والے ہوئے۔

حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب صدر مدرس وناظم مدرسہ مظاہر علوم اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم وخلیفہ حکیم

الامت مولانا تھانوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم اور رئیس المتکلمین وسیلۃ المناظرین حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپور ناظم مدرسہ مظاہر علوم وخلیفہ حضرت تھانوی اور حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی مدرس مظاہر علوم، اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب سہارنپوری مدرس مظاہر علوم، اور خویش حضرت حکیم الامت تھانوی حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی مدرس مدرسہ مظاہر علوم وحال مدرس مدرسہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور، (پاکستان) برادرزادہ وخلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب تھانوی اور حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب مدرس ومفتی مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحب، نواسہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی، اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی، مدرسان مدرسۃ الاتیام مدینہ منورہ اور حضرت مولانا مولوی علیم اللہ صاحب ٹانڈوی مدرس مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ ضلع فیض آباد اور حضرت مولانا محمد مبین صاحب دیوبندی مدرسہ اسلامیہ انبالہ چھاؤنی. اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب، اورنگ آبادی مدرس مدرسہ وسطانیہ دکن اور حضرت مولانا سید میر جہاں شاہ صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ عدن کیمپ اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب مدرس مدرسہ اجڑارہ اور حضرت مولانا محمد حامد صاحب مدرس مدرسہ کالج پیشاور اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدرس مدرسہ ڈابھیل ضلع سورت اور حضرت مولانا محمد عادل صاحب گنگوہی مترجم حیدرآباد دکن اور حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری وغیرہ یہ سب آپ کے ہی فیض یافتہ باکمال تلامذہ ہیں اسی طرح بیعت وارشاد وافاضۂ باطنی کے ذریعہ ہزاروں کو مرید کیا، اور سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے بہت سے خلفاء چھوڑے ہیں جن میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم بھی شامل ہیں، آپ کے لگائے چمنستان علم کا فیض بلاواسطہ اور بالواسطہ پورب پچھم اتر دکھن ہر طرف پہنچا ہوا ہے ملک ہندو پاکستان کا کوئی ضلع ایسا نہیں جہاں اس مدرسہ کے فیض کی نہر جاری نہ ہو، جس کی کچھ تفصیل مدرسہ کی رودادوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

دوسری طرف صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد کی شرح بذل المجہود لکھ کر گروہ احناف کیلئے ایک گرانمایہ ذخیرہ جمع فرمایا، اور سنت کی حمایت اور بدعت کی تردید میں نادر کتاب براہین قاطعہ تصنیف فرمائی، جس میں عجیب وغریب فقہی اصول لکھ کر رہتی دنیا تک کے مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا جس کا شکریہ تا قیامت ادا نہیں ہو سکتا، ہدایات الرشید اور مطرقۃ الکرامۃ نایاب تصانیف رفض وتشیع کی تردید میں فرمائیں۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں درس وتدریس اور خدمت حدیث رسول اور تعلیم وتبلیغ میں اکتیس سال مشغول رہ کر مدینہ منورہ شرفہا اللہ کو ہجرت فرمائی اور بلدۃ الرسول میں خدمت حدیث رسول اور ہدایت وارشاد خلق اللہ میں اخیر عمر تک مشغول رہ کر وَالذّٰاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا کے مصداق ہو کر جوار رسول میں جان جان آفریں کے سپرد کر کے جنت البقیع میں نواسہ رسول سیدنا حضرت حسنؓ کے مزار مقدس کے پہلو میں جگہ حاصل کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامے سے خزاں دیدہ چمن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجاڑ اور ویران ہونے کے بعد سے اب تک کے دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں کروڑوں ایمان وعرفان اور دین علم سے رنگین اور لاکھوں معلمین ومبلغین کے روحانی اور دینی جدامجد شیخ الشیوخ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں تو

یہ حضرات موصوفین ومذکورین بمنزلۂ روحانی ودینی آباء اور پدر بزرگوار کے ہیں۔

ہم نے یہاں ان بزرگان ملت کے صرف تعلیمی وتبلیغی حیثیت کا اجمالاً ذکر کیا ہے ان حضرات کے دیگر ذاتی فضائل اور کمالات اور محاسن ومناسب کو نظر انداز کر دیا ہے جس کیلئے دفتر بھی ناکافی ہے، مفصل حالات سے واقف ہونے کیلئے تذکرہ شاہ ولی اللہ سیرت سید احمد شہید تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، سیرت اشرف اور اشرف السوانح، تاریخ دیوبند اور تاریخ مظاہر اور ارواح ثلاثہ، علمائے ہند کا شاندار ماضی وغیرہ کا مطالعہ کرو۔

ان حکماء امت، غلامان نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے مدارس اسلامیہ اور خوانق کے ذریعہ دنیا کو ملک ہندوستان میں اعجاز عیسوی کا منظر دکھلا دیا ہے، بڑے بڑے باکمال علماء ومشائخ ان مدرسوں اور خانقاہوں نے پیدا کئے۔

حضرت قاسم العلوم والخیرات کے جاری کئے ہوئے چشمہ بے پایاں سے سیراب ہو کر اس مادر علمی کے گود میں کیسے کیسے گوہر بے بہا جلوہ گر ہوئے ہیں، اس مدرسہ نے اس تھوڑی سی عمر میں اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات رکھنے والے ہزاروں علماء پیدا کئے جو کہ علمی وعملی اور روحانی واخلاقی کمالات میں یگانہ روزگار اور اپنے اپنے اقطار میں مذہبی رہنما ثابت ہوئے۔

اس دارالعلوم نے نہ صرف ہندوستان کو منور کیا بلکہ ہندوستان کے باہر مشرقی ومغربی پاکستان، یاغستان، افغانستان، روس بشمول سائبیریا چین، برما، ملائیشا، انڈونیشیا عراق، کویت، ایران، سیلون، جنوبی افریقہ، سعودی عرب، سیام، یمن کو بھی پینسٹھ ہزار سات سو ستائیس فارغ شدہ طلباء کی شعاعوں سے جگمگا دیا، ان مختلف دیار کے رہنے والے افاضل کی اجمالی فہرست ’’دارالعلوم کی صد سالہ زندگی میں اور مفصل فہرست روداد مدرسہ میں مذکور ہے دارالعلوم کی صد سالہ زندگی‘‘ سے معلوم ہوا کہ

پانچ سو چھتیس مشائخ طریقت
پانچ ہزار آٹھ سو اٹھاسی مدرسین
ایک ہزار ایک سو چونسٹھ مصنفین
ایک ہزار سات سو چوراسی مفتی
ایک ہزار پانچ سو چالیس مناظر
چھ سو چوراسی صحافی
چار ہزار دو سو اٹھاسی خطیب ومبلغ
دو سو اٹھاسی طبیب پیدا کئے
اور آٹھ ہزار نو سو چھتیس مدارس ومکات قائم کئے
دو لاکھ چوہتر ہزار دو سو پینتیس فتاوے جاری کئے

علماء دیوبند میں ایسے مشاہیر بھی ہوئے ہیں جو اپنے اپنے وقت کے امام ملت ’’علم وعمل کا نمونہ‘‘ خواص وعوام کی رشد وہدایت کا مرکز ’’روایت حدیث‘‘ رنگ تفسیر ’’فقہ ودرایت میں راسخ‘‘ اور ذاتی خدا پرستی کے ساتھ مخلوق کے حق میں مربی اخلاق ومصلح دین اور دوسرے قومی وملکی امور میں مسلمہ طور پر قائد تسلیم کئے گئے۔

پمفلٹ ’’دارالعلوم کی صد سالہ زندگی‘‘ میں اور تمثیلاً باون مشاہیر کا ذکر مع مختصر حالات کے کیا ہے، ہم اس مختصر مضمون میں ان میں سے چند کے اسماء گرامی نقل کرتے ہیں، جن کو ان حضرات کے مختصر حالات جاننے کا شوق ہو وہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی مرتب کردہ رپورٹ ’’دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ

زندگی" کو ملاحظہ کرے۔

مشاہیر میں ان مذکورۃ الصدر بزرگوں کے علاوہ چند بزرگ اور باکمال علماء یہ ہیں۔

"شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

حضرت مولانا عبداللہ صاحب انبیٹھویؒ
حضرت مولانا احمد حسین صاحب امروہوی
حضرت مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نگینویؒ
حضرت مولانا عبدالعلی صاحب دہلوی
حضرت مولانا نواب محی الدین خاں صاحبؒ
حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھویؒ
حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب عثمانیؒ
حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ
حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ابن حضرت مولانا محمد قاسمؒ
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ
حضرت مولانا حکیم عبدالوہاب صاحب [illegible] ضلع غازی آباد
حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری
حضرت مولانا نجم الدین صاحب لاہوریؒ
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری
حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحب لکھنویؒ

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ پنجاب
حضرت مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ
حضرت مولانا محمد میاں صاحب منصور انصاری مہاجر کابلؒ
حضرت مولانا ابراہیم صاحب ارویؒ
حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب محدثؒ
حضرت مولانا فضل ربی صاحبؒ
حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ
حضرت مولانا ماجد علی صاحب جونپوریؒ
حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ
حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ
حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری
حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب کابلیؒ
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادی
حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ
حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ
حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ
حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب پشاوریؒ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ
حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نبیرہ حضرت نانوتویؒ
حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مہاجر مدنیؒ
حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ
حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (پاکستان) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا سید محمد منت اللہ صاحب رحمانیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاریؒ، حضرت مولانا احسان اللہ خاں صاحب تاجور نجیب آبادی ایڈیٹر ادبی دنیا لاہور، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی، حضرت مولانا مظہر الدین بجنوری ایڈیٹر اخبار الامان دہلی، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی، مولانا شائق احمد صاحب عثمانی سابق ایڈیٹر عصر جدید کلکتہ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بجنوری، سابق ایڈیٹر منصور اور نجات بجنور وغیرہ حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ،

کثر اللہ امثالھم وسوادھم

مقدس بزرگان ملت کے پرخلوص ہاتھوں سے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کی مستحکم بنیادوں کے فیض سے آج ہزاروں مدارس ہندوپاک کے طویل وعرض میں قائم ہیں۔ اور تمام ہندوستان بوستان علم بنا ہوا ہے۔ آج بھی عرب، بخارا، افغانستان، افریقہ جاوا غرض کہ دنیا کے ہر گوشے سے طلباء ان مدرسوں

میں آتے ہیں فارغ التحصیل اور سند یافتہ ہوکر ملک کے ہر ہر گوشہ بلکہ ممالک غیر عرب، شام، ایران، افغانستان، سمرقند، بخارا، افریقہ اور مریکہ تک پہنچکر اسلامی شجر کی حفاظت وآبیاری، سچی توحید کی تعلیم، شرک وبدعت کے قلع قمع اور اپنے وعظ ونصیحت سے نفع پہنچانے میں مصروف ہیں۔ ہندو پاک اور ممالک غیر میں ان کے فیوض سے ہزاروں ہزار قائم وجاری علمی چمنستانوں کے فضلاء وکملاء کا اگر ذکر کیا جائے تو ان کی مجموعی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہوگی اور نہ یہ ممکن ہے نہ یہ مختصر اوراق اسکے متحمل ہیں۔

تاریخ شہادت، علمائے وقت کے بیانات اور اپنے مشاہدات تو یہ ہیں کہ اس ولی اللہی نسبی وروحانی علمی خانوادہ اور انکے مستفیض قدم بہ قدم چلنے والے متبعین تلامذہ خلفاء ومریدین نے جس قدر خدمت دین کی کی ہے کوئی اس کا نمونہ پیش نہیں کرسکتا۔ ان حضرات کی اگر مساعی جمیلہ نہ ہوتیں تو اس دور فتن وابتلاء میں علم دین کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کا پتہ چلنا مشکل تھا۔ ان حضرات کا وجود اللہ جل جلالہ وعم احسانہ کی طرف سے احسان عظیم ہے۔ ان حضرات کا تقدس اور تفقہ فی الدین کا شمس فی نصف النہار درخشاں اور تاباں ہے۔ یہ حضرات مقتدائے زمانہ عالم باعمل، باخدا اور اتباع سنت کے شیدائی تھے۔ ان حضرات نے دین مصطفوی کی جو خدمات انجام دی ہیں اسکے لحاظ سے تو یہ کہنا سچ ہوگا کہ انکے علاوہ دین الٰہی کا سچا خادم دوسرا کوئی گروہ ہندوستان میں نہیں۔ متبع سنت وشریعت، قاطع شرک وبدعت، دافع ظلمت ومعصیت محی سنت اور ہادی طریقت ہیں۔ نمونہ سلف صالحین سرگروہ اہلسنت والجماعت، باطل کے اصول وفروع کی بیخ کنی میں بے مثل بہادر ہیں۔ اسلامی فضا میں کون ایسا ہوگا جو نہیں جانتا کہ فی زماننایہی حضرات علماء اور انکے پیرو ٹھیک راہ راست شریعت بیضاء اور صراط

مستقیم پر چلنے والے۔ سنت نبویہ طریقہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کا جھنڈا بلند کرنے والے۔ شرک وبدعت کی ظلمت کو مٹاکر توحید وسنت کی شمع سے اسلامی دنیا کو چمکا دینے والے علوم ظاہری وباطنی کے فیوض وبرکات سے مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک تمام اہل عرب وعجم کو مالا مال کردینے والے ہیں۔ فی الواقع ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نیابت کرکے دنیا کو دکھلا دیا ہے۔ اپنی تمام عمر خدمت اسلام اور اشاعت سنت نبویہ میں صرف کردی۔ اور بلاد عالم کے گوشہ گوشہ کو علم ودین سے مالا مال کردیا۔

ان کے علمی فیوض سے دنیا کا گوشہ گوشہ سیراب ہے۔ اشاعت اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ اور اس راہ میں اپنی جان عزیز کو قربان کرنے میں پس وپیش نہیں کیا۔ ان کی وجہ سے لاکھوں کافروں نے اسلام قبول کیا۔ ہر زمانہ کی دہریت ولامذہبیت کا انکے مبارک ہاتھوں خاتمہ ہوا۔

امر بالمعروف بھی کیا اور نہی عن المنکر بھی کیا۔ انہیں کی سعی اور کوشش وخدمت کیوجہ سے ہندوستان اسلامی حیثیت سے دیگر ممالک میں مشہور ہے۔

یہ وہ کامل وزاہد ہیں کہ جنہوں نے چالیس چالیس برس تک جماعت اولیٰ اور تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے دی۔ سفر میں، حضر میں، راحت میں، مصیبت میں قیام شب اور تہجد کو ضائع نہ ہونے دیا۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتوں اور سنتوں پر عمل کیا۔ اور ادنیٰ ادنیٰ سنتوں کو اپنی زندگی میں فوت نہیں ہونے دیا۔ عرب میں عجم میں جہاں جہاں انکے شاگرد مریدین اور مخلصین ہیں۔ مسند درس وفتوٰی پر مامور ہیں۔ اور بڑے بڑے مرتبوں اور مناصب جلیلیہ دینیہ

ودنیویہ پر فائز ہیں۔ اور ان کے جانثار تخلصین کی درسگاہوں میں قال اللہ اور قال رسول اللہ کی پکار اور درس ومطالعہ ہے تو حجروں میں شغل ومراقبہ ہے۔

یہ وہ علماء حقانی ہیں جو عشق الٰہی اور عشق رسول میں مستغرق تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ اسلام کا وہ روشن چراغ تیرہ سو سال سے روشن ہوکر باطل کی تاریکیوں کو دور کر رہا ہے اور اعدائے اسلام کی آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے اس کی روشنی میں ذرا فرق نہ آنے پائے۔ یہ بزرگ اور بابرکت ہستیاں نہ ہوتیں تو کم ازکم ہندوستان اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نام لیوا اور سنت نبویہ علی صاحبہا الف الف سلام وتحیۃ اور مسلک حنفیہ سنیہ کا وجود تک نہ ملتا۔ صحیح معنوں میں وارث انبیاء ہیں انکا خادم بھی پکا اور سچا مسلمان ہے یہ حضرات خلق خدا کو سنت کی پیروی اور صحابہ کرام کی روش کی ہدایت وتلقین کرتے ہیں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین ہیں۔

یہ وہ اولیائے ربانی ہیں جو مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہہ بھی تھے اور عارف کامل بھی مسلمانان عالم کے رہبر ومقتدا اور رہبر کامل بھی، ان کے علم وفضل، بزرگی وپرہیزگاری کی مثال اس زمانہ میں نہایت کمیاب ہے۔ انکی وجہ سے ایک عالم منور ہوا۔ اور ہزارہا مخلوق نے ہدایت پائی اور گمراہی سے بچی۔ آج ہندوستان ودیگر ممالک میں جو کچھ نشر واشاعت علوم شرعیہ کی ہو رہی ہے اس میں بڑا حصہ اسی جماعت کا ہے۔ یہ حضرات دین کے ستون ہیں۔ ان کتابیں مسلمانوں کے لئے دلیل شاہراہ شریعت نبوی ہیں۔

یہی نفوس قدسیہ اسلام کے نمونے اور اسکی صحیح صورتیں ہیں۔ ان کے سینوں میں اسلام کا درد تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے محب اور تابعدار تھے۔ خلاف سنت نبویہ نہ خود کوئی کام کرتے تھے نہ کسی کو کرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ بلا خوف لومۃ لائم کلام حق فرماتے تھے۔ ان کی تصنیفات انکی سوانح حیات انکے ملفوظات انکے فتاوے اس پر شاہد عدل ہیں

قسم ہے خدا کے جاہ وجلال کی۔ یہ ہستیاں معمولی نہیں ان میں کا ہر ایک فرد اسلام کا چمکتا ہوا ستارہ ہے کہ جس کی جگمگاہٹ اور چمک سے تمام دنیا منور اور روشن ہوگئی۔ جس بدخواہ نے انکی طرف نظر اٹھائی وہ شرمندہ اور سرنگوں ہوگیا۔ ان میں کا ہر ایک اسلام کا چمکتا ہوا آفتاب ہے کہ جس کی روشنی نے سارے عالم کی گمراہی اور بدعت وضلالت کی ظلمت کو نیست ونابود کر دیا۔ اور جس کی شعاعیں اور کرنیں جس سرزمین پر پڑیں وہ زمین سراپا نور بن گئی۔ کہ ظلمت وجہالت کا نام ونشان تک باقی نہ رہا جس کفرستان میں ان کے مبارک قدم پہنچے اور جہاں بھی انکے فیض کا چھینٹا پڑا وہ کفرستان کفرستان نہیں رہ گیا وہاں اسلام کا نور پھیل گیا۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ دنیا پر انکی اسلامی خدمات روز روشن سے زیادہ واضح ہیں۔ ان کی وجہ سے بہت سے گمراہ بھٹکے ہوئے راہ یاب ہوئے۔

بہت بے دن دیندار بن گئے۔ چور چوکیدار ہوگئے۔ رہزن وڈاکو صوفی شب زندہ دار بن گئے۔ فسق وفجور میں ڈوبے ہوئے متقی اور پرہیزگار بن گئے۔ انہیں کے فیض کا صدقہ ہے کہ آج ہندوستان میں اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ ہر ہر شہر اور قصبہ اور گاؤں کی گلی گلی میں مسجدیں بنی کھڑی اور آباد نظر آ رہی ہیں۔ جدھر دیکھو ادھر سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہیں۔

اپنی پاک اور بے لوث متصوفانہ زندگی حق اور حقانیت کی ترویج اسلامی تعلیمات کی اشاعت، سُنن ہدیٰ کی تبلیغ میں ’’ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین‘‘ کے پیکر مجسم بنکر گذاردی اور ’’ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم باللتی ھی احسن‘‘ کا تجربہ اور نمونہ بنکر عمر تمام کردی۔ ان کے فیوض وبرکات سے ہر طبقہ کے انسان خواہ وہ علماء ہوں یا عوام الناس، سب یکساں فائدہ اٹھارہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شان ظاہری اور شان باطنی کے مظہر اور اسلاف کرام کا سچا نمونہ بنکر قوت علمیہ اور عملیہ میں باکمال ہوکر بالکل انہیں کے طرز پر ان بزرگان ملت نے جو دین الٰہی کتاب سنت کی خدمت کی ہے اس کے آثار حد درجہ نمایاں ہیں۔

یہ وہ انبیاء علیہم السلام کے سچے جانشین وورثاء ہیں جن کے سینوں میں بفیض نبوی تبلیغ ودعوت حق کا منجانب اللہ داعیہ اور جوش ودیعت کیا گیا۔ افاضۂ ظاہری وباطنی کیلئے نجع نفس اور حرص کا زور عطا ہوا۔ جس کی طرف ’’لعلک باخع نفسک ان لایکونو مومنین‘‘ اور ’’وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین‘‘ وغیرہ نصوص میں اشارہ ہے۔

دوسری طرف تفرید وتجرید توکل اور استغناء سے قلب معمور ہوا۔ جس کی ارشاد ربانی ’’انما تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمن‘‘ اور ’’سیذ کرمن یخشی‘‘ اور ’’امامن استغنیٰ فانت لہ تصدی‘‘ ونحوذلک نصوص مشیر ہیں۔

پس اس جماعت حقہ ولی اللہیہ نے بہ تقاضائے وصف اول الذکر ایک طرف اسلامی نونہالوں کی علمی وذہنی تربیت کے لئے پورے ملک میں مدارس ومکاتب کا جال بچھادیا۔ علوم نقلیہ وعقلیہ کی اعلیٰ تعلیم تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، معانی، منطق اور فلسفہ وغیرہ کے لئے بڑے بڑے مدارس قائم کرکے جامع علوم فاضل اور کامل علماء تیار کئے۔ چھوٹے بچوں کے لئے قرآن شریف، نماز روزہ عبادت، معاملات، اور معاشرت کی ابتدائی تعلیم کیلئے مکاتب قائم کئے۔

معمر خاص وعام مردوں اور عورتوں اور عام اہل اسلام کی مذہبی ودینی تربیت کے لئے مقامی طور پر اور ملک کے گوشے گوشے میں پہنکر مواعظ اور مذاکرہ کے جلسے منعقد کئے جن میں اسلام کی حقانیت اور عقائد کے دلائل نقلیہ وعقلیہ بیان کئے۔ اعمال کی اہمیت بتلائی۔ فضائل بیان کئے ترغیب وترہیب، تحسین وتقبیح کی، اہل باطل کے اشکالات وشبہات کے جوابات دیئے مضامین رقیقہ سے قلوب کو متاثر ونرم کیا۔ تبلیغ اسلام بھی فرمایا اور تبلیغ احکام بھی۔ امر بالمعروف بھی کیا۔ اور نہی عن المنکر بھی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، صحابہ کرام اور اولیائے عظام کے عشق ومحبت، جاں نثاری وفداکاری، فروغ دین کے لئے ان کی شفقت ودلسوزی، اور محنت وجفاکشی کے تذکرے کرکے قلوب کو نرم متاثر بے دار اور مستعد کیا لطف ومحبت کا برتاؤ کیا مالی خدمت بھی کی۔ استغناء سے بھی کام لیا۔ ہدایا وتحائف بھی قبول فرمائے۔ ’’تھادوا تحابوا‘‘ پر عمل فرمایا ڈانٹ ڈپٹ، داروگیر، زجر وتوبیخ، تہدید وتنبیہ، اور مطالبہ ومواخذہ سے بھی کام لیا۔

تصنیف وتالیف، اجراء رسائل اور تحریر کو بھی تبلیغ وتعلیم کا ذریعہ بنایا۔ حاجت مند مستفتیوں کے جواب میں فتوے ارشاد فرمائے۔ بدعات ورسومات کی اصلاح کا

بیڑا اٹھایا۔ تقریر سے تحریر سے تصنیف وتالیف سے اصلاح وتردید فرمائی۔ قرآن وحدیث سے ثابت شدہ صحیح مسلک کے مقابلے میں کوئی فتنہ اٹھا۔ خواہ وہ مرزائیت کے رنگ میں ہوا۔ خواہ رافضیت وشیعیت کے۔ ارتداد یا بدعت کے لامذہبیت کے یا الحاد دہریت کے رنگ میں پورا پورا مقابلہ فرمایا۔ مباحثے اور مناظرے فرمائے

دوسری طرف خانقاہوں میں شیخ بنکر افاضۂ باطنی میں مشغول ہوئے بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری فرمایا۔ جھاڑ پھونک دعا تعویذ کے ذریعہ بھی قوم کی خدمت کی اصلاح وہدایت کے لئے مجلسیں قائم فرمائیں۔ اذکار واشغال کی تلقین کی۔ مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھکر کتاب وسنت کے معانی تصوف وسلوک کے حقائق ودقائق، علوم ومعارف، باطن کے اسرار ورموز سے آگاہ فرمایا قلوب کا تصفیہ وتزکیہ، غیر اللہ سے تخلیہ، اور انوار ذکر سے تجلیہ فرمایا۔ اپنی بے لوث متقیانہ وپرہیزگارانہ سیرت واخلاق اور کیمیا اثر صحبت، توجہ وہمت باطنی سے عوام وخواص کو زاہد، تارک الدنیا، راغب آخرت اور صاحب نسبت بنا کر صلحاء اولیاء اور صوفیان باصفا کی جماعت تیار کی۔

اس راہ میں کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کے الفاظ ومعانی کی ظاہری وباطنی کی تعلیم وتفہیم اور تبلیغ واشاعت اور دین وایمان کی دعوت کی راہ میں ان مامورین من اللہ معلمین ومبلغین نے طرح طرح کے مصائب، انواع واقسام کے آفات کا سامنا کیا۔ کیسے کیسے طعن وتشنیع برداشت کئے۔ جان ومال کے خطرات مول لئے تن من دھن کی بازی لگائی۔ وطن عزیز کو بھی ترک کرنا پڑا۔ ہر طرح کے عیش وعشرت کو ترک کیا۔ فقر وفاقہ سے دوچار ہونا پڑا چٹنی اور روٹی، روکھی سوکھی کھا کر موٹا جھوٹا پہن کر، معمولی اور قلیل تنخواہ اور معاوضہ پر بھی محض حبۃً للہ نہایت ہی زہد وقناعت کے ساتھ

ٹوٹے ہوئے بوریا اور شکستہ چٹائی پر بیٹھ کر اللہ اور اسکے رسول کے ان دیوانوں نے امانت خداوندی دین الٰہی اور کتاب وسنت کی حفاظت کی۔ اور تبلیغ واشاعت میں ہمہ تن متوجہ ہوئے۔

بھیک مانگ کر طلباء علم دین مہمانان رسول کو علوم شرعیہ اور فنون دینیہ سے آراستہ وپیراستہ کیا۔ بالجملہ اللہ کے ان پاکباز اور جانباز بندوں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کی حفاظت اور اشاعت میں انبیائے علیہم السلام کی خلافت اور جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

اور بتقاضائے وصف ثانی الذکر بکمال توکل اور استغناء دین وعلم دین کی شرافت وعظمت کو برقرار رکھا۔ مخلوق کی خوشامد اور تصدی سے احترام فرمایا۔ دین وعلم دین کو ذلت وسُبکی سے محفوظ رکھا۔ مطلوب بننے کی کوشش کی۔ طالب بننے سے پرہیز کیا۔ نہ خواہ مخواہ کسی کے پیچھے پڑے نہ درپے ہوئے اور نہ لپٹے نہ چمٹے۔ اور اس ارشاد نبوت کے مصداق بنے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نعم الرجل الفقیه ان احتیج الیه نفع وان استغنیٰ عنه اغنیٰ نفسه. (مشکوٰۃ)

حضرت علی رضی اللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بہتر شخص وہ فقیہ فی الدین ہے کہ اگر اس کے پاس احتیاج لائی گئی (طلب ظاہر کی گئی) تو اس نے نفع پہنچایا۔ اور اگر اس سے بے پروائی برتی گئی تو اس نے بھی اپنے نفس کو بے پرواہ رکھا۔

عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال حدیث الناس کل جمعة مرة فان ابیت فمرتین فان اکثرت فثلاث مرات ولا تمل الناس هذا

القرآن ولا الفينک تاتی القوم وهم فی حديث من حديثهم فتقص عليهم فتقطع عليهم حديثهم فتملهم ولكن الفت فاذا امروک فحدثهم وهم يشتهونه الخ(رواه البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے صرف جمعہ، جمعہ کو حدیث بیان کیا کرو۔ اگر اس پر راضی نہ ہو تو ہفتے میں دو مرتبہ، اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو۔ تو ہفتے میں صرف تین مرتبہ بیان کرو۔ (اس سے زیادہ مت کرنا) ورنہ لوگ قرآن (وحدیث) سے بیزار ہو جائیں گے (اور سبب تم بنو گے) اور دیکھو خبردار ایسا کبھی مت کرنا کہ لوگ تو اپنی باتوں میں مشغول ہوں اور تم ان کے سامنے وعظ کہنا شروع کر دو۔ جس سے ان کی بات کٹ جائے (اس طرح کرنے سے) وہ بیزار ہو جائیں گے۔ (جب کبھی ایسا موقع ہو) تو تم خاموش رہا کرو۔ جب لوگ خواہش کریں تب شروع کرو۔ اور خواہش باقی ہو تبھی ختم کر دو۔

جس طرح وہ اشیاء کہ آفتاب اور ان اشیاء کے درمیان کوئی پردہ ہو تو ان اشیاء تک نور آفتاب کے پہنچانے کیلئے مصفی ومجلی آئینہ واسطہ بنجاتا ہے۔ یہ مقدس حضرات فیوضات غیبی، برکات روحانی، تحصیل سعادت وہدایت وجملہ کمالات بشریت میں حق سبحانہ اور اسکے بندوں کے درمیان واسطہ بنائے گئے اور جس طرح جب مہر منیر طلوع ہوتا ہے تو ظلمت شب دیجور بالکل معدوم اور کافور ہو جاتی ہے اور ہر جگہ نور آفتاب عالمتاب اس طرح پہنچ جاتا اور سرایت کر جاتا ہے کہ سوائے اس مکان کے کہ اس میں کوئی منفد اور روشن دان نہ ہو۔ کوئی مکان کوئی جگہ کوئی موقع اس کی روشنی سے محروم نہیں رہتا۔

اور جس طرح جب نور اور روشنی کا وجود ہوتا ہے تو از روئے قانون فطرت

کائنات کا کوئی ذی حیات بشرطیکہ حیات کی کچھ بھی رمق اس کے اندر ہو تاریکی اور ظلمت میں رہنا ہرگز گوارہ نہیں کرتا۔ اور تاریکی سے متوحش ہو کر روشنی کی طرف بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح مقبولان بارگاہ ربانی اور چشمہارے فیوض غیبی وروحانی جب عالم نورانی سے نکل کر اس عالم ظلمانی میں بامر الہی برائے ہدایت گمراہان وادئ ضلالت وتنبیہ خفتگان خواب غفلت نزول اجلال فرماتے ہیں تو ایک خاص نور ہدایت اور ضیائے برکت ان برگزیدگان عالم القدس والجروت کے ساتھ اس عالم میں آتا ہے اور ان نفوس قدسیہ کا نور نسبت مع اللہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلتا ہے۔ اور اپنی اپنی قابلیت واستعداد کے موافق تمام قلوب بنی آدم میں اسکا اثر پہنچتا ہے۔ اور کوئی اس سے محروم نہیں رہتا ہے۔ اور ظلمت معصیت وغفلت میں بھٹکتے پھرنیوالوں کو اپنے تاریکی میں رہنے کا احساس ہوتا ہے۔ اور اگر اس میں فطرت کی کچھ بھی رمق ہوتی ہے جس کی خبر **"کل مولود یولد علی الفطرۃ"** (الحدیث) میں دی گئی ہے اور خارجی اثرات کے پردے میں بالکل پوشیدہ نہیں ہوگئی ہوتی ہے تب خود بخود اور خواہ مخواہ تمام سلیم الفطرۃ دلول مین طلب حق کا جوش اور زبانوں پر طلب حق وہدایت کا خروش ظاہر ہونے لگتا ہے اور ہر شخص خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے نقائص علمی اور مفاسد علمی پر متنبہ اور خبردار ہونے کی کوشش میں لگ جاتا ہے حتی کہ اگر وہ نور الٰھی پہاڑ کے کھوہ میں عزلت نشین ہوتا ہے تو کھوج لگا لگا کر طالبین وہاں پہنچتے ہیں ہاں جو شقی ازلی اور مردہ فطرت ہی ہو تو وہ اس سعادت کی برکت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ اور بے نصیب رہتا ہے۔

چنانچہ اسی طرح ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ یہ وارثان وجانشینان انبیاء جہاں

بھی رہے تجرید وتفرید توکل واستغناء کا دامن نہ چھوڑا۔ ایک جگہ جمے رہے۔ گوشہ نشین رہے مگر مخلوق پروانہ وار اڑ اڑ کر انکی خدمت میں پہنچتی رہی۔ اور ان مامورین مین اللہ مقبولان الٰہی سے اقتباس نور کرتی رہی۔ بشرطیکہ فطرتِ الٰہی کی کچھ بھی رمق ان کے اندر رہی ہو اور ان کے نصح وموعظت کا اثر قبول کرتی رہی ان واردین وطالبین میں خواص بھی ہوتے اور عوام بھی مرد بھی عورتیں بھی، جدید تعلیم یافتہ بھی اور گنوار بھی، گویا شمع روشن تھی کہ اس پر دور ونزدیک کے تاریکی میں رہنے والے پروانے اڑ اڑ کر آ آ کر گر رہے تھے۔ گویا قوت مقناطیس تھی کہ عالم کے گوشے گوشے سے دور ونزدیک کے ذروں ذروں کو کھینچ رہی تھی۔ اور وہ مضطرب اور بیتاب ہو ہو کر دوڑے چلے آرہے تھے خفگی برداشت کرتے۔ دھکے دیئے جاتے، نکالے جاتے مگر روتے گڑگڑا کر معافی مانگتے خوشامدیں کرتے۔ پڑے رہتے اور در چھوڑ کر ہرگز نہ جاتے۔

یہ شان تھی مدرسہ کی اور یہ شان تھی خانقاہ کی اور ہے اور برابر یہ تسلسل قائم ہے درمیان مین نہ فترۃ واقع ہوئی نہ اختلال اور نہ خلاء بلکہ یوما فیوما مرتقی ومتزائد ہے۔

الغرض یہ علم اور یہ علماء یہ مدارس اور خانقاہیں خداوند جل وعلا شانہ اور اس کے پیمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش بہا امانت کے محافظ ہیں۔ یہ ناصران دین مبین اور حامیان شرع متین وارثان انبیاء علیہم السلام اس کی حفاظت وحمایت کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ امانت الٰہیہ ونبویہ کے ان قلعوں یعنی مدرسوں اور خانقاہوں کو اس مقدس جماعت نے اپنے خون جگر سے تیار کیا اور سینچا ہے اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں کیا ان مقدس خادمان اسلام کی قربانیاں رائیگاں جاسکتی ہیں۔

☆ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ☆ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما
☆ اگر گیتی سراسر باد گیرد ☆ چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

یہ شہنشاہ رب العزت جلت قدرتہ کا جلایا ہوا چراغ ہے اور خود خدائے قدوس نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہوا ہے اسکی لو کسی قانون فطرت اور الٰہی حکمت کے تقاضے سے دھیمی تو ہوسکتی ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ اس کی روشنی منتقل تو ہوسکتی ہے مگر جس طرح دو اور دو مل کر پانچ نہیں ہوسکتے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا ناممکن ہے اسی طرح اس چراغ کی روشنی کا بجھ جانا خدا کی قسم ناممکن ہے۔ چودہ سو سال سے یہ چراغ نہایت آب وتاب سے روشن ہے اور انشاء اللہ تا قیام قیامت روشن رہے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان جانشینان انبیاء نے مدارس اور خانقاہوں ہی کے ذریعہ شہر شہر قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں، گلی گلی میں تحریری بھی اور زبانی بھی کتاب وسنت کی تعلیم دی۔ اور دے رہے ہیں۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ اور اشاعت کی اور کر رہے ہیں۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کی تلقین، دہریت والحاد کو نیست ونابود کرنے اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کو فروغ دینے کی جدجہد اور کوشش کی اور کر رہے ہیں۔ خصوصی اصلاح بھی اور عمومی اصلاح بھی کی۔ اور کر رہے ہیں۔

فی الحقیقت یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام ہے اور بے شک مقدس جماعت علماء ہی کو بعد انبیاء علیہم السلام تمام جماعتوں اور مدارس اور خوانق کو تمام ذرائع تبلیغ پر فضیلت، شرف اور برتری حاصل ہے۔ **فطوبیٰ لهم ثم طوبیٰ لهم وکثر اللہ تعالیٰ سوادهم وامثالهم.**

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت محمدیہ علم اور علمائے کے علو

مرتبت رفع منزلت اور شرف وعظمت پر دال ہیں بلکہ عند العقلاء بھی افضیلت علم وعلماء مسلم ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ کرنیوالوں پر یہ مخفی نہیں کہ اللہ سبحانہ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلم وتفقہ فی الدین کی کس قدر تاکید فرمائی ہے اور اس پر کتنا زور دیا اور ابھارا ہے سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا۔

فلو لانفر من كل فرقة منهم	سوکیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے انکا ایک حصہ
طائفة ليتفقهوا في الدين	تا کہ تفقہ (دین کی سمجھ) حاصل کریں تا کہ
ولينذروا قومهم اذا رجعوا	خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں
اليهم لعلهم يحذرون.	ان کی طرف

گذشتہ رکوعات میں جہاد مین نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت تھی ممکن تھا کوئی سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمان کو نکلنا فرض عین ہے۔ اس آیت میں فرمادیا کہ نہ ہمیشہ ضروری ہے نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان ایک دم جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ مناسب یہ ہے کہ قبیلہ اور ہر قوم میں سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے۔ باقی لوگ دوسری ضروریات میں مشغول ہوں اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس جہاد کے لئے تشریف لے جارہے ہوں تو ہر قوم مین سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادثات اور واقعات میں سے گذر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کریگی۔ اور واپس اگر اپنی باقیماندہ قوم کو مزید علم وتجربہ کی بناء پر بھلے برے سے آگاہ کریگی۔ اور فرض کیجئے اگر حضور خود مدینہ میں رونق افروز رہے تو باقیماندہ لوگ جو جہاد مین نہیں گئے حضور کی خدمت سے مستفید ہوکر دین کی باتیں سیکھیں گے۔ اور مجاہدین کی غیبت میں جو وحی اور معرفت کی باتیں

سنیں گے ان سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کرینگے۔ آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں (کمال فی روح المعانی وغیرہ)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں کہ

> ہر قوم میں سے چاہئے بعضے لوگ پیغمبر کی صحبت میں رہیں تا کہ علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھائیں۔ اب پیغمبر اس دنیا میں موجود نہیں لیکن علم دین اور علماء موجود ہیں طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد بھی فرض کفایہ ہے۔ البتہ اگر کسی وقت امام کی طرح سے نفیر عام ہوجائے تو فرض عین ہوجاتا ہے تبوک میں یہی صورت تھی۔ اس لئے پیچھے رہنے والوں سے باز پرس ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ابوحیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لئے نہیں۔ طلب علم کے بارے میں ہے جہاد اور طلب علم کے آیات میں مناسبت ہے کہ دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء اور اعلاء دین ہے ایک میں تلوار سے دوسرے میں زبان وغیرہ سے (ترجمہ شیخ الہند)

تفقہ فی الدین بنفسہ وذاتہ خیر ہے۔ اور دنیا بھر کی تمام خیرات وحسنات کے حصول کا ذریعہ واحد ہے کیونکہ فقہ کے معنی ہیں۔ علوم شریعت، صلوۃ، صوم، نکاح اور معاملات غرضیکہ تمام ہی مسائل دین کا تفہم۔ اور اس کا ثمرہ ہے زہد فی الدنیا، ورع وتقویٰ، خوف وخشیت، تواضع وعبدیت اجتناب عن الشبہات اور اکثار عمل صالح وعبادت۔ لہذا فقیہ اور عالم ایک نمونہ ومثل کامل اور عنوان جمیع مکارم اور قائد اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے اسی کو حق تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں فرمایا ہے کہ

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون. اگر تم کو علم نہیں تو علم والوں سے پوچھو۔ علم حق تعالیٰ کی کمال قدرت اور بدیع صفات کی معرفت کی طرف رہنمائی

کرتا ہے جس کی وجہ سے عالم کا قلب حضرت حق کی ہیبت سے لبریز اور اجلال سے معمور ہو جاتا ہے اور اللہ سے ڈرنے والے بھی وہی ہوتے ہیں جو اللہ کی عظمت وجلال، آخرت کی بقاء ودوام اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام وہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں۔ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرے گا جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانیکا مستحق نہیں۔ اسی کو سورۂ فاطر میں ارشاد فرمایا۔

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو علم اور سمجھ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اہل علم کو بصیر اور سمیع سے تشبیہ دی اور جاہل کو اعمیٰ اور اصم یعنی اندھے اور بہرے سے۔ اور دونوں کے درمیان مساوات کی نفی فرمائی سورۂ ہود میں فرمایا۔ مثل الفرقین کالاعمیٰ والاصم والبصیر والسمیع ھل یستویان مثلاً. دونوں فریقوں کی مثال اندھے اور بہرے" اور دیکھنے اور سننے والے" جیسی ہے کیا دونوں برابر ہیں۔

سورۂ فاطر میں فرمایا

ومایستوی الاعمی والبصیر
ولا الظلمات ولاالنور
ولاالظل ولا الحرورو ما
یستوی الاحیاء ولا الاموات

اور نہیں برابر ہیں اندھا اور دیکھنے والا۔ اور نہ
برابر ہیں تاریکیاں اور نور، اور نہ برابر ہیں سایہ
اور لو۔ اور نہ برابر ہیں زندے اور مردے۔

اس آیت پاک میں حق تعالیٰ شانہ نے علم کو بینائی اور نور اور سایہ اور زندگی سے تشبیہ دی ہے اور جہل کو اندھے پن اور تاریکی اور لو، اور موت تشبیہ دی ہے۔

چنانچہ جس طرح ظل نافع اور حرور ضار برابر نہیں۔ اسیطرح احیاء بنور العلم یعنی عالم اور اللہ سے غافل قلوب والے مردے یعنی جاہل برابر نہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھی بھلا دیا۔ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کے قلوب کو مردہ کر دیا۔ لہذا نہ وہ وعظ ونصیحت سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ اللہ ورسول کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور مثل اندھے کے ہیں کہ نہ تو وہ نور علم سے روشنی حاصل کر سکے۔ اور نہ وہ نافع اور ضار سے تذکر اور عبرت حاصل کر سکے۔

برخلاف اس کے علماء ربانی انار اللہ بصائرہم کے سینے اللہ کے فضل سے کلام الٰہی کے الفاظ ومعانی کے امین ومحافظ بنے۔

سورۂ عنکبوت میں ارشاد فرمایا

بل ھو آیات بینات فی
صدور الذین اوتوا العلم

بلکہ یہ قرآن تو صاف اور روشن آیتیں ہیں
ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم دیا گیا۔

چنانچہ یہ حضرات کلام الٰہی کے نور سے مستنیر ہو کر اپنے دین کامل میں ہوئے عقل انکی تام ہوئی مکارم سے متحلی، محاسن ومحامد، مناقب وفضائل سے متصف ومتجلی ہوئے۔

سورۂ رعد میں فرمایا۔

افمن یعلم انما انزل الیک
من ربک الحق کمن ھو
اعمیٰ انما یتذکر
اولو الالباب

کیا جو علم رکھتا ہے یہ کہ جو آپ کے رب کی
طرف سے نازل کیا گیا۔ حق ہے تو وہ مثل
اس شخص کے ہے جو کہ اندھا ہے نصیحت تو
عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تذکر صرف اصحاب عقول

راجحہ اور بصائر مستنیرہ ہی حاصل کرتے ہیں۔ اور علماء کی صفت بیان فرمائی کہ یہ اصحاب عقول کاملہ ہیں۔

اللہ ''اللہ'' رب العزت کے نزدیک کیا درجہ ہے علماء کا اور کیسا شرف ہے اس مقدس جماعت کا کہ وحدانیت اور رسالت کی گواہی دینے والوں میں اپنے اور ملائکہ ابرار کے درمیان حضرات اولوالعلم کا ذکر فرمایا۔

چنانچہ سورۂ آل عمران میں فرمایا کہ

شهد الله انه لا اله الاهو والملئكة و اولو العلم.

اللہ نے گواہی دی اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ملائکہ نے دی اور علم والوں نے دی۔

چنانچہ ملائکہ ابرار کے ساتھ علماء نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ واحد ہے۔ لہٰذا انہوں نے خود بھی کامل جذبۂ عبودیت سے واحد حقیقی کے سامنے سر نیاز خم کیا۔ اخلاص کے ساتھ احکام الٰہیہ پر عمل فرمایا۔ اور اللہ کی ٹھیک ٹھیک عبادت کی اور لوگوں کو اللہ ہی کی طاعت کی دعوت دی۔ اور تمام امور میں اللہ ہی کی طرف التجا کی۔ اور اسی پر توکل کیا اور ہر آفت ومصیبت کے موقع پر صرف معبود حقیقی ہی کی پناہ چاہی۔

سورۂ رعد میں فرمایا

قل كفى بالله شهيدا بيني وبينكم ومن عنده علم الكتاب.

آپ کہہ دیجئے کہ میری رسالت کی گواہی کیلئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جسکے پاس کتاب کا علم ہے۔

چنانچہ حضرات علماء نے خود بھی رسالت کا اقرار کیا اور دوسروں کو بھی اقرار کی دعوت دی۔ خود بھی جہالت کو ترک کیا۔ اور دوسروں کی جہالت ونادانی معصیت ونافرمانی پر ملامت کی۔ اور کفار ومنکرین کے کفر وانکار پر زجر وتوبیخ فرمائی۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرات علماء کے رفع درجات اور بلندی مراتب کی خبر دیتے ہوئے سورۂ مجادلہ میں فرمایا۔

يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين اوتو العلم درجات

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوںکے اور ایمان والوں میں ان لوگوں کے (اور زیادہ) جنکو علم دین عطا ہوا ہے درجے بلند کریگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

للعلماء درجات فوق المومنين بسبعمائة درجة مابين الدرجتين مسيرة خمسا ئة عام.

علماء کیلئے مومنین کے اوپر سات سو درجے ہیں اور دو درجوں کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔

اور حضرت ابن عباس ہی سے روایت ہے فرمایا کہ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من جاء ه اجله وهو يطلب العلم لقى الله ولم يكن بينه وبين النبيين الادرجة النبوة راوه الطبرانى

(الترغيب والترهيب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو موت اس حالت میں آئے کہ وہ علم کی طلب میں ہے تو اسکے اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔ اور وہ درجۂ نبوت ہے۔

احادیث نبویہ میں علم اور اہل علم، طلب علم تعلم، تعلیم، بیوت تعلم وتعلیم، اسباب وذرائع تعلیم تصنیف وتالیف، درس وتدریس کے فضائل اس کثرت سے ہیں کہ شمار مشکل ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

العلماء ورثة الانبياء اور **علماء امتى كانبياء بنى اسرائيل** اور **اقرب الناس عن درجة النبوة اهل العلم والجهاد** اور **يشفع يوم القيامة ثلاثة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء** اور **يوزن يوم القيامة مداد العلماء بدم الشهداء** **(احیا غزالی)**

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ میری امت کے علماء مثل بنی اسرائیل کے انبیاء کے ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ درجۂ نبوت کے قریب اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔ بروز قیامت تین گروہ شفاعت کرینگے۔ انبیاء پھر علماء پھر شہداء قیامت کے دن علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون کے ساتھ تولی جائیگی۔

فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد

ایک فقیہ (عالم دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت اور بھاری ہے۔

جولوگ شیطان کے مکروفریب سے واقف نہیں ہوتے۔ شیطان آسانی سے ان کو گمراہ کرسکتا ہے۔ مگر جولوگ اس کے مکروفریب اور داؤں پیچ سے واقف ہوتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ خود گمراہ نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہی سے بچاتے ہیں۔ یہ لوگ وہی عالم ہوتے ہیں جن کے قلب ودماغ نورالٰہی کے مقدس روشنی سے منور اور انکے ذہن وفکر علم ومعرفت کی طاقت سے بھرپور ہوتے ہیں۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم

عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی تمہارے ادنیٰ درجہ کے شخص پر مجھکو ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ادنیٰ شخص پر جوفضیلت حاصل ہے اسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ عالم کو عابد پر فضیلت اور

فوقیت کس درجہ کی ہوگی

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب

عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے کہ چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔

اس حدیث پاک میں عالم اور عابد کو چاند اور ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح چودہویں کا چاند جب اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ ریز ہوکر آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی تمام مخلوق اس سے مستنیر ہوتی ہے اور اسکی روشنی ہر جگہ پہنچتی ہے جس سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے۔ مگر ستارہ خود تو اپنی جگہ روشن اور منور ہوتا ہے مگر اس کا فیضان اتنا عام نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی سب جگہ پہنچے اور سب فائدہ اٹھائیں۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فضل العالم على العابد سبعون درجة مابين كل درجتين حضر الفرس سبعين عاما وذلك لان الشيطان يدع البدعة للناس فيبصرها العالم فينهى عنها العابد مقبل على عبادة ربه لايتوجه لهاولا يعرفها

عالم کی فضیلت عابد پر ستر درجہ ہے اور ہر درجوں کے درمیان ستر برس تک گھوڑے کی دوڑنے کی مقدار ہے اور یہ اس لئے کہ شیطان لوگوں کیلئے بدعت ایجاد کرتا ہے تو عالم اپنی علمی بصیرت سے سمجھ لیتا ہے اور اس سے روکتا ہے اور عابد اپنے رب کی عبادت کی طرف متوجہ رہتا ہے نہ اس بدعت کی طرف توجہ کرتا ہے نہ اس کو پہچانتا ہے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یبعث العالم و العابد فیقال للعابد ادخل الجنة و یقال للعالم اثبت حتی تشفع للناس بما احسنت ادبھم

قیامت کے دن عالم اور عابد دونوں مبعوث کئے جائینگے تو عابد سے کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہوجا اور عالم سے کہا جائیگا کہ ابھی تو اپنی جگہ پر ٹھہرا رہ یہانتک کہ تو لوگوں کیلئے شفاعت کرے کیونکہ تو نے انکو اچھا ادب سکھلایا ہے۔

امام الحدیث محمد بن اسمٰعیل بخاری کے ہمعصر اور امام محمد بن حسن شیبانی کے تلمیذ امام ابوحفص الکبیر بخاری کی خدمت میں ایک پیرمرد آیا کرتا تھا۔ مگر پوچھتا کچھ نہ تھا۔ ایک مدت کے بعد آپنے اس سے پوچھا کہ آپ اس کثرت سے میرے پاس کس لئے آتے ہیں؟ پیرمرد نے عرض کیا کہ میں تین باتوں کیلئے آپکی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ جو آپ ہی سے میں نے سنی ہیں۔

اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

العالم و المتعلم فی الاجر سواء عالم اور متعلم اجر میں برابر ہیں۔

دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

ان مجلس العالم ینزل فیه رحمة من السماء وینادی منادی اللہ یقول انی قد غفرت ذنوبکم وبدلت سیاتکم حسنات ارجعوا مغفورین

بے شک عالم کی مجلس میں رحمت نازل ہوتی ہے آسمان سے اور اللہ کا منادی ندا کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ بیشک میں نے تمہارے گناہوں کو بخش دیا اور سیأت کو حسنات سے بدل دیا۔ تم واپس ہو اس حال میں کہ بخش دیئے گئے ہو۔

سوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"**النظر الی وجه العالم عبادة**" یعنی عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے

آپ یہ بات سنکر رو پڑے اور فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے مگر نہ مجھ جیسے عالم کے دیکھنے میں ثواب ہے نہ میرا منصب ہے۔ مگر یہ منصب یہ خلف بن ایوب جیسے عالم کو حاصل ہے۔ یہ بات سنکر پیرمرد بخارا سے بلخ آیا۔ اور خلف بن ایوب کی مجلس میں کثرت سے آنا شروع کیا۔ آخرالامر خلف نے بھی ایک دن وہی سوال کیا پیرمرد نے وہی جواب دیا۔ خلف اس بات کو سنکر زار زار روئے اور فرمایا یہ بات اسیطرح ہے مگر نہ مجھ جیسے عالم کے دیکھنے میں۔ بلکہ ابوحفص الکبیر جیسے عالم کی زیارت میں یہ ثواب ہے (مفتاح السعادۃ)

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یقول اللہ عزو جل للعلماء یوم القیامة اذا تعد علی کرسیه لفصل عباده انی لم اجعل علمی وحلمی فیکم الا وانا ارید ان اغفرلکم علی ماکان فیکم ولا ابالی

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب اپنے بندوں کے فیصلے کیلئے کرسی عدالت پر بیٹھیں گے تو علماء سے ارشاد فرمائینگے میں نے اپنا علم اور حلم جو تم میں رکھا تو محض اسلئے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو دولت تمہارے سینوں میں ہے اس کی بناء پر تم کو بخشوں اور مجھ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں (میری قدرت کے نزدیک یہ کوئی بڑا اور اہم امر نہیں ہے)

اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

يبعث الله العباديوم القيامة ثم يبعث العلماء ثم يقول يامعشر العلماء انى لم اضع علمى فيكم لعلمى بكم ولم اضع علمى فيكم لاعذبكم اذهبوا فقد غفرت لكم.

پروردگار عالم قیامت کے دن اپنے بندوں کو مبعوث فرمائینگے پھر علماء کو مبعوث فرمائینگے پھر فرمائینگے اے جماعت علماء میں نے تمہارے اندر علم رکھا تو تم کو جان کر رکھا تمہارے سینوں میں علم اسلئے نہیں ودیعت کیا کہ تم کو عذاب دوں۔ جاؤ میں نے تم کو بخش دیا"

صاحب مفتاح السعادۃ نے بحوالہ انجیل مقدس فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء سے خطاب فرمائیں گے کہ **"یامعشر العلماء ماظنكم بربكم فيقولون ظننا ان ترحمنا وتغفرلنا فيقول انى قد استودعتكم حكمتى لالشرارادته بكم بل لخير اردته بكم فادخلوانى صالحى عبادى الى جنتى برحمتى"**

اے جماعت علماء تمہارے اپنے رب کے ساتھ کیا گمان ہے؟ علماء جواب دینگے کہ اے ہمارے رب! ہمارا گمان یہ ہے کہ آپ ہم پر رحم کرینگے اور ہمارے گناہوں کو بخش دینگے جناب باری کیجانب سے ارشاد ہوگا کہ بیشک میں نے تمہارے سینوں میں اپنے علم اور حکمت کو ودیعت کیا ہے تو وہ تمہارے ساتھ کسی شر کے ارادہ سے نہیں بلکہ تمہارے ساتھ خیر ہی کا ارادہ کیا ہے پس تم میرے نیک اور صالح بندوں میں داخل ہوکر میری رحمت کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے۔

العالم افضل من الصائم القائم المجاهد واذا مات العالم ثلم فى الاسلام ثلمثه لا يسدها الا خلف منه

عالم افضل ہے ہمیشہ دن کو روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنیوالے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنیوالے سے اور عالم جب مرجاتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ پیدا ہو جاتا ہے اس رخنہ کو سوائے اسکے سچے جانشین کے کوئی بند نہیں کرسکتا۔

بعض حکماء فرماتے ہیں۔

اذا مات العالم بكاه الحوت فى الماء الطير فى الهواء ويفقد وجهه ولا ينسى ذكره

جب عالم مرجاتا ہے تو مچھلیاں پانی میں اور پرندے ہوا میں روتے ہیں۔ اور اسکے چہرہ کو تلاش کرتے ہیں۔ اور اسکے ذکر کو نہیں بھولتے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان العالم ليستغفرله من فى السموات ومن فى الارض حتى الحيتان فى الماء

بے شک عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق حتی کہ پانی میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔

اور فرمایا

اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا يارسول الله ومارياض الجنة قال مجالس العلم

جب تم جنت کی کیاریوں پر گذرو تو چرلیا کرو۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں فرمایا کہ علم کی مجلسیں۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

العلماء ورثة الانبياء لم يورثوا ديناراً ولادرهما ولكنهم ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظه، وموت العالم مصيبة لاتجبر وثلمة لاتسد. وهو نجم طمس، موت قبيلة ايسر من موت العالم(الترغيب والترهیب)

علماء انبیاء کے وارث ہیں بیشک انبیاء دینار اور دراہم کا وارث نہیں بناتے۔ لیکن یہ حضرات علم کا وارث بناتے ہیں پس جس نے علم حاصل کیا اسنے اپنا حصہ پایا۔ عالم کی موت ایسی مصیبت ہے جسکی تلافی نہیں ہوسکتی ایک ایسا رخنہ ہے جو بند نہیں ہوسکتا گویا ستارہ تھا جو ڈوب گیا ایک پورے خاندانکی موت ایک عالم کی موت سے آسان ہے۔

اورفرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم یھتدیٰ بھا فی ظلمات البر والبحر فاذا انطمست النجوم اوشک ان تضل الھداة.

(الترغيب والترهيب)

بے شک علماء کی مثال زمین میں مثل ستاروں کے ہے کہ جس سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے جب ستارے بے نور ہوجاتے اور ڈوب جاتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ لوگ صحیح راستے سے بھٹک جائیں۔

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو نجوم سے تشبیہ دی۔ کیونکہ جس طرح ستارے اپنی روشنی کے غیاہب ظلمات کوزائل کردیتے ہیں اسی طرح علماء قلوب عالمین پر علم کا نور پہنچاتے ہیں۔ اپنے نورعلم سے باطل سے حق اور فاسد سے صحیح کو ممتاز و متبین کرتے ہیں جس سے ان کے متبعین ہدایت پاتے اور انکی مخالفت کرنے والے خائب وخاسر ہوجاتے ہیں۔

”فالعلماء شموس الله المشرقة فی ارضه یزیلون الجهالة والضلال وظلمات الغواية“

پس علماء اللہ کی زمین میں اللہ کے چمکتے ہوئے آفتاب ہیں۔ جہالت اور ضلالت کودور کرتے ہیں۔ غوایت کی تاریکی کومٹاتے ہیں۔

اورفرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علماء هذه الامة رجلان!رجل آتاه الله علما فبذله للناس ولم یاخذ علیه طمعا ولم یشتربه ثمنا فذلک تستغفرله حیتان البحر ودواب البر، الطیرفی جوا السماء ورجل آتاه الله علما فبخل به عن عباد الله واخذ علیه طمعا وشری به ثمنا فذلک یلجم یوم القیامة بلجام من نار وینادی مناد هذا الذی آتاه الله علما فبخل به عن عباد الله، واخذ علیه طمعا واشتری به ثمنا وکذلک حتی یفرغ الحساب(الترغیب)

اس امت کے علماء دورجل ہیں۔ ایک تو وہ ہے کہ اللہ نے اسکو علم دیا۔ تو اس نے علم کو لوگوں کے لئے خرچ کیا اور اس علم کے ذریعہ سے نہ دنیا کی طمع کی اور نہ علم کو دنیا کے عوض بیچا تو وہ ایسا ہے کہ اسکے لئے سمندر کی مچھلیاں اور خشکی کے جانور اور جوا السماء کے پرندے استغفار کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا وہ عالم ہے کہ اللہ نے اسکو علم دیا۔ تو اللہ کے بندوں تک علم پہنچانے میں بخل کیا۔ دنیا کی طمع کی اور دنیا کے عوض میں علم کو بیچا تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائی گی۔ اور منادی کرنے والا منادی کرتا رہے گا۔ کہ یہی وہ ہے کہ اسکو اللہ نے علم دیا تو اس نے بخل کیا اللہ کے بندوں سے اور دنیا کمائی اور ایسا ہی ہوتا رہے گا یہانتک کہ حساب سے فراغت ہو۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان ارشادات نبویہ میں فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوق ہے سب کی سب عالم کی مغفرت کے لئے دعا کرتی ہے پھر اس کے بعد ساتھ ہی ساتھ بار بار الگ سے پانی کے اندر رہنے والی مچھلیوں کی تصریح ہے کہ وہ بھی اسکے لئے استغفار کرتی ہیں۔ گو زمین کی تمام مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل تھیں اس لئے بظاہر ان کو الگ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس سے دراصل عالم کی انتہائی فضیلت وعظمت کا اظہار مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ پانی کا برسنا جو رحمت خداوندی کی نشانی اور نعمت الٰہی کی علامت ہے اور دنیا کی اکثر آسانیاں وراحتیں جو اسی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور تمام خیر اور بھلائی جو اسکے علاوہ ہیں سب کی سب عالم ہی کی برکت سے ہیں۔ یہانتک کہ مچھلیوں کا پانی کے اندر زندہ رہنا جو خود قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے۔ علماء ہی کی برکت کی بناء پر ہے۔

علم اور طلب علم کی فضیلت اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

طلب العلم فريضة على كل مسلم	علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

اور فرمایا

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين	جسکے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسکو دین کا علم اور سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فضل العلم خير من فضل العبادة	علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

يا اباذر لان تغدو فتعلم آية من كتاب الله خير لك من ان تصلي مأة ركعة ولان تغدو فتعلم بابا من العلم عمل به اولم يعمل به خير لك من ان تصلي الف ركعة	اے ابوذر ضرور تو صبح کو جائے اور کتاب اللہ کی ایک آیت سیکھ لے تو یہ تیرے لئے سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور ضرور تو صبح کو جائے اور ایک باب علم کا سیکھ لے خواہ اس پر عمل کیا جائے یا عمل نہ کیا جائے تو یہ تیرے لئے ایک ہزار رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

من تعلم بابا من العلم ليعلم الناس اعطى ثواب سبعين صديقا	جو شخص علم کا ایک باب سیکھ لے تاکہ لوگوں کو تعلیم دے تو اسکو ستر صدیقوں کا ثواب دیا جائیگا

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ما من رجل تعلم كلمة او كلمتين او ثلاثا او اربعا او خمسا مما فرض الله عزوجل فيتعلمهن ويعلمهن الادخل الجنة	جس آدمی نے اللہ کی فرض کی ہوئی چیزوں میں سے ایک کلمہ یا دو یا تین چار یا پانچ کلمے سیکھے اور سکھائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لباب يتعلمه الرجل احب الي من الف ركعة تطوعاً	ایک باب (مسئلہ) آدمی سیکھے تو میرے نزدیک ایک ہزار رکعت نفل سے زیادہ محبوب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ بہتر ہے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اذا جاء الموت لطالب العلم وهو على هذه الحالة مات وهو شهيد	طالب علم کو اگر طالب علمی ہی کی حالت میں موت آجائے تو وہ شہید ہوتا ہے

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لكل شئى عماد وعماد الدين الفقه وقال ابو هريره لان اجلس ساعة فافقه احب الى من ان احى ليلة القدر وفى رواية احب الى من احيى ليلة الى الصباح	ہر شے کیلئے ایک عماد (ستون) ہے اور دین کا عماد فقہ (علم) ہے حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ضرور ایک گھڑی میں بیٹھوں اور فقہ (یعنی دقیق علم) حاصل کروں تو مجھ کو پوری لیلۃ القدر جاگ کر عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ پوری رات صبح تک جاگ کر عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

مامن خارج خرج من بيته فى طلب العلم الا وضعت له الملئكة اجنحتهار ضابمايصنع	کوئی بھی اپنے گھر سے نکلنے والا اگر علم کی طلب میں اپنے گھر سے نکلتا ہے تو ملائکہ مارے خوشی کے اپنا بازو اس کے لئے بچھا دیتے ہیں

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل اللّٰه به طريقا الى الجنة	جس شخص نے کوئی ایسا راستہ (سبب اور تدبیر) اختیار کیا کہ جس میں علم کی تلاش کر رہا ہو تو اللہ تعالی اس کیلئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

قال على القارى قيل التنوين للتعيم اذاالنكرة فى الاثبات قد تفيد العموم اى بسبب اى سبب كان من التعليم والتعلم والتصنيف ومفارقة الوطن والانفاق فيه.

یعنی طریقا میں تنوین تعیم کے لئے ہے اس لئے کہ نکرہ اثبات میں کبھی عموم کو مفید

ہوتا ہے معنی یہ ہوئے کہ کوئی بھی سبب اختیار کیا۔ خواہ تعلیم ہو یا تعلم ہو یا تصنیف ہو یا مفارقت وطن ہو یا انفاق ہو۔

محشی کہتے ہیں۔

"انفق على طالب علم او انشاء معهدا اوساعد على فهم مسئلة عويصة"

یعنی کسی طالب علم پر خرچ کیا یا مدرسہ جاری کیا۔ یا کسی مشکل مسئلہ میں مدد کی۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

من غدا الى المسجد لايريد الا ان يتعلم خيراً او يعلمهٗ كان لهٗ كاجر حاج تاما حجّتهٗ.	جو شخص صبح کو مسجد گیا اور اس کا ارادہ علم سیکھنے یا سکھانے کے اور سوا کچھ نہیں تو اس کو ایسے حاجی کے مثل اجر ملے گا جس کا حج تام ہو۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

من جاء مسجد هذا لم ياته الا لخير يتعلمه اويعلمه فهو بمنزلة المجاهدين فى سبيل الله	جو میری اس مسجد میں آیا اور اسکا ارادہ صرف علم ہی سیکھنے یا سکھانے کا ہے تو وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے مرتبہ میں ہے

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ماانتعل عبد قط ولا تخفف ولالبس ثوبا فى طلب العلم الاغفر اللّٰه له ذنوبه حيث يخطواعتبة داره	نہیں پہنا کسی بندے نے جوتا یا موزہ یا کوئی کپڑا طلب علم میں مگر یہ کہ اللہ تعالی اس کے گناہوں کو بخش دیتے ہیں جونہی وہ اپنے گھر کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل اللّٰه حتی یرجع

جو طلب علم میں نکلا وہ جب تک واپس نہ ہوگا اللہ کے راستے میں ہے

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

من غدا یرید العلم یتعلمه للّٰه فتح الله له بابا الی الجنة وفرشت له الملائکة اکنافها وصلت علیه ملائکة السموات وحیتان البحر

جو شخص اللہ کیلئے علم حاصل کرنے کے واسطے نکلے تو اللہ تعالیٰ جنت کیطرف دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اور فرشتے اس کیلئے اپنا بازو بچھا دیتے ہیں اور آسمان کے فرشتے اور سمندر اور دریا کی مچھلیاں اس کیلئے دعا کرتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

تعلمو العلم فان تعلمه للّٰه خشیة وطلبه عبادة، مذاکرته تسبیح والبحث عنه جهاد تعلیمه لمن لایعلمه صدقة بذله لاهله قربة، لانه معالم الحلال والحرام ومنار سبل اهل الجنة، وهو الانیس فی الوحشة والصاحب فی الغربة، والمحدث فی الخلوة والدلیل علی السراء والضراء، والسلاح علی الاعدا والزّین عند الاخلاء، یرفع الله به اقواما، فیجعلهم فی الخیر قادة تقتص اثارهم ویقتدیٰ بافعالهم، وینتهی الی رائیهم ترغب الملائکة فی خلتهم وباجنحتها تمسحهم ویستغفرلهم کل رطب ویابس، وحیتان البحر وهو امة وسباع البر وانعامه لان العلم حیاة القلوب من الجهل مصابیح الابصار من الظلم، یبلغ العبد بالعلم منازل الاخیار والدرجات العلیٰ فی الدنیا والاخرة، التفکر فیه یعدل الصیام ومدارسته تعدل القیام به توصل الارحام وبه یعرف الحلال والحرام وهو امام العمل والعمل تابعه یلهمه السعداء ویحرمه الاشقیاء

علم حاصل کرو۔ کیونکہ لوجہ اللہ علم کا حاصل کرنا خشیت ہے اور طلب علم عبادت ہے علم کا مذاکرہ تسبیح علم کی تلاش جہاد ہے۔ بے علموں کو علم سکھلانا صدقہ ہے مستحقوں میں علم خرچ کرنا تقرب ہے۔ اسلئے کہ علم حلال وحرام کا نشان ہے اہل جنت کے راستوں کا مینار ہے تنہائی کا مونس، مسافرت میں رفیق، خلوت میں ہم کلام ندیم، راحت ومصیبت کا بتانیوالا دشمنوں کے مقابلہ میں ہتھیار، دوستوں میں زینت اور ورنق ہے علم کے ذریعہ حق تعالیٰ قوموں کو رفعت وبلندی بخشتا ہے اور نیکی کا ایسا قدوہ اور امام ان کو بنا دیتا ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے۔ ان کی سیرت کی اقتدا کی جاتی ہے ان کے افعال کی پیروی کی جاتی ہے ایک رائے پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ملائکہ ان کی دوستی پر راغب ہوتے ہیں اور اپنے پروں سے ان کو مس کرتے ہیں ان کی مغفرت کیلئے ہر خشک وتر چیز (حتی کہ) پانی کی مچھلیاں زمین کے کیڑے مکوڑے خشکی کے چرند ودرند دعا کرتے ہیں جہل کی موت میں علم دلوں کیلئے زندگی ہے۔ تاریکی میں آنکھوں کیلئے روشنی ہے علم ہی کے ذریعہ بندے دنیا وآخرت میں اخیار کے مرتبے پاتے اور بلند درجے حاصل کرتے ہیں۔ علم میں غور وفکر روزے کے برابر ہے اور علم کی مشغولیت قیام کے ہم پلہ ہے علم ہی سے رشتے جڑتے ہیں علم ہی سے حلال وحرام کی شناخت ہوتی ہے علم عمل کا رہنما ہے اور عمل علم کا پیرو ہے۔ نصیب وروں ہی کو علم کی توفیق میسر آتی ہے اور بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اسوقت آپ مسجد میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور آپ پر سرخ چادر تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حضور کے خدمت میں علم طلب کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں

آپ نے ارشاد فرمایا

مرحبا بطالب العلم ان طالب العلم تحفه الملائكة باجنحتها ثم يركب بعضهم بعضا حتى يبلغو السماء الدنيا من محبتهم لمايطلب

مرحبا ہو طالب علم کو بیشک طالب علم کو ملائکہ اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں۔ پھر بعض فرشتے بعض پر چڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور اسلئے کہ وہ محبت کرتے ہیں اس چیز سے جسکو طالب علم کر رہا ہے۔ یعنی علم سے

صاحب مظاہر حق ص ۳۸ کتاب العلم میں فرماتے ہیں کہ

اس سلسلہ میں اتنی بات بھی ذہن میں رکھ لینی چاہئے کہ علم کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ اپنے بہت سے گوشوں پر حاوی ہے۔ اس لئے وہ حضرات جو تصنیف وتالیف اور تعلیم وتعلم میں مشغول رہتے ہیں وہ بھی دراصل طلب علم میں ہی مشغول ہوتے ہیں اس لئے ان کو بھی طلب علم اور تکمیل علم کا ثواب ملتا ہے اور وہ اسی زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

العالم والمتعلم شريكان فى الخير وسائر الناس همج لاخير فيهم

عالم اور متعلم دونوں خیر میں شریک ہیں اور بقیہ تمام لوگ ناکارے ہیں۔ ان میں کوئی خیر نہیں۔

یہی حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں۔

لان العلم مسئلة احب الى من قيام ليلة

ضرور ہے کہ میں ایک مسئلہ کا علم حاصل کروں تو میرے نزدیک پوری رات قیام سے زیادہ محبوب ہے

ابن عبدالحکم فرماتے ہیں کہ

كنت عند مالك اقرا عليه العلم فدخل وقت الظهر فجمعت الكتب لا صلى قال يا هذا ماالذى قمت اليه بافضل مماكنت فيه اذا صحت النية

میں حضرت امام مالک کی خدمت میں پڑھ رہا تھا اتنے میں ظہر کا وقت آگیا۔ میں نے نماز پڑھنے کی غرض سے کتابیں اکٹھی کرنی شروع کی۔ امام نے فرمایا اے وہ جس چیز کیلئے تو اٹھ رہا ہے یعنی نماز (مراد نفل نماز ہے) اس سے افضل نہیں ہے جس میں ابتک تو تھا یعنی علم سے بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔

طلب العلم افضل من النافلة

علم کا طلب کرنا عبادات نافلہ سے افضل ہے (مشکوۃ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چند ارشادات مبارکہ علم علماء اور تعلم کی فضیلت اور اہمیت میں ذکر کئے گئے اب چند مبارک ارشادات تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور مدرسہ درس علم ظاہری وباطنی کی فضیلت واہمیت میں بھی سننا چاہئے

مذکورۃ الصدر حدیث معاذ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ ومدارستہ تعدل القیام یعنی علم کی درس وتدریس قیام لیل کے برابر ہے۔

محشی اسکی شرح میں فرماتے ہیں

تدریس العلم یساوی فی الثواب قیام الصائم یتهجد

یعنی علم کا درس دینا ثواب میں روزہ دار کے رات کو قیام اور تہجد کے برابر ہے

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

نضر اللّٰه امرأ سمع مقالتی فحفظها ودعاها وبلغها من لم یسمعها

تروتازہ رکھے اللہ اس آدمی کو جس نے میری بات سنی پس اسکو یاد اور محفوظ کرلیا اور جس نے نہیں سنا اسکو پہنچادیا

اور فرمایا کہ

اللّٰهم ارحم خلفائی قلنا یارسول اللّٰه ومن خلفائک قال الذین یاتون من بعدی یرون احادیثی ویعلمونها الناس مامن قوم یجتمعون علی کتاب اللّٰه یتعاطونه بینهم الا کانوا اضیافا للّٰه

اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔ (راوی ابن عباس کہتے ہیں کہ) ہم لوگوں نے کہا یارسول اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو میرے بعد آئینگے اور میری احادیث کی روایت کرینگے۔ اور اسکی لوگوں کو تعلیم دینگے۔ جو قوم اور جماعت کتاب اللہ کے (الفاظ ومعانی) کے آپس میں پڑھنے پڑھانے ایک دوسرے سے اخذ کرنے کیلئے مجتمع ہوتی ہے وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں (اللہ تعالیٰ کے اکرام کے مستحق ہوتے ہیں) اور ملائکہ رحمت انکو گھیر لیتے ہیں (ان کیلئے دعاء واستغفار کرتے ہیں) جب تک کہ یہ لوگ خود نہ اٹھ جائیں۔ یا دوسری بات میں نہ

والا حفتهم الملئکة حتی یقوموا او یخوضوا فی حدیث غیره ومامن عالم یخرج فی طلب علم مخافة ان یموت او انتساخه مخافة ان یدرس الاکان کالغازی الرامح فی سبیل اللّٰه

مشغول ہوجائیں اور جو عالم بھی اس ڈر سے کہ کہیں جو اس نے علم حاصل کیا ہے وہ علم مر نہ جائے فنا نہ ہوجائے اس کا اثر نہ جاتا رہے علم طلب کرنے (اسکے دقائق میں بحث اور غور فکر کرنے کیلئے نکلا جو تعاطی اور درس تدریس سے ممکن ہے) یا اس ڈر سے کہ کہیں علم محو اور مٹ نہ جائے (لہٰذا اسکے لکھنے اور محفوظ رکھنے کیلئے مسائل علم کو نقل کرنے کیلئے نکلا (جسکو تصنیف وتالیف کہتے ہیں) تو وہ مثل اس غازی کے ہے اور مجاہد کے ہے جو فی سبیل اللہ نصرت دین کیلئے نیزہ بازی اور تیر اندازی کرتا ہے۔

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں

وناسخ العلم النافع له اجره اجر من قرأه اونسخه اوعمل به من بعده مابقی حظه والعمل به لهذا الحدیث وامثاله وناسخ غیر النافع مما یوجب الاثم علیه وزره ووزر من قرأة اونسخه اوعمل به من بعده مابقی حظه والعمل به لما تقدم من الاحادیث من سن سنة حسنة اوسیئة والله اعلم

یعنی علم کے لکھنے کو تو اس کا اجر ملیگا ہی جب تک یہ تحریر باقی رہے گی اسکے پڑھنے والوں، اسکے نقل کر کے لکھنے والوں اس پر عمل کرنے والوں سب کا ثواب اس ابتداء لکھنے والے کو بھی ملتا رہے گا اور اسی اور اس جیسی احادیث کیوجہ سے اس پر عمل ہے۔ اسطرح موجب اثم غیر نافع علم کے لکھنے والے کو تو گناہ ہوگا ہی جبتک تحریر باقی ہے اسکے پڑھنے اس سے نقل کرنے اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ اس ابتداء لکھنے والے پر بھی ہوگا

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کو کتاب میں لکھا کرو حضرت عمر سے بھی ایسا ہی مروی ہے

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

من صل علّی فی کتاب لم تزل الملٰئکة تستغفر له مادام اسمی فی ذلک الکتاب

جسنے اپنی تصنیف میں (میرے نام یا وصف) کے ذکر کے موقع پر درور لکھا (یعنی صلی اللہ علیہ وسلم لکھا) تو برابر ہمیشہ ملائکہ اس کیلئے دعا واستغفار کرتے رہتے ہیں جبتک میرا نام اس کتاب میں رہتا ہے اور درود شریف اس میں موجود رہتا ہے (اس حدیث پاک سے دینی کتاب لکھنے کا ثبوت ہوتا ہے)

محشی فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں مسلمانوں کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادت تعظیم پر ابھارنا ہیکہ جب انکے سامنے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف گذرے یا آپ کی کسی صفت کا ذکر ہو تو درود پڑھیں اور لکھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو اجلال اور احترام کے ساتھ مقرون کریں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی سیرت معطرہ میں سے کسی ذکر کے وقت صرف (ص) کا نشان بنا دینا درود کے ثواب کو کم کر دینا ہے۔

لہٰذا مؤلفین زمانہ کو اس حدیث پاک کی رو سے متنبہ ہو جانا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کا ذکر کرنا چاہئے آپ کا ذکر اللہ کی عبادت اور رب کی طاعت ہے۔ دعائے مستجابات اور قول شیریں ہے اور آپ کا ذکر قلوب کی شفا، غموم وہموم کو دور کرنے والا، باعث زوال عسیر اور موجب نزول رحمت ہے۔ بندگان خدا کیلئے موجب سعادت اور عموم برکت ہے اور باعث تکثیر خیر اور ازدیاد رزق ہے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللّٰه یتلون کتاب اللّٰه ویتدارسونه بینهم الاحفتهم الملٰئکة ونزلت علیهم السکینة وغشیتهم الرحمة وذکرهم اللّٰه فیمن عنده

جو جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتی ہے اور باہم اسکی درس وتدریس کرتی ہے تو ملائکہ رحمت اس کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور رحمت الٰہی انکو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے دربار میں رہنے والے فرشتوں میں کرتے ہیں۔

محشی فرماتے ہیں کہ

(**بیوت اللّٰه تشمل المساجد معاهد الدرس وکل امکنة طاهرة نظیفة**) یعنی بیوت اللہ مساجد اور مدارس اور ہر ایک پاک وصاف جگہ کو شامل ہے۔

اور یتلون کتاب اللہ سے مراد یہ ہے کہ "**یشرحون معناه ویفسرون کلامه ویفقهون مرامیه**" یعنی کتاب اللہ کے معنی کی تشریح کرتے ہیں اور اس کے کلام کی تفسیر کرتے ہیں اور اسکے مقاصد اور مرادات کو سمجھتے ہیں۔

اور ملا علی قاری بیوت اللہ کی تشریح میں فرماتے ہیں

"**والعدول عن المساجد الیٰ بیوت اللّٰه یشمل کل ما یبنیٰ تقربا الی اللّٰه تعالی من المساجد والمدارس والربط**" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد نہیں فرمایا بلکہ بیوت اللہ فرمایا تاکہ یہ ہر اس مکان کو شامل ہو جائے جو تقرباً الی اللہ بنایا گیا ہو مساجد ہوں یا مدارس ہو یا خانقاہ ہو۔

اور یہی ملا علی قاری (یتدارسونہ) پر لکھتے ہیں۔

التدارس قرأة بعضهم على بعض تصحيحا لالفاظه او كشفا لمعانيه ويمكن ان يكون المراد بالتدارس المدارسة المتعارفة'

یعنی تدارس کے معنی ایک کا دوسرے سے پڑھنا ہیں۔ الفاظ کے صحیح کرنے کیلئے یا معانی ظاہر اور واضح کرنے کیلئے اور تدارس سے مراد مدارسۃ متعارفہ بھی ہوسکتی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

والا أظهر انه شامل لجميع مايناط بالقرآن من التعليم والتعلم"

یعنی بہت زیادہ ظاہر ہے کہ تدارس تمام ان چیزوں کی تعلیم تعلم کو شامل ہے جو قرآن سے تعلق رکھتی ہیں

حضرت مولانا حکیم جمیل الدین بجنوریؒ فرماتے ہیں کہ

کون مسلمان نہیں جانتا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا پڑھانا عبادت ہے اس وجہ سے کہ وہ بجائے خود وحی غیر متلو ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ قرآن مجید کی شرح نبوی ہے اور حدیث شریف کا تدارس گویا بحسب المعنی قرآن مجید کا تدارس اور سراسر عبادت ہے اگر چہ بیوت اللہ کا مشہور ترجمہ مساجد کیا جاتا ہے مگر کوئی جرأت کر کے کہہ سکتا ہے کہ اگر مساجد کے علاوہ کسی اور مقام پر کتاب اللہ کا تدارس ہوگا تو وہاں رحمت اور سکینہ کا نزول نہ ہوگا۔ لہذا حسب اشتراک علت واطلاق لغت بیوت اللہ کے لغوی معنی لینا کتاب اللہ کے عزو شرف کے زیادہ مناسب ہے اور جب تدارس حدیث رسول کا حکم ویسا ہی ہے جیسا تدارس کتاب اللہ کا (کمامر) تو ہر بیت خواہ ابتداء تدارس کتاب اللہ کے لئے بنایا گیا ہو۔ یا بنے بنائے میں تدارس اختیار کرلیا ہو ضرور نزول رحمت وسکینہ کا مستحق ہوگا۔ اور درصورت موجود نہ ہونے کے اس کا بنیاد رکھنا اور بنانا ضرور مسنون اور عند اللہ مقبول ہوگا۔ انتہی

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان اللّٰـه وملئكتـه واهل السمـوات والارض حتى النـملة فى حـجرهـا حتى الـحوت ليصلون على معلم الناس الخير

بے شک اللہ اور اسکے ملائکہ اور تمام آسمان وزمین کی مخلوق حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں ضرور صلوۃ کرتے ہیں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں۔ اور غیر اللہ سے اسکے لئے طلب مغفرت ورضوان کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ان میں سے ایک عالم تھا جو اللہ تعالیٰ کا فریضہ ادا کرتا پھر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا۔ اور دوسرا شخص دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت کرتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ان دونوں میں کون افضل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

فضل هذا العالم الذى يصلى المـكتوبة ثم يجلس فيعلم الـنـاس الـخيـر عـلى العابد الـذى يـصـوم الـنهـار يقوم الليل كفضل على ادناكم

اس عالم کی جو صرف فرض نماز ادا کرتا ہے پھر بیٹھتا ہے اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اس عابد پر جو کہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر عبادت کرتا ہے فضیلت ایسی ہے جیسی فضیلت میری تم میں کے ادنیٰ شخص پر

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں

(الخیر) ای العلم والعبادة الزهد والریاضة الصبر والقناعة وامثال ذلک تدریسا او تالیفا اوغیرهما"

یعنی خیر سے مراد علم ہے اور عبادت اور زہد اور ریاضت اور صبر اور قناعت اور انہیں کے مثل دیگر امور، اور یہ تعلیم دینا خواہ درس وتدریس کی صورت میں ہو یا تصنیف وتالیف کی صورت میں یا ان کے علاوہ اور کوئی صورت ہو (جیسا کہ مدارس اور خانقاہوں میں ہوتا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

تدارس العلم ساعة من اللیل خیر من احیائها"

تدارس علم (مابین نظراء یا شیخ یا اپنے تلامذہ کے اور اسی سے ملحق کی کتاب اور تفہم کذا قال علی القاری فی المرقاۃ) ایک گھڑی پوری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ

اسی حکم میں حصول مقصد کے لئے علم کا لکھنا یعنی تصنیف وتالیف اور دینی علمی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی داخل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر گذرے تو فرمایا کہ

کلاهما علی خیر واحدهما افضل من صاحبه اما هؤلاء فیدعون الله ویرغبون الیه	دونوں خیر پر ہیں لیکن ان میں ایک (نیکی میں) دوسرے سے بہتر ہے یہ جماعت عبادت میں مصروف ہے خدا سے دعا کررہی ہے اور اسکی طرف رغبت کا اظہار کررہی ہے (یعنی حصول مقصد کیلئے) خدا کی

فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم واما هؤلاء فیتعلمون الفقه او العلم ویعلمون الجاهل افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فیهم	طرف امیدوار ہے اور حصول مقصد مشیت الٰہی پر موقوف ہے لہٰذا اگر خدا چاہے دے اور اگر نہ چاہے نہ دے لیکن یہ دوسری جماعت فقہ علم حاصل کررہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے لہٰذا یہ جماعت اس جماعت سے افضل ہے۔ اور میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان ہی میں بیٹھ گئے

گدایاں ازیں معنی خبر نیست ☆ کہ سلطان جہاں باماست امروز

حضرت عیسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔

من علم وعمل فذلک یدعیٰ عظیما فی ملکوت السموات	جس نے علم حاصل کیا اور عمل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی تو وہ ملکوت السموات میں بڑے لوگوں کیطرح پکارا جائیگا

جو شخص اپنے وطن اور شہر کو چھوڑ کر عزیز واقارب سے جدا ہو کر عیش وآرام پر لات مار کر ماں باپ کی محبتوں اور شفقتوں سے منہ پھیر کر غرضیکہ گھربار کی سب راحتیں ترک کر کے ساری ضرورتوں کو قربان کر کے حصول علم کے جذبہ سے سرشار ہو کر باہر نکلتا ہے اور تلاش علم میں راہ غربت ومسافرت پر گامزن ہوتا ہے تو وہ طالب علم ضرور مجاہد فی سبیل اللہ کا مرتبہ حاصل کرتا ہے جو ثواب خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کا ہوتا ہے وہ ثواب اس طالب علم کو ملتا ہے اس لئے کہ جس طرح ایک مجاہد سر سے کفن باندھ کر محض اس جذبہ سے میدان جنگ میں جاتا ہے کہ وہ خدا کے دین کو سربلند کرے خدا اور خدا کے رسول کے نام کا بول بالا کرے۔

اسی طرح طالب علم محض اس مقصد کیلئے علم دین حاصل کرنے کے واسطے گھر سے نکلتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو ختم کرکے اور کسر نفسی اختیار کرکے علم الٰہی کی مقدس روشنی سے ظلم وجہل کی تمام تاریکیوں کو دور کردے۔ خدا کے دین کو سربلند کرے۔ خدا کے دین کو تمام عالم میں پھیلائے اور رب العالمین جل شانہ اور سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کی حفاظت میں تن من دھن کو لگائے اور شیطان وذریات شیطان کے مکروفریب کا پردہ چاک کرکے لوگوں کو اس سے محفوظ رکھکر اعداء اللہ کو ذلیل وخوار کرے۔

لہٰذا جب تک علم حاصل کرکے گھر واپس نہیں آجاتا برابر میدان جہاد کا ثواب حاصل کرتا رہتا ہے اور جب تک علم حاصل کرکے گھر واپس آتا ہے تو اس سے بھی دنیا میں علم ومعرفت کی روشنی پھیلانے لوگوں کو تعلیم دینے اور انسانی زندگی کو علم وعمل سے کامل کرنے کیلئے ایک معلم اور مصلح کی حیثیت میں آتا ہے جس کی وجہ سے وہ وارث انبیاء کے معزز ومقدس لقب سے نوازا جاتا ہے اور تحصیل علم کے زمانہ میں اس کی اس ریاضت ومشقت، جانکاہی وپریشانی کیوجہ سے ایسی ایسی بشارتوں اور انعامات سے خدائے قدوس کیجانب سے نوازا اور سرفراز کیا جاتا ہے کہ سبحان اللہ!

فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اسکے گذرے ہوئے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں بحالت طالب علمی موت آجانے پر شہادت کا مرتبہ پاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح جو لوگ مساجد اور مدارس یا کسی اور جگہ تدارس علم میں منہمک ہوتے ہیں اور قرآن وحدیث کے علوم ومعارف سے استفادہ کرنے اور دوسروں کو علوم دینیہ

شرعیہ کے پڑھانے اور سکھانے میں مشغول ہوتے ہیں ان پر خدائے ذوالجلال والاکرام کی جانب سے بے پایاں رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان پر اللہ جل علاشانہ کی جانب سے سکینہ کا نزول ہوتا ہے ان کے اندر خاطر جمعی اور دل بستگی ودیعت فرمائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب دنیا کے عیش وعشرت راحت وآرام اور غیر اللہ کے خوف اور ڈر سے پاک وصاف ہوجاتے ہیں اور وہ ہر وقت اپنے خدا سے لو لگائے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ اور اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے قلوب نور الٰہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں فرشتے ان کی عزت اور توقیر کرتے ہیں اور فرط عقیدت ومسرت سے انکو گھیر لیتے ہیں رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں کے اندر یا زمین کے اوپر ہے یعنی جن وانس ملائکہ حتی کہ اپنے سوراخوں میں چیونٹیاں دریا اور سمندر میں رہنے والی مچھلیاں ان کے لئے دعا اور استغفار کرتی ہیں عالم کو عابد پر ایسی فضیلت دی جاتی ہے جیسی چودھویں کے چاند کو ستاروں پر، اور سرورکائنات سردار دو عالم نبی مکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ایک ادنیٰ پر، وراثت انبیاء کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوتا ہے۔ خداوند قدوس اس جماعت کا تذکرہ جو درس وتدریس میں مشغول ہوتی ہے ان فرشتوں کے درمیان کرتا ہے جو اسکے پاس ہوتے ہیں عالم کی موت ایک عالم کی موت قرار دیجاتی ہے۔ اس کی پڑھنے پڑھانے کی مشغولی نفل نماز سے بہتر! ایک گھڑی کی مشغولی پوری رات عبادت سے بہتر ہوتی ہے۔ (ہذا مستفاد من مظاہر حق وغیرہ)

اللہ اللہ! کیا ٹھکانہ ہے عظمت وفضیلت کا اس جماعت کی جو تعلیم وتربیت اور تعلّم وتادب میں مشغول ہوتی ہے۔ اور کیا انتہا ہے عظمت وفضیلت کی اس طاہر ونظیف جگہ اور مقام کی یعنی مدرسہ اور خانقاہ کی جہاں یہ مبارک اور مقدس مشاغل

اختیار کئے جاتے ہیں۔

اور کیسی اہمیت وعزت ہے رب العزت کے دربار میں۔ مدرسین اور مدارس علم وصلاح کی۔ جنکی حمایت وحفاظت وصیانت کا قانون فطرت بھی تقاضا کرتا ہے اور پروردگار عالم جل جلالہ وعز شانہ بھی حکم دیتا ہے۔

سورۂ حج میں ارشاد ربانی ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان اللّٰه علی نصرهم لقدیر الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللّٰه ولولا دفع اللّٰه الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیها اسم اللّٰه کثیرا ولینصرن اللّٰه من ینصره ان اللّٰه لقوی عزیز

حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اسواسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ لوگ جنکو نکالا انکے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اسکے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ ان لوگوں کو ایک کو دوسروں سے تو ڈھائے جاتے تکیے۔ اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مقرر مدد کرے گا اسکی جو مدد کریگا اسکی۔ بیشک اللہ زبردست ہے زور والا۔

(ترجمہ شیخ الہندؒ وشاہ عبدالقادر دہلویؒ)

اس پر تفسیری حاشیہ ہے

یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی خلاف ورزی ہوگی۔

اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے جنگ کرتی رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لیکر بدی کے مقابلے میں کھڑا نہ کرتا۔ تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بددین اور شریر لوگ جنگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا بناء علیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کیطرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر انکو دشمنان حق وصداقت پر غالب کرے۔ بلاشبہ وہ ایسا قوی زبردست ہے کہ اسکی اعانت وامداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی بڑی طاقتور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔

بہر حال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلے میں جہاد وقتال کی اجازت دینا اسی قانون قدرت کے تحت تھا۔

حضرت مولانا حکیم جمیل الدین بجنوری فرماتے ہیں

حق تعالیٰ پہلی آیت میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت دیتا ہے جس میں جان ومال دونوں کا خرچ ہے اس کے بعد قتال کے منافع بیان فرماتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قتال میں یہ منفعت ہے کہ اسکی وجہ سے عبادتگاہیں اور مدارس دینیہ ڈھا دینے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مساجد ومعابد کیطرح مدارس دینیہ بھی نہایت ضروری الوجود اور مہتم بالشان ہیں جنکے حفظ وبقاء کے لئے جان ومال لٹا دینا

ذروۂ سنام اسلام ہے اور جب مدارس دینیہ کا ڈھا دینا شعار کفر اور عنداللہ ایسا سنگین جرم ہے جس کی روک تھام کے لئے قتال فرض کیا جاتا ہے تو ان کا سنگ بنیاد رکھنا بالبداہت شعار اسلام اور مقتضائے ایمان و باعث رضائے رحمان جل وعلا شانہ ہوگا۔ گویا حق تعالیٰ اپنے دست قدرت سے مدارس دینیہ کا سنگ بنیاد رکھتا اور اسکو کانہ بنیان مرصوص بتاتا ہے۔

اسی طرح آیت مذکورہ سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہے کہ درس حدیث کے لئے مکان کو مخصوص کر لینا جس کو مدرسہ کہتے ہیں امور دینیہ اور شعار اسلام میں داخل ہے جیسے صوامع اور صلوات۔ پھر اس کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

الذین ان مکناهم فی الارض اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونهوا عن المکر

یعنی اگر ان مسلمانوں کو ہم زمین میں قوت اور حکومت دیدینگے تو یہ لوگ نماز قائم کرینگے اور زکوۃ دینگے اور امر بالمعروف کرینگے اور نہی عن المنکر کریں گے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: نہی متناول است جہاد را زیرا کہ اشد منکر کفر است، او اشد نہی قتال و متناول است اقامت حدود را و دفع مظالم را۔ و امر بمعروف متناول است احیاء علوم دینیہ را“ یعنی متناول ہے جہاد کو کیونکہ سب سے شدید منکر کفر ہے۔ اور سب سے شدید نہی قتال ہے نیز یہی متناول ہے اقامت حدود کو اور مظالم کے دفع کو اور امر بالمعروف متناول ہے احیائے علوم دینیہ کو۔

پس اے حضرات علوم دینیہ کی درس و تدریس فرض ہے اسکے لئے کتب سماویہ نازل ہوئیں۔ ہزاروں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جہاد و قتال کا اذن و حکم دیا گیا کفاری اس معاملے میں سنگ راہ ہوئے۔ قتل کیا، آگ میں ڈالا، جلایا، ایذائیں

دیں، سخت سخت تکلیفیں پہنچائیں فقر و فاقہ کا سامنا کرنا پڑا عیش و عشرت کو خیر باد کہنا پڑا مگر وہ دین حق کے متوالے خدا کے سچے بندے تعلیم سے نہ رکے پر نہ رکے اور فرض تبلیغ و تعلیم ہمت و جوش و خروش سے ادا کرتے رہے پس اسے ضروری اور مہتم بالشان اور فرض قطعی کی مداوت ہر زمانے میں اور ہر جگہ بطریق فرض کفایہ ہر شخص پر اشد ضروری ہے **”ولتکن منکم“** (الآیۃ) تدریس و تعلیم کو فرض فرماتی ہے **”فلولا نفر“** (الآیۃ) تعلّم کو فرض کرتی ہے **”یاایها الرسول بلغوا عنی ولو آیه“ ”الا فلیبلغ الشاهد الغائب“ ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“ ”انما شفاء العی السوال“** وغیرہ وغیرہ قرآن و حدیث اس مضمون سے مالا مال ہیں۔

بالجملہ درس و تدریس کے سلسلہ کو جاری رکھنا ہر زمانہ میں مسلمانوں پر واجب ہے جن خوش نصیب مسلمانون کو ایسی حکومت میسر ہو جائے جو سلسلۂ تعلیم تعلم کے ابقاء کی خود متکفل ہو۔ **”فطوبیٰ لهم ثم طوبیٰ لهم“** اور جہاں حکومت کو اسکی طرف التفات نہ ہو وہاں بطورِ خود مسلمانوں کو سلسلہ کو باقی رکھنے کا انتظام واجب ہے اور یہ موقوف ہے تعاون و تناصر پر تو یہ بھی بمقتضائے **”تعاونوا علی البر والتقویٰ“** واجب ہے اور ضروری ہے دواما۔ اور اس تعاون کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ ایک پڑھاتا ہے ایک چندہ دیتا ہے۔ ایک وصول کرتا ہے ایک جمع کر کے صحیح مصرف میں خرچ کرتا ہے **”وهلم جرا الی خدمات المدارس الاسلامیه وفقنا اللّٰه وایاکم“**

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں آیت **”کتب علیکم القتال وهو کره لکم“** کے تحت فرماتے ہیں۔

جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے ہے کہ وہ اشاعت اسلام اور ہدایت

خلق کا سبب ہے پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائیگا اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہونگی اور اس سے زائد افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے (جنکا ذریعہ مدارس اور خانقاہ ہیں)

اس لئے کہ اس میں حقیقت اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔

ظاہر ہے کہ علوم ظاہرہ و باطنہ کی تعلیم مدارس اور خانقاہ میں ہوتی ہے پس مدارس اور خانقاہ تمام نیکیوں حتی کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہیں

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات'' کے ص نمبر ۱۳ پر لکھا ہے کہ

جب مظاہر علوم کے دارالطلبہ قدیم کی تعمیر کا سلسلہ چل رہا تھا تو مدرسہ کے چندہ کی اپیل جو مظاہر علوم کے ۱۳۲۸ھ کی روداد میں حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

میں اس اشتہار کے مضمون میں موافق ہوں دارالطلبہ اس وقت باقیات صالحات کے افضل افراد سے ہے حدیث صحیح میں باقیات صالحات سے جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ او بیتا لابن السبیل بناء، اور ظاہر ہے کہ طلبہ ابن السبیل یقیناً ہیں بلکہ سب ابناء السبیل سے افضل ہیں کیونکہ یہ لوگ سبیل اللہ میں ہیں جب مطلق سبیل والوں کی اعانت میں یہ فضیلت ہے تو سبیل اللہ والوں کی خدمت میں کیا کچھ فضیلت ہوگی پھر غور کرنا چاہئے کہ سبیل اللہ کے سب افراد میں مطلقا بھی اور خصوص اس وقت میں علوم دینیہ کی سخت ضرورت ہے اور اس کی کمی سے سخت مضرتیں واقع ہیں خاص اس سبیل اللہ یعنی تحصیل و تکمیل علوم دینیہ میں سب سے زیادہ فضیلت ہے۔ پس بالضرور دارالطلبہ بنانا اس وقت اس خاص حیثیت سے سب باقیات صالحات سے افضل ہے امید ہے کہ اہل اسلام اپنی اپنی استطاعت کے موافق اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔ اور بلالحاظ قلیل وکثیر کے امداد فرمائیں گے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

العبد: اشرف علی تھانوی

بے شک حضرت مولانا اشرف علی صاحب سلمہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے نہایت مناسب اور ضروری ہے۔ العبد: عبدالرحیم عفی عنہ

مولانا اشرف علی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے حق اور صواب ہے۔

العبد: محمود عفی عنہ

اور تسہیل قصد السبیل ص ۲۹ پر فرماتے ہیں کہ

بعد حاصل ہونے نسبت باطنی کے، پڑھانے، وعظ کہنے، کتابیں تصنیف کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ بلکہ علم دین کی خدمت کرنا سب عبادتوں سے بڑھکر ہے۔

حقوق العلم ص ۱۵ پر فرماتے ہیں

اس میں تو ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں۔ دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔

حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب دامت برکاتہم اصول تبلیغ ص ۴۹ پر فرماتے ہیں۔ تبلیغ اور امر بالمعروف میں ہمارے لئے ثمرہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود رضائے حق ہے جسکا طریق عمل اور سعی ہے اور جس کو اس آیت میں حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة الآیہ۔

جس کے تین طریق ہیں حکمت کے ساتھ دعوت دینا یعنی حق کے اثبات میں دلائل پیش کرنا دوسرے خصم کے باطل دعویٰ کا مجادلہ حسنہ کے ساتھ ابطال کرنا جس کے لئے خاصے علوم کی ضرورت ہوتی ہے اور ان علوم کی تحصیل کا طریق اور انکا محل مدارس دینیہ ہیں۔ کہ بدوں ان تعلیمات تفصیلی برہانی کے بطریق حکمت جس کا حکم "**ادع الی سبیل ربک بالحکمة**" میں ہے تبلیغ ہوسکتی ہے نہ امر بالمعروف اس لئے مدارس کا وجود اور ان کا بقاء نہایت ضروری ہے کہ وہ تمام شعبہ ہائے تبلیغ کا اصل ہے۔ اور فرض کی اعانت فرض ہوتی ہے۔ "**تعاونوا علی البر**" (الآیہ) اس کی دلیل ہے۔ اس لئے مدارس عربیہ کی اعانت کہ وہ تبلیغ کا اہم شعبہ ہے حسب قدرت فرض ہے اس میں اپنے وہ بچے جو ذہین اور سمجھدار ہوں ان کو تعلیم دین میں لگانا بھی بہ نیت اشاعت دین فرض وضروری ہے اور یہ بھی منجملہ تبلیغ ہے اور والدین کے حق میں صدقہ جاریہ ہے۔

دوسرا طریق تبلیغ وامر بالمعروف موعظت حسنہ ہے اور وہ بخطاب عام علماء ہی کا حق ہے اور عالم ہونا بدوں درس وتدریس فی زماننا عادۃً ممکن نہیں۔ اس لئے بھی اس حق تبلیغ کو ادا کرنے کے لئے مدارس کا قیام، ان کی ترقی بالوجہ الاتم فرض ہے غرض یہ کہ مدارس عربیہ سے کسی وقت بھی عدم اعتناء واستغناء نہیں ہوسکتا۔

پس علماء کی ایک جماعت کثیرہ ایسی ہو کہ جو بخلوص نیت تبلیغ درس وتدریس میں جم کر مشغول رہیں۔ جس پر دلیل "**فلولا نفر**" (الآیہ) اور "**لایستطیعون ضربا فی الارض**" ہے۔

اور ص ۳۷ پر فرماتے ہیں۔

ایک جماعت کثیر کا مذہب اسلام کا علم بذریعہ درس وتدریس بزبان عربی تعمق وتبحر کے ساتھ حاصل کرتے رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ پورا علم مدلل ومبرہن مذہب اسلام عربی ہی کے اندر ہے اور تبلیغ کے لئے متردد دین اہل فلسفہ واہل سائنس اور مبتلائے اغلاط مسلمانان نیز مخالفین ومنکرین اسلام کفار ومشرکین کیلئے اپنے مذہب سے پوری واقفیت بدلائل نقلا وعقلا جواب تحقیق کیلئے ضروری ہے۔ بدوں اسطرح واقفیت کے تبلیغ ناقص بلکہ ضعیف اور غیروں میں محال ہوگی۔ اور بدوں اس نظام موجودہ بصورت مدارس عربیہ اس طرح علم کا حاصل ہونا عادۃً ناممکن ہے۔ لہٰذا مدارس عربیہ کا بقاء واستحکام اس بناء پر کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے واجب اور ضروری ہوگا۔ اور انکی اعانت لازم اور اعراض، سخت مضر اور معصیت کبیرہ کا ارتکاب ہوگا۔

دلیل پ۱۴ آخر "**ادع الی سبیل ربک بالحکمة والمواعظة الحسنة وجادلهم باللتی هی احسن**" (ترجمہ بیان القرآن) یعنی اپنے رب کی راہ (یعنی دین) کیطرف لوگوں کو علم کی باتوں کے ذریعہ سے (جن سے مقصود اثبات مدعا ہے) اور اچھی اچھی نصیحتوں کے ذریعہ (جن سے مقصود ترغیب وترہیب کہ ترقیق قلب ہوتا ہے) بلایئے (اگر بحث آپڑے تو) (ان کے ساتھ اچھے طریقے سے (کہ جس میں شدت وخشونت نہ ہو) بحث کیجئے۔ بس اتنا کام آپ کا ہے۔ تبلیغ کے بعد اصرار نہیں۔

حکمت سے مراد یہ ہے کہ اپنے مقصد کا اثبات عقلا ونقلا ہو۔ اور مجادلہ احسن سے مراد یہ ہے کہ مخالف کے دعویٰ کا ابطال خوش اسلوبی کے ساتھ ہو۔ کہ مخالف کو رنج اور کلفت نہ ہو۔ اور یہ طریق بدوں مدارس عربیہ میں تفصیلی منقولات معقولات پڑھے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور حق کا اثبات اور باطل کا ابطال اشاعت اسلام وتبلیغ حق کے لئے لازم ہے۔

لہذا مدارس عربیہ کا وجود و بقاء اور استحکام لازم۔ کہ لازم کا لازم لازم ہوتا ہے۔ پس مدارس عربیہ میں مسلمان لڑکوں کا تعلیم حاصل کرنا فرض اور انکی مالی اعانت بھی لازم اور ان سے اعراض و غفلت تبلیغ کے بہت بڑے اہم فریضہ سے غفلت اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا۔

اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قافلہ والوں یعنی وفود تبلیغ کو نصیحت کیجائے۔ کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں اعتراض نہ آنے پائے بلکہ یہ سمجھ لیں کی علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں۔ وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جبکہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں۔ اور انکی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے ان کے پاس آمد و رفت میں کمی ہے اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آپڑے ہیں۔

(ملفوظات ص ۵۵ ملفوظ ۵۴)

بہر حال اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے ربانی کے ارشادات اور تاریخ اور مشاہدہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مدارس و خوانق انسانی زندگی کے علمی و عملی، انفرادی و اجتماعی، ظاہری و باطنی، خصوصی و عمومی تمام شعبوں کی مکمل اصلاح کے لئے ضروری اور اس کے ضامن اور ذریعہ ہیں۔

ہر قسم کی خدمات اسلامیہ و دینیہ و کارکردگی کے اعتبار سے ارفع بھی ہیں اور انفع بھی اہم بھی ہیں اور اتم بھی، اعم بھی ہیں اور اعظم بھی۔ اور اعلیٰ بھی ہیں افضل بھی۔ اور برتقدیر صحت تبلیغی جماعت کا فائدہ حد درجہ ناقص اور قاصر اور بالکل نامکمل اور صرف جزوی عمومی ہونے کی وجہ سے ان اہم اور اتم اور افضل خدمات اسلامیہ سے افضل ہونا

تو دور رہا، ہم پلہ بھی ہونا مشکل ہے اور کسی طریقۂ تبلیغ کے بدعت ثابت ہوجانیکے بعد تو پھر اس کا ذکر ہی عبث ہے۔

پس یہ کہنا کیونکر درست ہے کہ۔

اس حیثیت سے کہ تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اور مدارس و خوانق کا فائدہ خصوصی ہے۔ لہذا اس کا (مروجہ تبلیغ کا) فائدہ ان دونوں سے زیادہ اہم اور اتم ہے۔

(اعتراضات و جوابات ص ۵۱)

اور یہ عمومی اور ضروری کام (مروجہ تبلیغ کا کام) بعض وجہ سے (یعنی عمومی ہونے کیوجہ سے ۱۲ ر ناقل) مدارس اور خانقاہوں سے افضل ہے۔

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۵)

اور یہ کہنا کہ کیوں غلط نہیں کہ

بغیر مدرسہ و کتاب کے (بطرز مروج جزوی اور نامکمل ۱۲ ر ناقل) زبانی دین سیکھنے اور سکھانے کی کوشش کرنا اور اپنی زندگی کو اسکے لئے وقف کر دینا یہی نبیوں والا کام ہے (یعنی سنت ہے ناقل ۱۲ ر) باقی کام (یعنی مدرسہ اور کتاب مجالس وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف وغیرہ ناقل ۱۲) ضمنا و طبعا (تبعا) عمل میں آیا۔ مگر دین سیکھنے کے (یہ مذکورہ) جو دوسرے طریقے ہیں ان کو ناجائز کہنا جائز نہیں (یعنی مباح ہیں ناقل ۱۲ ر)

(کیا تبلیغی کام ضروری ہے)

اور اہم و اتم مشاغل و خدمات دینیہ میں مشغول حضرات علمائے کرام کو جو اس جماعت تبلیغیہ مروجہ میں شریک نہیں۔ منافقین کی شان میں نازل شدہ آیت قرآنیہ کا مصداق قرار دینا اور جہنمی بتانا کہاں تک صحیح ہے۔ جیسا کہ کتاب ,,کیا

تبلیغی کام ضروری ہے'' کے ص۷۳/۹ پر ہے کہ

اب تک علماء نے اس تحریک میں پورے طور پر حصہ نہیں لیا۔ میرے خیال میں یہ اس قسم کی غلطی ہے جس کی قرآن نے نشاندہی کی ہے۔

واذا قیل له اتق الله اخذ ته العزة بالاثم.

پوری آیت یہ ہے۔ **واذاقیل له اتق الله اخذته العزة بالاثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد.** جس کا ترجمہ مع تفسیر یہ ہے کہ

(اور اس مخالفت وایذاء رسانی کے ساتھ مغرور اس درجہ ہے کہ) جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا تو خوف کر (تو اس سے نخوت کرتا ہے اور وہ) نخوت اسکو اس گناہ پر (دونا) آمادہ کر دیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری آرامگاہ ہے (بیان القرآن)

اور یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ

اس دور میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ یہی تبلیغ ہے (اعتراضات کے جوابات ص۸۹)

اور یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ

ایک تبلیغی سفر کا وہ فائدہ ہے جو مدارس اور خانقاہوں کے مہینوں کے قیام میں نہیں (کیا تبلیغی کام ضروری ہے ص۱۵ حصہ سوم)

اور یہ کہنا کہاں تک روا ہے کہ

یہ (تبلیغی جماعت) ایسا ادب اور سلیقہ پیدا کر دیتی ہے جو دینی مدارس کے طلباء اور خانقاہوں کے اہل ارادت میں کم دیکھا جاتا ہے۔

(کیا تبلیغی کام ضروری ہے ص۱۶)

اور یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ

دین کی فکر اور آخرت کی رغبت دلوں میں پیدا کرنے کے لئے تبلیغی جماعت سے بہتر کام کا اور کوئی طریقہ نہیں (ص۷۸ حصہ اول)

اور یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لئے یہ ادارے (مدارس اور خانقاہیں) کافی نہیں۔ (کیا تبلیغی کام ضروری ہے)

اور یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ

یہ جماعت...... ہدایت کے لئے ایک ایسا معجون مرکب ہے کہ اسکے بعد پھر کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ص۳۳

اور عام لوگوں کے لئے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا

اور یہ کہنا کہاں تک مناسب ہے کہ

دین پھیلانے کی کوشش (جماعت تبلیغی کے تحت) کے دوران ذکر کا ثواب گھر بیٹھے یا خانقاہ میں ذکر کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔ (ص۹۸)

میں تبلیغ (مروجہ) کو اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا اصلاح نفس

(اعتراضات کے جوابات ص۱۲۳)

اور یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ

جب انگریز سو سال پہلے آئے تو انہوں نے اپنی تمام تدبیروں سے اسلام اور اسلام کے قوانین کو مٹانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے اعتبار سے دل میں یہ بات ڈالی کہ مدارس قائم کئے جائیں چنانچہ اس وقت اکابر نے مدرسہ کے قائم کرنے پر اتنا زور لگایا کہ ہر ہر مقام اور ہر ہر جگہ پر مدارس قائم

کئے۔ دارالعلوم (دیوبند) اور سہارنپور میں مظاہر علوم۔ امروہہ میں مدرسہ شاہی اور دہلی کے آس پاس میں یہ تمام مدارس اسی زمانے کے قائم کردہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مدد تھی کہ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دین میں پوری پوری کامیابی دی۔ ورنہ چونکہ وہ دور انگریزی حکومت کا تھا اس لئے وہ دین کو پورا ڈبونے کی فکر اور کوشش میں تھے۔ لیکن پوری طرح وہ کامیاب نہ ہوسکے چونکہ ان کے پاس حکومت تھی۔ مال و دولت تھی اس لئے اگرچہ بزرگان دین کی محنت کیوجہ سے پوری طرح قابو نہ پاسکے۔ لیکن سو سال کے بعد نوجوانوں کے مزاجوں کو مسخ ضرور کردیا۔ رفتہ رفتہ ہمارے نوجوان اور جاہل سب متاثر ہوگئے جس کے اثرات آج بھی نظر آرہے ہیں۔ اور یہ اثرات دن بدن بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ اور حالات بدلتے جارہے ہیں۔ اس مرض کا علاج اب سو سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس تبلیغ (تبلیغی جماعت) سے کیا ہے۔ اللہ جل شانہ کے علاج سستی قدردانی یہ ہے کہ ہم اس علاج کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں۔

(ص ۱۳۹ کیا تبلیغی کام ضروری ہے)

مقام غور ہے کہ انگریز ہندوستان میں سو سال تک حاکم رہے اور ۵۷ھ میں انگریزوں کے مکمل اقتدار کے ٹھیک دس سال بعد انگریزوں کے اسلام اور قوانین اسلام کو مٹانے کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور و دیگر مدارس کی بنیاد پڑی اور اس وقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ ہر وقت کے اعتبار سے۔ کیونکہ خیر القرون سے لیکر آج تک مدارس ہی اسلام کی بقاء و تحفظ کے ضامن رہے ہیں۔ جیسا کہ اوپر مدارس کے تسلسل و توارث کا ذکر کیا گیا ہے۔ حکومت انگریزی کے متوازی مدارس بھی اپنا کام کرتے رہے۔ سو سال بعد انگریز چلے بھی گئے لیکن مدارس باقی ہیں۔ نہ صرف مدارس مذکورہ بلکہ ان کے فیض و برکت سے ملک

ہندوستان میں مدارس کا جال بچھ گیا ہے۔ اور یوما فیوما ان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔

گو اس مضمون میں اس بات کا اعتراف بھی ہے کہ ''یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مدد تھی کہ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دین میں پوری کامیابی دی'' مگر کہا یہ جارہا ہے کہ انگریزوں نے سو سال بعد نوجوانوں کے مزاجوں کو مسخ ضرور کردیا۔ اور نوجوان اور اہل سب متاثر ہوگئے اور یہ اثرات دن بدن بڑھتے جارہے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کامیابی کا ذکر طفل تسلی کے لئے ہے یا واقعی پوری کامیابی ہوئی۔ لیکن وہ صرف چند گھنٹوں یا دنوں تک رہی۔ اس لئے کہ آگے ارشاد ہے کہ اب اس مرض کا علاج سو سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس تبلیغی جماعت سے کیا ہے۔ اللہ جل شانہ کے اس علاج کی قدردانی یہ ہے کہ اس علاج کیطرف ہمہ تن متوجہ ہوجائیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مدارس اب اسکے علاج میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ لہذا وہ بیکار، بے فیض، بے اثر، اور غیر مفید ہیں۔ اب ہمہ تن تبلیغی جماعت کیطرف متوجہ ہوجانا چاہئے۔

اس کے بعد اب مشاہدہ اور تاریخ ''خصوصا تاریخ دیوبند'' خصوص در خصوص دارالعلوم کی زندگی کی صد سالہ اس رپورٹ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ دارالعلوم اور اسکے فیض سے جاری ہونے والے ہزاروں مدارس اور بزرگان دین کی محنتوں سے انگریزوں کی لائی ہوئی لامذہبیت اور دہریت اور ہر قسم کی جہالتوں اور گمراہیوں کا خاتمہ ہوا۔ اور ملک ہندوستان نور علم و دین سے جگمگا اٹھا

اور یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ

کیا یہ بات) یعنی اجتماع) انکے (یعنی تبلیغی جماعت) کے دینی درد اور فکر کی نشاندہی بھی نہیں کرتی۔ آرام دہ کمرے میں بیٹھ کر علم و استدلال کی زبان میں گفتگو کرلینا یا کوئی تحقیقی یا تنقیدی، تعمیری یا تخریبی مضمون مرتب کرلینا اور بات

ہے۔ اور آرام و آسائش کو دین کے نام پر خیر باد کہکر گاؤں گاؤں، قریہ قریہ مارے مارے پھرنا اور بات ہے۔ (ماہنامہ نظام جدید کانپور۔ فروری ۹۷ء)

اور حقائق سے اغماض اور ہدایت کا انکار کرتے ہوئے یہ اشتعال انگیز بات کہنا کہاں تک سچ ہے کہ آج صلحاء موجود تھے علماء موجود تھے اصلاح کیلئے بزرگانِ دین موجود تھے۔ جن مسائل کیضرورت سامنے آتی ان مسائل کو بتلانے کے لئے مفتیان دین بھی موجود تھے۔ دینی علوم کے حاصل کرنے کے لئے مدارس عربیہ بھی موجود تھے لیکن اگر کوئی چیز نہیں تھی تو وہ یہی تھی کہ عوام کا ان حضرات سے تعلق نہ تھا۔ مدارس کی کمی نہ تھی لیکن عوام اپنے بچوں کو مدارس میں بھیجکر ملا بنانے کے لئے تیار نہ تھے۔ صلحاء موجود تھے۔ لیکن کوئی علماء کی قدر منزلت کرنے والے نہ تھے مفتیان دین بھی موجود تھے لیکن کوئی بھی اپنی زندگی میں ضروری آنے والے مسائل کو پوچھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ سب اپنے آپ کو آزاد سمجھتے تھے اور سب دین کے اعتبار سے آزاد تھے۔ خدائے پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی سے بالکل آزاد تھے۔ ہر جگہ آزادی اور مغربی ذہنیت نے ان کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اگر مذہب اسلام اور خدا اور رسول کی پابندی کا شوق کسی نے پیدا کیا ہے تو وہ یہی تبلیغی جماعت ہے، اس تبلیغی جماعت کے وجہ سے آج مدارس کی پوچھ گچھ ہوئی صلحاء کی ضرورت محسوس کی گئی اپنی زندگیوں کو پابندی سے گذارنے کے لئے مسائل کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اور اسی جماعت کی بدولت علماء کی بھی قدر و منزلت ہوئی اور عوام نے اپنے بچوں کو بجائے دنیاوی علوم پڑھانے کے مدارس اسلامیہ میں پڑھا کر ملا بنانے میں بڑا فخر محسوس کیا۔ (کتاب کیا تبلیغی کام ضروری ہے ص ۳۵)

اے یارو! ذرا انصاف کرو، کیا یہ سچ ہے؟ کیا بداہت اور مشاہدہ کا انکار نہیں

ہے؟ کیا یہ تاریخ کے ساتھ خیانت نہیں ہے؟ کیا دیوبند کا دارالعلوم، سہارنپور کا مظاہر علوم، مرادآباد کا مدرسہ قاسمیہ شاہی، امروہہ کا مدرسہ جامعہ عربیہ، دہلی کا مدرسہ امینیہ و فتحپوری، کانپور کا جامع العلوم۔ لکھنؤ کا دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالمبلغین، مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ کے دارالعلوم اور مفتاح العلوم، مبارک پور ضلع اعظم گڈھ کا احیاء العلوم و دیگر سینکڑوں بڑے بڑے اور ہزاروں چھوٹے ملک میں پھیلے ہوئے مدرسے خالی پڑے ہوئے تھے؟

صرف انکی دیواریں کھڑی تھیں۔ اندر ہو کا عالم تھا؟ جب تبلیغی جماعت آئی ہے تب ان مدرسوں میں طلباء آئے ہیں۔ مفتیان عظام ایسے ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ کوئی فتویٰ پوچھنے والا نہ تھا۔ جب تبلیغی جماعت آئی ہے تب فتویٰ دینے کی نوبت آئی ہے۔ خانقاہیں بالکل ویران اور سنسان پڑی تھیں جب تبلیغی جماعت آئی ہے تب مرید لوگ آئے ہیں۔

مقدس بزرگان ملت وربانی وحقانی حضرات علماء دین کا خلوص کچھ کام نہ آیا۔ انکی للّٰہیت و دلسوزی، محنت و مشقت، شبانہ روز کی خدمات و مساعی کا کچھ اثر نہ ہوا

دارالعلوم دیوبند کے پینسٹھ ہزار مستفیدین میں سے سات ہزار چار سو سترہ فضلاء پانچ سو چھتیس مشائخ طریقت ایک ہزار ایک سو چونسٹھ مصنفین، ایک ہزار سات سو چوراسی مفتی ایک ہزار پانسو چالیس مناظر، چار ہزار دو سو اٹھاسی خطیب و مبلغ اور دو لاکھ انہتر ہزار دو سو پندرہ فتاووں کا اجراء، اسی طرح مظاہر علوم کے چھتیس ہزار مستفیدین میں تین ہزار آٹھ سو اکتالیس فضلاء اور اٹھہتر ہزار چوراسی فتاووں کا اجراء افسانہ اور غلط وعادی ہیں۔ ان مدرسوں کی کارکردگی کی صدسالہ رپورٹ کی تفصیل

جھوٹ کا پلندہ ہے یا پھر ان کا وجود اور عدم برابر تھا۔ سب بیچارے کس مپرسی اور بے بسی کے عالم میں اتنی طویل مدت تک پڑے رہے نہ ان سے کوئی پڑھنے والا تھا۔ نہ فتویٰ پوچھنے والا نہ کوئی ان کا وعظ سننے والا تھا یا صرف چند گھنٹوں تک انکا اثر محدود رہا۔ اور ہو ہوا کر ختم ہو گیا۔

ان کی پوچھ گچھ تبلیغی جماعت کی بدولت ہوئی۔ اور مولانا الیاس صاحب جو مدرسہ اور علم کی طرف آئے وہ بھی اسی جماعت کیوجہ سے شیخ الحدیث آئے تو اسی جماعت کیوجہ سے۔ انکے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا گنگوہی حضرت حاجی صاحب اور مولانا تھانوی اسیطرح اس زمانے کے اور ان حضرات کے پہلے اور بعد کے ہزاروں علماء و مشائخ مدرسوں میں سب اسی جماعت کیوجہ سے آئے یہ سب کام صرف ایک نوزائیدہ جماعت تبلیغی کی چند دنوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ بھلا اس جھوٹ کی کوئی حد ہے؟ کیا یہ ناواقف اور سادہ لوح عوام کی آنکھ میں دھول جھونکنا نہیں ہے؟

تنہا حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پورے ملک کے لاکھوں کا مستفید ہونا، سینکڑوں کا خلفاء ہونا، دور و نزدیک پہنچ کر اپنے مواعظ حسنہ سے عوام و خواص کو مستفید کرنا۔ اسیطرح حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا فیض عام ہونا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت سے مریدوں اور خلفاء کا چھوڑنا ابھی کل کی بات ہے۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت رائے پوری اور حضرت تھانوی کے خلفاء حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ پھر انکے خلفاء کے فیوض و برکات سے مجموعی طور پر لاکھوں لاکھ کا مستفیض ہونا تو آج ہی کی بات ہے۔ دار العلوم دیوبند کے مستقل بیسیوں مبلغین اور مناظرین اور غیر مستقل مناظرین مثلاً رئیس المناظرین حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ، امام المناظرین حضرت امام اہلسنت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی۔ سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کا وجادلہم بالتی ہی احسن کا چربہ اور نمونہ بنکر مناظرہ کرنا اور بہت سے واعظین و مقررین کا شہر شہر قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں پہنچکر وعظ تقریر کرنا اور پورے ملک میں جلسوں کا ہونا کسی سے مخفی ہے؟ جس کے نتیجہ میں کروڑوں عوام کی علمی و عملی اصلاح ہونا، شرک و بدعت سے تائب ہونا، تعزیہ داری وغیرہ کو ترک کر دینا۔ نمازیوں اور روزہ داروں کی تعداد کا بڑھ جانا بکثرت مسجدوں کا بنجانا بالکل ظاہر نہیں ہے۔ جس کی تفصیل اوپر کیجا چکی ہے اور محتاج بیان نہیں۔

تو یہ کیسے مان لیا جائے کہ مدرسین اور مدارس اور خانقاہوں اور علماء و مشائخ نے کچھ نہیں کیا۔ بس جو کچھ کیا تبلیغی جماعت نے کیا۔

کیا یہ مدارس اور خانقاہوں اور علماء و مشائخ کی کوششوں کو حرف غلط کیطرح مٹانے کی کوشش نہیں ہے۔ اور علماء اور علماء کی کوششوں کی تنقیص و تحقیر، تنفر و تنفیر، اور انکی کوششوں کو بے وقعت کر کے دلوں سے عظمت نکال دینے کی باتیں نہیں ہیں۔

> عوام کے متمد علیہ (جماعت کے افراد نہیں) ذمہ داروں کی تصنیفات میں جب علماء اور علماء کی کوششوں اور مدارس اور خانقاہوں کے بے وقعت اور حقیر بنا دینے اور اسکے مقابلے میں تبلیغی جماعت کی افضلیت اور برتری باور کرانے کی باتیں لوگ پڑھیں گے اور انہیں کتابوں میں ان کو محدود کر دیا جائیگا اور مدت دراز تک

اسی کی تبلیغ کی جائیگی اور اسی قسم کی باتوں کے سننے اور سنانے کی مشق کرائی جائیگی تو کیا عوام کے دلوں میں علماء اور علماء کی کوششوں مدارس اور خانقاہوں کی وقعت اور عظمت باقی رہ جائیگی؟ چنانچہ اس کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا۔ اور عوام اور جہلاء عام طور پر علماء اور مدارس اور خانقاہوں پر آزادی کے ساتھ تنقید اور اعتراض کرنے لگے۔ تنقیص وتحقیر کے کلمات ان کی زبانوں پر آنے لگے۔ مختلف انداز سے علماء کرام اور مدارس کا استخفاف کرنے لگے خود علماء کی فتویٰ تقریریں سننے سے اعراض اور انکی تقریروں کا سبکی کے ساتھ ذکر کرنے لگے۔ انکے مواعظ وتذکرہ سے گریز اور مخالفانہ رویہ اختیار کرنے لگے۔

اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلی تمنا اور اہم مقصد کے خلاف باوجود حضرت کی بہت زیادہ تاکید وتنبیہ کے جو کہ حضرت موصوف کے ملفوظات سے ظاہر ہے علماء مشائخ سے بے تعلق اور کٹ کر علیحدہ ہونے لگے گویا جماعت میں شرکت علماء ومشائخ سے رفض کے ہم معنی ہوگئی۔

☆ ہر کو مرید سید گیسو دراز شد ☆ واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

خود حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اعتراف فرمایا کہ

یہ اعتراض بھی بہت کثرت سے آرہا ہے کہ تبلیغ والے علماء کی اہانت کرتے ہیں۔ (اعتراضات وجوابات ص ۲۳)

جماعت کے جاہل مقررین اور حامی اپنی اجتماعی تقریروں اور نجی مجلسوں میں اور عام گفتگوؤں میں کہنے لگے کہ علماء ذہنی عیاشی میں مبتلا ہیں۔ یا اللہ ان مدرسوں اور خانقاہوں کو تباہ کردے جیسے انہوں نے دین کو تباہ کیا ہے خدا برا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے دین کو مدرسوں اور خانقاہوں میں محدود کردیا ہے۔ ہمیں کہنے دیجئے کہ علماء قصور کر رہے ہیں یہ دین کے کام کے لئے نہیں نکلتے ملازمتوں

کا بہانہ بناتے ہیں۔ ان کو خدا پر بھروسہ نہیں۔ جب ان علماء کو باہر نکلنے کی دعوت دیجاتی ہے تو انکو حقوق یاد آنے لگتے ہیں۔ یہ علماء ومشائخ لوگوں کو رہبانیت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ان علماء سے مدرسہ میں بچے پڑھوالو۔ فتوے حاصل کرلو۔ تقریریں رات بھر کرالو مگر انبیاء علیہم السلام کا جو کام ہے گھر چھوڑ کر چلے لگانا تو یہ ان کے بس کا روگ ہی نہیں۔ کام ہم کر رہے ہیں۔ ہم امیر ہوتے ہیں۔ علماء ہمارے بستر ڈھونڈتے ہیں۔ علماء تبلیغی جماعت کی ترقی دیکھ کر حسد میں مرے جا رہے ہیں۔ علماء درحقیقت اپنی پوجا کرانا چاہتے ہیں علما بس پیٹ پال رہے ہیں انڈے اور پراٹھے میں مست ہیں ان کا کام یہ ہے صدقہ، خیرات، زکوۃ چندہ مانگ مانگ کر مدرسوں میں بیٹھ کر حرام کھائیں۔ علماء سوچتے ہیں کہ اگر جماعت کامیاب ہوگئی اور عوام لوگ اس میں شریک ہوگئے تو ہماری خدمت کرنے والے کم ہوجائیں گے۔ علماء سے تو تبلیغی جماعت ہزار درجہ بہتر ہے اپنا کھاتے ہیں۔ اپنے کرایہ سے آتے ہیں۔ علماء کو سواری چاہئے کرایہ چاہئے عمدہ عمدہ کھانا چاہئے۔ ان کی نازبرداری کیجئے۔ تبلیغی جماعت درحقیقت علماء ومبلغین کے منہ پر طمانچہ ہے جو تبلیغ دین کے لئے فرسٹ کلاس سے کم پر سفر نہیں کرتے (یہ تعریض حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند پر ہے) خانقاہوں میں کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ خانقاہیں ویران ہیں۔ ان میں کتے لوٹ رہے ہیں۔ ان میں باہم اختلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔

غوث الاعظم حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ کے زمانہ میں غالبا کچھ اسی قسم کی صورتیں رونما ہوئی ہونگی، جنکی وجہ سے متاثر اور منفعل ہوکر سیدنا غوث الاعظم نے حضرات علماء کا دفاع فرماتے ہوئے نہایت جلال آمیز انداز میں مدرسہ معمورہ میں یوم جمعہ ۷/ ذی القعدہ ۵۴۵ھ میں بوقت صبح جلسۂ وعظ میں فرمایا۔

یامنافق طهر الله عزوجل الارض منک امایکفیک نفاتک حتی تغتاب العلماء والاولیاء والصالحین تاکل لحومهم. انت واخوانک المنافقون مثلک عن قریب یاکل الدیدان السنتکم ولحومکم وتقطعکم وتمزتکم والارض تضحکم فتسحقکم وتقلبکم فلاح لمن لایحسن ظنه لِلّٰهِ عزوجل وبعباده الصالحین ویتواضع لهم لم لاتتواضع لهم وهم الروساء الامراء من انت بالاضافة الیهم. الحق عزوجل قد سلم الحل والربط الیهم. بهم تمطر السماء وتنبت الارض کل الخلق رعیتهم. کل واحد

اے منافق! اللہ جل جلالہ زمین کو تجھ سے پاک کرے کیا تجھکو تیرا انفاق کافی نہیں ہوتا کہ علماء صلحاء اور اولیاء کی غیبت کر کے انکا گوشت کھاتا ہے تو اور تجھ جیسے تیرے منافق بھائی عنقریب کیڑوں کی غذا بنیں گے جو تمہاری زبانوں اور گوشت کو کھالیں گے اور تم سب کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کردینگے اور زمین تم کو بھینچے گی پس تم کو پیس دے گی اور الٹ پلٹ کریگی جو شخص اللہ جل جلالہ اور اسکے نیک بندوں کے ساتھ اچھا گمان نہیں رکھتا اور انکے سامنے جھکتا نہیں اس کو فلاح نصیب نہیں ہوتی تو ان کے سامنے تواضع کیوں نہیں کرتا حالانکہ وہ تمام اہل دنیا کے سردار اور لشکر رعیت کے امیر ہیں تجھ کو ان سے نسبت ہی کیا۔ حق تعالیٰ نے باندھنا اور کھولنا ان کے حوالے کیا ہے انکی بدولت آسمان بارش برساتا ہے اور زمین روئیدگی لاتی ہے۔ اور ساری مخلوق ان کی رعایا ہے۔ ان میں ہر شخص استقلال واستقامت میں پہاڑ کیطرح ہے کہ اسکو

کالجبل لانزعزعه ولاتحرکه ریاح الافات والمصائب لایتزعزعون من امکنة توحیدهم ورضاهم عن مولاهم عزوجل طالبین لانفسهم ویغرهم، توبوا الی اللّٰه عزوجل واعتذروا الیه اعترفوا بذنوبکم بینکم وبینه وتضرعوا بین یدیه الیش بین ایدیکم لوعرفتم لکنتم علی غیر ماانتم علیه تاربو بین یدی الحق عزوجل کما کان یتاوب من سبقکم انتم مخانیث ونساء بالاضافة الیهم شجاعتکم عند ماتامرکم به نفوسکم واهو یتکم وطباعکم الشجاعة فی الدین تکون فی قضاء

آفات ومصائب کی آندھیاں نہ ہلا سکتی ہیں نہ جنبش دے سکتی ہیں۔ وہ اپنی توحید کے مقام سے ہلنے بھی نہیں اور نہ اپنے اور دوسروں کیلئے اپنے مولیٰ کی خوشنودی کے طلبگار بننے سے ہٹتے ہیں۔ تو یہ کہ واللہ کی جناب میں اور معذرت کرو اور اقرار کرو اپنے گناہوں کا اپنے اور ا۔ کے درمیان خلوت میں۔ اور اسکے حضور میں گڑگڑاؤ دیکھو تمہارے سامنے کیا ہے اگر تم کو معرفت ہوتی تو ضرور تم اسکے خلاف دوسری حالت پر ہوتے جس پر آج ہو، باادب بنو۔ حق تعالیٰ کے سامنے جیسا کہ تمہارے اسلاف باادب رہتے تھے تم انکے مقابلے میں ہجڑے اور عورتیں ہو۔ پس تمہاری بہادری انہیں باتوں میں ہے جن کا تمہارے نفس اور تمہاری خواہشات نفسانیہ اور تمہاری طبیعتیں تم کو حکم دیتی ہیں۔ حالانکہ شجاعت دین میں اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں ہوا کرتی ہے حکماء اور علماء کے کلام کو حقیر مت سمجھو کہ ان کا کلام دوا ہے

حقوق الحق عزوجل لاتستهينوا بكلمات الحكما والعلماء فان كلامهم دواء وكلماتهم ثمرة وحي الله عزوجل ليس بينكم نبي موجود بصورة حتى تتبعوه فاذا اتبعتم لمتبعين للنبي صلى الله عليه وسلم المحققين في اتباعه فكانما قد اتبعوه واذا رائيتموه فكانكم قد رائيتموه اصحبوا العلماء المتقين فان صحبتكم لهم بركة عليكم ولاتصحبوا العلماء الذين لا يعلمون لعلمهم فان صحبتكم لهم ثئوم عليكم اذا اصبحت من هو اكبر منك في التقوىٰ والعلم كانت صحبتك لهٗ بركة عليك واذا اصحبت

اور انکے کلمات حق تعالیٰ کی وحی کا ثمرہ ہیں آج تمہارے درمیان صورۃ نبی موجود نہیں ہیں کہ تم انکا اتباع کرو مگر جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کرنے والوں اور آپ کے حقیقی فرمانبرداروں کا اتباع کروگے تو گویا تم نے نبی ہی کا اتباع کیا۔ اور جب ان کو دیکھا تو گویا نبی ہی کو دیکھ لیا پرہیزگار علماء کی صحبت اختیار کرو کہ تمہارا ان کی صحبت اختیار کرنا تمہارے لئے برکت ہے اور ان علماء کی صحبت مت اختیار کرو جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے کہ تمہارا انکی صحبت اختیار کرنا تم پر نحوست ہے جب تو اس کی صحبت اختیار کریگا جو تجھ سے تقویٰ اور علم میں بڑا ہے تو یہ صحبت تیرے لئے برکت ہوگی اور جب تو ایسے کی صحبت اختیار کریگا جو تجھ سے عمر میں بڑا ہے۔ مگر نہ اسکے پاس تقویٰ ہے نہ علم تو یہ صحبت تیرے لئے منحوس ہوگی عمل کر اللہ جل جلالہ کیلئے

من هو اكبر منك في السن لاتقوى له ولاعلم له كانت صحبتك له شئوم عليك اعمل لله عزوجل ولاتعمل يغيره اترك له ولا تترك لغيره العمل كفر والترك لغيره رياء من لا يعرف هذا يعمل غير هذا في هوس عنقريب ياتي الموت يقطع هوسك

اور نہ عمل کر غیر اللہ کے لئے اللہ ہی کے لئے ترک کر۔ غیر اللہ کے لئے ترک نہ کر کیونکہ غیر اللہ کے لئے کوئی نیک عمل کرنا کفر ہے۔ اور غیر اللہ کے لئے کسی گناہ کا ترک کرنا ریاء ہے جو شخص اس سے واقف نہ ہو اور اسکے سوا دوسری صورت کرے وہ مبتلائے ہوس ہے اور عنقریب موت آئیگی اور تیرے ہوس کو کاٹ ڈالیگی۔

اللہ کی شان ہے چند دن چلہ لگا کر پندار میں مبتلا عامی اور کندۂ ناتراش جاہل اور دین کی کامل ومکمل خدمت انجام دینے والے ربانی علماء کو عیب لگادیں اور انکو قصوروار بتادیں۔

لقد عیر الطائی بالبخل ماور ☆ وعیر قسابالفهامة باقل

مادر (بخیل) حاتم جیسے سخی کو بخل کا عیب لگائے اور مشہور زمانہ زیرک ودانا قس (فصیح) کو باقل (ناقص البیان) عیب لگائے۔

وطاولت الارض السماء سفاهة ☆ وفاخرت الشهب الحصى الجنادل

اور زمین از راہ بیوقوفی آسمان کے مقابلے میں زبان درازی کرتے ہوئے اپنے کو بڑا سمجھے اور جنگل کی ٹھیکریاں اور سنگریزے شہاب پر بڑائی چاہیں۔

قال السهاء للشمس انت خفيّة ☆ وقال الدجی لونک حائل

آسمان کا ایک بہت چھوٹا اور بہت مدھم روشنی والا ستارہ سہا سورج سے کہنے

لگے کہ تو چھپا ہوا ہے اور بہت کم روشنی رکھتا ہے۔

اور تاریکی شب سفیدۂ صبح سے کہنا شروع کرے کہ تیرا رنگ بہت سیاہ ہے۔

فیا موت زران الحیواۃ ذمیمۃ☆ ویانفس جدی ان دھرک ھازل

تو اے موت! تو اب زیارت کر (آجا) کیونکہ زندگی بری ہوگئی ہے۔ اور اے نفس درست رہ، کیونکہ زمانہ مسخرہ پن کر رہا ہے۔

فی الواقع جس زمانہ میں

بے خردے چند زخود بے خبر☆ خردہ گرفتند بر اہل ہنر

کا معاملہ ہونے لگے۔ ناکس اور بے ہنر لوگ اہل کرم اور ہنرمندوں پر بڑائی چاہنے لگیں۔ اور دون اور کم ظرف، بلند اور عالی ظرفوں پر تفوق ظاہر کرنے لگیں تو ایسے زمانہ میں آدمی زندگی سے موت کو بہتر سمجھنے لگتا ہے۔

سچ کہا شاعر نے

اذا التحق الاسافل بالاعالی☆ فقد طابت منادمۃ المنایا

جیسا کہ حدیث جبریل میں علامات قیامت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد رسول **"یتطاولون البنیان"** یعنی اہل بادیہ فاقہ مست بکری چرانے والے بلند بلند عمارتیں بنانے لگیں گے۔ کے تحت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں۔

فھو اشارۃ الی تغلب الاراذل	یہ ارشاد ہے اس طرف کہ اراذل غالب ہو
وتذلل الاشراف وتولی	جائیں گے اور اشراف ذلیل ہو جائیں گے
الریاسۃ من لا یستحقھا	اور ریاست کے متولی وہ ہو جائیں گے جو
والمعنی ان اھل البادیۃ	اس کے مستحق نہ ہوں گے معنی یہ کہ یہ جاہل

یتکبرون علی العباد	دیہاتی اور جنگلی عباد وزہاد پر تکبر اور فخر
والزھاد وحاصل الکلام ان	کرینگے اور حاصل کلام یہ کہ نظام دنیا کا یہ
انقلاب الدنیا من النظام	انقلاب بہ بانگ بلند یہ اعلان کریگا کہ یہ
یوزن بان لایناسب فیھا	دنیا اب عقلاء کرام کے نزدیک رہنے کے
القیام فلا عیش الا عیش	لائق نہیں ہے۔ بس آخرت ہی کی زندگی
الآخرۃ عند العقلاء الکرام	زندگی ہے۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جن بزرگوں کی ذوات مقدسہ مجسم تبلیغ ہوں۔ اتباع سنت کی سچی تصویر ہوں۔ شریعت مطہرہ کے چربہ نمونہ ہوں۔ جنکی خواب و بیداری، محیا و ممات نشست و برخاست، رفتار رگفتار، وضع قطع، غرضیکہ جملہ حرکات وسکنات قدوہ اور نمونہ بنانے کے قابل ہو۔ جنکی پوری زندگی چلہ، تبلیغ میں گذری ہو۔ یہ تین دن کے مروجہ چلہ لگانے والے جاہل ان پڑھ بزرگوں کو قصوروار ٹھہرائیں۔

چنانچہ ایک ایسے ہی صاحب نے بڑے جوش وخروش اور غصے سے کہا کہ مولانا وصی اللہ صاحب الہ آبادی اور مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی سے قیامت کے دن سخت باز پرس ہوگی۔

پوچھا گیا کہ کس جرم کے پاداش میں؟

تو کہنے لگے کہ

اسلئے کہ ان لوگوں نے جماعت کے ساتھ ایک چلہ بھی نہیں دیا۔

ایک مسجد میں جماعت والوں نے کئی مدرسوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاکر اجتماع کیا۔ اور بعد نماز فجر ان بچوں کو التحیات اور دعائے قنوت وغیرہ سنا سنایا اور

اور مشق کرایا اس کے بعد نعرہ بازی شروع ہوئی۔

معلم صاحب فرماتے کہ

التحیات کہاں سے سیکھا؟ لڑکے بولتے کہ چلت پھرت کی زندگی سے وہ کہتے قنوت کہاں سے سیکھا؟ لڑکے بولتے چلت پھرت کی زندگی سے اسیطرح ہر ہر دعا کے بارے میں وہ پوچھتے۔ اور لڑکے جواب دیتے چلت پھرت کی زندگی سے

اس کے بعد پوچھتے کہ

فلاں چیز مدرسے میں سیکھا؟ لڑکے بولتے، بالکل نہیں بالکل نہیں اور ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

اے صاحبو یہ سب کیا ہے۔ یہ کیسا دین ہے، اور کیسی سمجھ ہے کہ جس شاخ پر بیٹھے ہیں اسی کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ یکے بر سر شاخ و بن می برید۔ کے مصداق ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی منظم سازش اور سوچا سمجھا منصوبہ ہے کہ جس طرح اغیار اول اسلام کی بنیادی امور اور اولین رواۃ پر تنقیدیں کر کے اسلام کی ان بنیادوں کو مشکوک اور مجروح کر کے عوام کے دلوں میں شک و ریب۔ استخفاف و بے وقعتی اور توحش و نفرت پیدا کرتے ہیں۔ پھر اپنے خود ساختہ معتقدات کے فضائل و فوائد مبالغہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس طرح متاثر کر کے نہایت آسانی سے شکار کر لیتے ہیں اسی طرح یہ جماعت تبلیغی بھی اور کہیں اپنی تبلیغی تقریروں اور سفروں میں نہ صرف یہ کہ عوام کو تلقین نہیں کرتے کہ اپنے بچوں کو مدرسہ میں بھیجو اور تعلیم دلاؤ، اور خود اپنے مقامی یا دوسرے علمائے حقانی سے ملو اور فیض حاصل کرو اور مشائخ سے رابطہ پیدا کرو، بلکہ اپنی جماعت مدارس و خوانق کی مدمقابل بنا کر چلتا پھرتا مدرسہ اور چلتی پھرتی خانقاہ سے تعبیر کر کے اسلام کے بنیادی ارکان یعنی علماء اور مشائخ پر تنقید کرتے، معائب اور نقائص بیان کرتے اور ان سے دعوت الی اللہ کی بالکل نفی کرتے اور صرف اپنی ہی جماعت کے داعی الی اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے چلتا پھرتا مدرسہ اور چلتی پھرتی خانقاہ باور کرا کر اس میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔

پھر اس کی فضیلت بیان کرنے کا نمبر آتا ہے تو اگر یہ جماعت ان کے نزدیک اچھی تھی تو اس کی فضیلت بیان کرتے۔ اس کی خوبی اور اسکا فائدہ بیان کرتے نہیں بلکہ اسکی فضیلت بیان کرنے میں مدارس اور خانقاہوں سے تقابل بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کے ساتھ ساتھ مدرسوں اور خانقاہوں کے نقائص بیان کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کے ناقص وغیر مکمل باور کرانے کے بعد جماعت کے اہم و اتم افضل اور اکمل بیان کرانے کا نمبر آتا ہے تو جہاد و قتال کی آیات و احادیث کو اس پر چسپاں کیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تبلیغ میں گشت کرنے والوں کو ایک نماز کا ثواب ستر لاکھ نمازوں کے برابر ہے وغیرہ، اور ساری دنیا کی خوبی تبلیغی جماعت کی بدولت ہے۔

مدرسوں کی آبادی دارالافتاء کی رونق اور خانقاہوں کی ہماہمی سب تبلیغی جماعت ہی کی وجہ سے ہے جماعت میں شامل بہت بڑی تعداد جو پہلے سے دیندار ہو کسی مدرسے یا عالم سے تعلق ہو، لیکن جب وہ اس جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں تو ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ ان کی دینداری جماعت کیوجہ سے ہے۔ دیکھو ہماری جماعت نے کتنا بڑا کام کیا ہے کہ اتنے لوگوں کو دیندار بنایا ہے۔ عوام بیچارے ناواقف ہوتے ہیں۔ سن سن کر متاثر ہوتے ہیں۔

یا پھر سلف صالحین کے طریق کار کے متوازی جماعت کے قائم کرنے کا لازمی وفطری نتیجہ یہ ہے کہ جو لاشعوری طور پر متخالف طریف کار مدارس وخوانق کی ذہنوں پر چڑھی ہوئی گہری چھاپ کو محو کئے بغیر یہ متوازی تبلیغی جماعت تکثیر سواد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

شاید یہی وجہ ہو اس کی کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ علماء کی عزت کرنے اور انکی تنقیص نہ کرنے کی تلقین وتاکید فرماتے تھے۔ کیونکہ حضرت کے قلب صافی پر اس تحریک کے طریق کار کے لازمی وفطری نتیجہ واثر اور انجام کا انعکاس ہو رہا تھا۔ لازمی بات ہے کہ کسی تحریک میں جب کوئی بنیادی خامی اور کمزوری ہوتی ہے اور اس کا قدم ذرا بھی جادۂ حق سے ہٹا ہوتا ہے تو اس مفاسد اور مضار پر منتج ہونا یقینی ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

> کوئی کام خواہ کتنا ہی اہم اور ضروری کیوں نہ ہو اگر حدود شرعیہ سے بالاتر ہو کر عمل میں لایا جائیگا تو ضرور بالضرور اس میں خرابیاں اور مفاسد پیدا ہوں گے۔
>
> (کتاب تبلیغی جماعت پر اعتراضات وجوابات ص ۷۵)

لہٰذا یہ کہ کر جرم کو ہلکا نہیں کیا جاسکتا کہ یہ افراد کی غلطی ہے۔ اسباب ومحرکات پر بھی غور کرنا ضروری ہے اور بر تقدیر صحت یہ جماعتیں اور جماعتوں کے امراء جو ملکوں ملکوں شہروں شہروں اور گاؤں گاؤں پھرتے رہتے ہیں کیا انکی حیثیت جماعت کے نمائندہ ہونے کی نہیں ہے ایسی صورت میں جماعت ہی ذمہ دار گردانی جائیگی۔ پس یہ کہنا کہ یہ افراد کی غلطی ہے یہ اپنی ذمہ داری سے فرار ہے۔

ذمہ دار نمایندگان اسلام علمائے کرام مامور ہیں کہ احکام اسلام کی خلاف ورزی کرنے والوں سے تبریہ۔ اظہار بیزاری اور اس پر نکیر کریں زجر وتوبیخ سے کام لیں۔ اہل کفر وفسق اور اہل بدعت وضلالت کی برملا تکفیر، تفسیق اور تضلیل کریں۔ نہی عن المنکر سے دریغ نہ کریں۔ مداہنت کو ہرگز راہ نہ دیں۔ سکوت کرنے والوں کو لسان نبوت سے شیطان اخرس (گونگا شیطان) کہا گیا کتمان علم پر "الجم بلجام من نار" قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائے جانے کے باوجود قدرت کے ترک نہی عن المنکر پر مجرمین مرتکبین کے ساتھ عذاب وعقاب میں گرفتار ہونے اور مستحق لعنت ہونے کی وعید سنائی گئی۔ فساق وفجار کی تعریف وتوصیف اور توقیر سے بہ شدت روکا گیا۔

مثلاً ارشاد ہوا

اذا امداح الفاسق اهتز عرش	جب فاسق کی مدح کیجاتی ہے تو عرش الٰہی
الرحمن من وقر صاحب البدعة	کانپ جاتا ہے جس نے بدعتی کو توقیر کی تو
فقد اعان علی هدم الاسلام	اس نے دین کے ڈھا دینے میں مدد کی۔

حدود اللہ کے ترک پر ہلاکت اور تباہی سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا

انما اهلک الذين قبلكم	جز ایں نیست کہ تم سے پہلے لوگ اس لئے
انهم كانوا اذا سرق فيهم	ہلاک کردیئے گئے کہ جب ان میں کوئی
الشريف تركوه واذا	شریف چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیتے تھے
سرق فيهم الضحيف	اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد
اقاموا عليه الحد	قائم کرتے تھے۔

اگر اہل اسلام کے افراد میں مفاسد کا صدور وظہور ہو تو ان کے انسداد

واستیصال نیز ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکیمانہ اصول بیان کئے گئے۔ چنانچہ عمل واجب میں فساد کی شمولیت کیصورت میں بجائے اس واجب کے ترک کرنے کے فساد کی اصلاح کو ضروری قرار دیا گیا۔ اور وہ اصلاح خواہ قتل سے ہو یا جبس (جیل خانہ) سے ضرب (کوڑے لگوانے) سے ہو یا نفی وتعزیر (یعنی شہر بدر کرنے) سے وغیرہ

اور بعض علماء تو اس عمل واجب ہی کے ترک کر دینے کے قائل ہیں۔ جیسا کہ براہین قاطعہ پر بحوالہ الطریقۃ المحمد یہ مذکور ہے کہ

ثم اعلم ان فعل البدعة اشد ضررا من ترک السنة بدليل ان الفقها قالوا اذا تردد فی شئی بين كونه سنة وبدعة فتركه لازم.

پھر یہ بات جانو کہ بدعت میں زیادہ ضرر ہے بہ نسبت ترک سنت کے۔ اس دلیل سے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس امر میں دو وجہ پائی جائیں۔ ایک سنت ہونے کی ایک بدعت ہونے کی تو اس امر کا ترک واجب ہے اور جس امر میں واجب اور بدعت ہونے کا تردد ہے۔ تو اسکے ترک میں اشتباہ ہے کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اسکو ترک نہ کرے اور خلاصہ میں ایک مسئلہ اسکے خلاف پر دلالت کرتا ہے۔

وماترک الواجب هل هو اشد من فعل البدعة وعلى العكس ففيه اشتباه حيث صرحوا فيمن تردد بين كونه بدعة وواجبا انه يفعله وفی الخلاصة مسئلة تدل على خلافة الخ

معلوم ہوا کہ اگر عمل واجب نہیں۔ گو مسنون و مندوب ہی کیوں نہ ہو۔ فساد کی شمولیت کی صورت میں اس عمل ہی کو سرے سے ترک کرنے کو لازم وواجب قرار دیا

گیا جائز عمل میں ناجائز امر کی شمولیت کیصورت میں سارا عمل ناجائز قرار دیا گیا۔

"اذا اجتمع الحلال والحرام فقد غلب الحرام" جب حلال وحرام مجتمع ہو جائیں تو حرام ہی ہوگا۔

عوام کو گمراہی اور فساد عقیدہ سے بچانے کا منجانب شارع یہی خاص اور معین کیا گیا ہے۔ کہ جس مباح یا مندوب کو وہ عملاً یا اعتقاداً ضروری سمجھنے لگیں یا کسی قسم کے فساد اور گمراہی میں مبتلا ہونے لگیں تو اس عمل کو قطعاً ترک کر دیا جائے۔ اور اگر عمل ضروری ہو تو جو بھی طریقہ اصلاح کے لئے ضروری ہو اختیار کیا جائے گا۔ اور یہ حفظ عقیدۂ عوام قول بلا عمل سے کبھی نہیں ہوا کرتا۔

اصلاح عوام کا تو یہی حکیمانہ طریق امت کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے سکھایا ہے۔

غرض جس طرح بن پڑے فساد کی اصلاح اور عوام گمراہی سے بچانے کی پوری پوری کوشش کی جائیگی۔ علماء یہ کہہ چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتے کہ یہ افراد کی غلطی ہے۔

بہر حال یہ جماعتیں جو تبلیغی جماعت کے نام سے گاؤں گاؤں گشت کرتی ہیں اقطع نظر اس سے کہ ان کا تعلق کسی مرکز سے ہے یا نہیں۔ اور قطع نظر اس سے کہ اس غلطی کے ذمہ دار افراد ہیں۔ یا مرکز اور قطع نظر اس سے کہ یہ غلطی شعوری پر ہوتی ہے۔ یا لاشعوری طور پر۔ اعتراض انہیں جماعتوں پر ہے۔ یہ فتنہ، فتنۂ عظمیٰ اور داہیہ داہیۃ الکبریٰ ہے۔

لِلّٰہ حضرات علماء اس کے انسداد کی طرف توجہ فرمائیں

جیسا کہ کتاب "معروضات ومکتوبات" کے صفحہ ۱۲ پر کہا گیا ہے کہ:

اس تحریک کو واجب اور فرض بتا کر علماء اور اس خروج میں شامل نہ ہونے والے

لوگوں کو اگر بدعمل کہا گیا اور علماء کو بدنام کیا گیا۔ عوام کو ان سے بدظن کیا گیا اور (قوم کی توجہ ان کی تصانیف اور دیگر خدمات سے ہٹائی گئی) تو جماعت تبلیغی کی تمام تر پونجی جو چند اعمال کے فضائل تک محدود ہے۔ وہ کیا تمام ارکانِ اسلام کی تبلیغ کی متکفل ہوجائے گی اور خدانخواستہ خاکم بدہن اگر ان لوگوں کی سازش کامیاب ہوتی ہے تو کیا حضرات علماء امت کی خدمات اور مکمل تبلیغ اسلام کے نصاب سے قوم محروم نہ ہوجائے گی۔ یہ سازش تو اتنا بڑا جرم ہے کہ جس کا ارتکاب اب تک اہل بدعت اور طرق باطلہ ہی کیا کرتے تھے۔ "اللھم احفظنا" ضرورت ہے کہ اکابر جماعت فوراً اس طرف متوجہ ہوں اور اس سازش کو مٹانے کی انتہائی کوشش کریں۔ ورنہ نقصان اپنی ہی جماعت کے افراد سے اتنا زبردست ہوگا کہ اس کی مکافات مشکل ہوجائیگی۔

پس اے لوگو! علماء باللہ، اولیاء اللہ وبیوت اللہ کی تنقیص وتحقیر کرکے عذاب الٰہی اور تباہی وبربادی کو دعوت مت دو۔ عوام مسلمانوں کو اصلاح وہدایت کے سرچشمہ سے الگ اور بیگانہ مت کرو۔

دینی علمی وعملی خدمات جو مدارس اور خانقاہوں کے فیض یافتہ علمائے ربانی وفضلائے حقانی انجام دے رہے ہیں۔ اس کے آثار کا شمس فی نصف النہار روشن اور نمایاں ہیں۔

تدریسی، تصنیفی، تحریری وزبانی تبلیغ غرض کہ ہر خدمت دین ان حضرات کو نصیب ہوئیں۔ سینکڑوں ہزاروں ادارے مدرسے وغیرہ ہندوستان وبیرون ہند کے اس مقدس فریضہ کی انجام دہی میں لگے ہوئے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں انسان ان مدارس اور علماء کے فیض سے بہرہ مند ہوئے اور ہورہے ہیں۔ یہ علامت ان کی

مقبولیت کی ہے۔

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا اور زندگی بسر کرنے کا واحد ذریعہ انہیں حضرات کے اتباع میں منحصر ہے۔ اسلاف کرام کا سچا نمونہ بن کر قوت علمیہ عملیہ میں باکمال ہوکر بالکل انہیں کے طرز پر ان بزرگوں نے جو کتاب وسنت اور دین الٰہی کی خدمت کی ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے دین کے فروغ دینے اور سنت کو زندہ رکھنے کے لئے ان کی خدمات کو زندہ رکھنا اور سراہنا، انہیں کے طور طریقوں کو اختیار کرنا جو اس وقت مدارس وخوانق کی صورت میں موجود ہیں۔ انہیں کے اتباع کی ترغیب دینا، ان کے متبعین کی حوصلہ افزائی کرنا ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنا اس وقت ہر کام کرنے والے مسلمان پر واجب ہے۔

ومن کان حق لہ مادح ☆ فحق علی الناس ان یمدحوہ

ان کے طرز کے خلاف دوسرا طریقہ ایجاد کرنا، ان کے کاموں ان کے طور طریقوں پر تنقید کرنا اور اس کی تحقیر کرنا، ان کی اہمیت کو کم کرنا نہ صرف یہ کہ جائز نہیں بلکہ گناہ عظیم اور بدترین جرم ہے۔

الحاد ودہریت اور بددینی کو مغلوب کرنا نہیں بلکہ ان کو ترقی اور فروغ دینا ہے چونکہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے لہٰذا ان کا وجود ضروری اور واجب ہے۔

البتہ علماء ومشائخ، مدارس اور خوانق کی قوت علمیہ وعملیہ میں جو افراط وتفریط، ضعف وسستی، غفلت اور کوتاہیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کی اصلاح بھی واجب ہے۔ لیکن کوتاہیوں کی وجہ سے ان کو توڑا نہ جائے گا نہ ترک جائز ہوگا۔ ہاں ان کو تنبیہ وتبلیغ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر تشقق کے ساتھ علی الاطلاق نہیں۔ اپنے اپنے زمانہ میں

محققین و مصلحین نے اس سے غفلت بھی نہیں برتی اور اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ مثلاً حضرت امام غزالی، مجدد الف ثانی، الشیخ ولی اللہ دہلوی، حکیم الامت مجدد تھانوی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

علماء سوء کے بارے میں تشدیدات وتہدیدات عظیمہ قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں بہر حال مطلقاً نہیں تشقیق وتعیین کے ساتھ تنقیدات وتبصرے کئے جاسکتے ہیں۔ مگر جہلا کو اس کا موقع نہیں دیا جاسکتا۔

عالمگیری ۵/۳۵۳ میں ہے۔

لایجوز للرجل من العوام ان یامر بالمعروف القاضی والمفتی والعالم الذی اشتھر لانه اسائة الادب.	عوام میں سے کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ مشہور معروف قاضی اور مفتی اور عالم کو امر بالمعروف کرے اس لئے کہ یہ بے ادبی ہے۔

غرضیکہ کوتاہیوں کی تلافی کی کوشش کی جائے۔ یہ کون سی عقلمندی ہے کہ ان کے متوازی کوئی دوسرا طریقہ ایجاد کر کے اس انبیائی کام ہی کو سرے سے ختم کر دیا جائے یا دوسرا گھڑا ہوا بدعی ایجاد کیا جائے۔ یا کسی دوسرے صحیح قاصر طریقہ کی قولاً وفعلاً اہمیت وفضیلت باور کرا کر اس آزمودہ ومجرب اور عین کتاب وسنت کے مطابق کام کی اہمیت کو کم کیا جائے۔ اور اس کی طرف سے عوام کی توجہ وہمت کو موڑ کر دوسری طرف لگا دیا جائے غور فرمایئے۔ کیا زبردست اور کیسا عظیم فتنہ ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ تبلیغ کی عمومی جدوجہد حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ منجملہ ثمرات وبرکات مدارس وخوانق ہی ہے۔ اور انہیں کا ایک حصہ ہے اور ان کی

فضیلت وعظمت میں شریک ہے۔ لیکن اس عمومی کوشش کو مدارس وخوانق سے کاٹ کر اور علیحدہ قرار دے کر ان کا مدمقابل باور کرانے اور مستقل پارٹی کی شکل دے کر گو حدود شرعیہ سے متجاوز کیوں نہ ہو، تشخص وامتیاز کو برقرار رکھنے پر اصرار کرنا اور اس کی بے پناہ تشہیر کرنا مدارس وخوانق کی تنقیص وتحقیر کرنا اور ان پر ان متشخص ومتعین، مخصوص وممتاز پارٹی کی تفضیل غرض شریعت کے مدمقابل کسی دوسری ہی غرض ومصلحت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

> ''بقول حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی دامت برکاتہم میں تو اس سے سمجھتا ہوں کہ کسی کے نزدیک اس کی حیثیت متعین نہیں ''کیفما اتفق'' اس کو افضل قرار دینے کی دھن ہے۔ اور تحت الشعور یہ بات دبی ہوئی ہے۔ کہ جب یہ کام افضل ثابت ہوگا تو ہماری افضلیت خود بخود ثابت ہو جائے گی۔

''اَللّٰھُمَّ اِنَّانَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا''

''اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقاً وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ''

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ.

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.